حالاتِ
فقہا و محدثین
محمد حنیف خاں رضوی بریلوی
امام احمد رضا اکیڈمی رجسٹرڈ
صالح نگر، بریلی شریف

بسم الله الرحمن الرحيم

عند ذكر الصالحين تنزل الرحمة (اتحاف السادة)

# حالات فقہا و محدثین

تالیف

محمد حنیف خاں رضوی بریلوی

صدر المدرسین جامعہ نوریہ رضویہ بریلی شریف

ناشر

امام احمد رضا اکیڈمی

صالح نگر، رامپور روڈ، بریلی شریف

سلسلہ اشاعت.................................................(۶)

نام کتاب..................................حالات فقہاومحدثین

نام مؤلف..................................محمد حنیف خاں رضوی بریلوی

کمپوز ڈسیٹنگ..............................محمد شمس الدین برکاتی، محمد منیف رضا خاں برکاتی

تعداد..........................................(۱۱۰۰)

سنہ اشاعت...................................(۱۴۲۷ھ/۲۰۰۶ء)

ہدیہ..........................................

## ملنے کے پتے

کتب خانہ امجدیہ مٹیا محل جامع مسجد دہلی

فاروقیہ بک ڈپو مٹیا محل جامع مسجد دہلی

رضوی کتاب گھر مٹیا محل جامع مسجد دہلی

اسلامک پبلشر مٹیا محل جامع مسجد دہلی

اعلیٰ حضرت دارالکتب نومحلہ مسجد بریلی شریف

قادری کتاب گھر نومحلہ مسجد بریلی شریف

برکاتی بک ڈپو نومحلہ مسجد بریلی شریف

# ابتدائیہ

باسمہ تعالیٰ و تقدس

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: العلماء ورثۃ الانبیاء، علمائے دین انبیائے کرام علیہم الصلوۃ والسلام کے وارث وجانشین ہیں، اور یہ وراثت درہم و دینار میں نہیں ہوتی، بلکہ علم وحکمت کی صورت میں عطا کی جاتی ہے، لہذا حضور ہادی عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال اقدس کے بعد تبلیغ علوم دینیہ کا فریضہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو تفویض ہوا اور ان سے منتقل ہوتا ہوا ہر دور میں علمائے ربانیین کو سونپا جاتا رہا۔

علمائے کرام کی جماعت میں فقہاء ومحدثین نے جو کارہائے نمایاں انجام دیئے اور دینی علوم کی جس طرح آبیاری فرمائی وہ پوشیدہ چیز نہیں۔ کتب تفسیر وحدیث اور فقہ اسلامی کی شکل میں جو ذخیرہ آج اپنی تمام تر جلوہ سامانیوں کے ساتھ موجود ہے، یہ انہیں فقہاء ومحدثین کی خدمات جلیلہ کا ثمرہ ہے، ایک طرف محدثین نے اقوال رسول وافعال نبویہ کی حفاظت فرمائی تو دوسری طرف فقہائے کرام نے ان کے معانی و مطالب احادیث مبارکہ کے جواہرات سے امت مسلمہ کے علم وعمل کو زینت بخشی۔

فقہا ومحدثین کی نورانی جماعت سے وابستہ نفوس قدسیہ کی تعداد بے شمار ہے

اور یہ سلسلہ صحابہ وتابعین سے شروع ہوکر آج تک جاری ہے اور زمان آخر جاری رہیگا۔

اسی سلسلہ کی چند معروف ومقتدر شخصیات کی حیات مبارکہ اوران کی خدمات جلیلہ کے چند گوشوں کواجاگر کرنے کے لئے راقم الحروف نے یہ مجموعہ ہدیۂ ناظرین کیا ہے، امام الائمہ سراج الامہ سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حالات سے اس کا آغاز ہوا ہے اور اختتام سیدی ومرشدی ومولائی حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ والرضوان کی حیات وخدمات پر ہے۔اس طرح اس کتاب میں ۳۵ فقہا ومحدثین کا تذکرہ ہے۔

مولیٰ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ان مبارک ہستیوں کے طفیل میری اس سعی کومشکور فرمائے اورشرف قبولیت سے مشرف فرما کر دارین کی سعادتوں سے سرفراز فرمائے۔

آمین بجاه النبی الکریم علیه التحیة والتسلیم.

محمد حنیف خاں رضوی

خادم الطلبہ جامعہ نوریہ رضویہ بریلی شریف

مورخہ ۱۷رمحرم الحرام ۱۴۲۷ھ

۱۶رفروری ۲۰۰۶ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# امام اعظم ابو حنیفہ

**نام ونسب:** نام،نعمان۔کنیت،ابوحنیفہ۔والد کا نام،ثابت۔القاب،امام اعظم، امام الائمہ سراج الامہ،رئیس الفقہاء والمجتہدین،سید الاولیاء والمحدثین۔آپکے دادا اہل کابل سے تھے۔سلسلہ نسب یوں بیان کیا جاتا ہے۔

نعمان بن ثابت بن مرزبان زوطی بن ثابت بن یزدگرد بن شہریار بن پرویز بن نوشیرواں۔

شرح تحفہ نصائح کے بیان کے مطابق آپ کا سلسلہ نسب حضرت ابراہیم علی نبینا علیہ الصلوٰۃ والتسلیم تک پہونچتا ہے اور یہاں آکر حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے آپ کا نسب مل جاتا ہے۔

خطیب بغدادی نے سیدنا حضرت امام اعظم کے پوتے حضرت اسمٰعیل بن حماد سے نقل کیا ہے کہ میں اسمٰعیل بن حماد بن نعمان بن مرزبان از اولاد فرس احرار ہوں۔اللہ کی قسم! ہم پر کبھی غلامی نہیں آئی۔میرے دادا حضرت ابوحنیفہ کی ولادت ۸۰ھ میں ہوئی،انکے والد حضرت ثابت چھوٹی عمر میں حضرت علی مرتضی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی خدمت میں حاضر کئے گئے ،آپ نے انکے اور انکی اولاد کیلئے برکت کی دعا کی۔اور ہم اللہ سے امید رکھتے ہیں کہ حضرت علی مرتضی کی دعا ہمارے حق میں قبول کرلی گئی ہے۔(۱)

اس روایت سے ثابت کہ آپکی ولادت ۸۰ھ میں ہوئی۔دوسری روایت جو حضرت امام ابویوسف سے ہے اس میں ۷۷ھ ہے۔علامہ کوثری نے ۷۰ھ کو دلائل وقرائن سے ترجیح دی ہے اور کہا ہے کہ ۷۸ھ میں اپنے والد کے ساتھ حج کو گئے اور وہاں حضرت عبداللہ بن

الحارث سے ملاقات ہوئی اور حدیث سنی۔ اسی ۸۰ھ کو ابن حبان نے بھی صحیح بتایا ہے۔

معتمد قول یہ ہی ہے کہ آپ فارسی النسل ہیں اور غلامی کا دھبہ آپکے آباء میں کسی پرنہیں لگا، مورخوں نے غیر عرب پر موالی کا استعمال کیا ہے بلکہ عرب میں ایک رواج یہ بھی تھا کہ پردیسی یا کمزور افراد کسی بااثر شخص یا قبیلہ کی حمایت و پناہ حاصل کر لیتا تھا۔لہذا حضرت امام اعظم کے جد امجد جب عراق آئے تو آپ نے بھی ایسا ہی کیا۔

امام طحاوی شرح مشکل الآثار میں راوی کہ حضرت عبداللہ بن یزید کہتے ہیں، میں امام اعظم کی خدمت میں حاضر ہوا تو انہوں نے مجھ سے پوچھا، تم کون ہو؟ میں نے عرض کیا: میں ایسا شخص ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے جس پر اسلام کے ذریعہ احسان فرمایا، یعنی نومسلم۔ حضرت امام اعظم نے فرمایا: یوں نہ کہو، بلکہ ان قبائل میں سے کسی سے تعلق پیدا کرلو پھر تمہاری نسبت بھی انکی طرف ہوگی، میں خود بھی ایسا ہی تھا۔ (۲)

مولی صرف غلام ہی کو نہیں کہا جاتا، بلکہ ولاء اسلام، ولاء حلف، اور ولاء لزوم کو بھی ولاء کہتے ہیں اور ان تعلق والوں کو بھی موالی کہا جاتا ہے۔ امام بخاری ولاء اسلام کی وجہ سے جعفی ہیں۔ امام مالک ولاء حلف کی وجہ سے تیمی۔ اور مقسم کو ولاء لزوم یعنی حضرت ابن عباس کی خدمت میں ایک عرصہ تک رہنے کی وجہ سے مولیٰ ابن عباس کہا جاتا ہے۔ (۳)

**کنیت کی وضاحت:۔** آپکی کنیت ابوحنیفہ کے سلسلہ میں متعدد اقوال ہیں۔

۱۔ چونکہ اہل عرب دوات کو حنیفہ کہتے ہیں اور کوفہ کی جامع مسجد میں چارسو دواتیں طلبہ کیلئے ہمیشہ وقف رہتی تھیں۔ امام اعظم کا حلقہ درس وسیع تھا اور آپکے ہر شاگرد کے پاس علیحدہ دوات رہتی تھی، لہذا آپ کو ابوحنیفہ کہا گیا۔

۲۔ صاحب ملت حنیفہ، یعنی ادیان باطلہ سے اعراض کر کے حق کی طرف پورے طور پر مائل رہنے والا۔

۳۔ ماء مستعمل کو آپ نے طہارت میں استعمال کرنے کیلئے جائز قرار نہیں دیا تو آپ کے متبعین نے ٹوٹیوں کا استعمال شروع کیا، چونکہ ٹوٹی کو حنیفہ کہتے ہیں لہذا آپ کا نام ابوحنیفہ پڑ گیا۔ (۴)

وجہ تسمیہ: وجہ تسمیہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ نعمان لغت عرب میں خون کو کہتے ہیں جس پر مدار حیات ہے۔ نیک فالی کے طور پر یہ نام رکھا گیا۔ آپ نے شریعت اسلامیہ کے وہ اصول مرتب کئے جو مقبول خلائق ہوئے اور شریعت مطہرہ کی ہمہ گیری کا ذریعہ بنیں۔ یہاں تک کہ امام شافعی قدس سرہ نے بھی آپ کی عملی شوکت و فقہی جلالت شان کو دیکھ کر فرمایا۔

الناس فی الفقه عیال ابی حنیفة۔

فقہ میں سب لوگ ابوحنیفہ کے محتاج ہیں۔

نعمان گل لالہ کی ایک قسم کا نام بھی ہے۔ اسکا رنگ سرخ ہوتا ہے اور خوشبو نہایت روح پرور ہوتی ہے، چنانچہ آپ کے اجتہاد اور استنباط سے بھی فقہ اسلامی اطراف عالم میں مہک اٹھی۔

## بشارت عظمیٰ:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہم حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر تھے، اسی مجلس میں سورۂ جمعہ نازل ہوئی، جب آپ نے اس سورۃ کی آیت:۔ آخرین منهم لما یلحقو بهم۔

پڑھی تو حاضرین میں سے کسی نے پوچھا، یارسول اللہ! یہ دوسرے حضرات کون ہیں جو ابھی ہم سے نہیں ملے؟ حضور یہ سنکر خاموش رہے، جب بار بار پوچھا گیا تو حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کاندھے پر دست اقدس رکھکر ارشاد فرمایا:۔

لو کان الایمان عندالثریا لناله رجل من هؤلاء۔(۵)

اگر ایمان ثریا کہ پاس بھی ہوگا تو اسکی قوم کے لوگ اسکو ضرور تلاش کرلیں گے۔

یہ حدیث متعدد سندوں سے مختلف الفاظ کے ساتھ مروی ہے۔ جسکا مفہوم و معنی ایک ہے۔

علامہ ابن حجر مکی نے حافظ امام سیوطی کے بعض شاگردوں کہ حوالے سے لکھا ہے کہ ہمارے استاد امام سیوطی یقین کے ساتھ کہتے تھے۔

اس حدیث کے اولین مصداق صرف امام اعظم ابوحنیفہ ہیں۔ کیونکہ امام اعظم کے زمانے میں اہل فارس سے کوئی بھی آپ کے علم و فضل تک نہ پہونچ سکا۔(٦)

الفضل ماشهدت به الاعداء ۔ کے بموجب نواب صدیق حسن خاں بھوپالی کو بھی اس امر کا اعتراف کرنا پڑا۔ لکھتے ہیں

ہم امام دراں داخل ست ۔(۷)

امام اعظم بھی اس حدیث کے مصداق ہیں۔

امام بخاری کی روایت سے یہ بھی ظاہر ہے کہ حضرت سلمان فارسی کیلئے یہ بشارت نہ تھی کہ آیت میں، لما یلحقو بھم ، کے بارے میں سوال تھا اور جواب میں آئندہ لوگوں کی نشاندھی کی جارہی ہے، لہذا وہ لوگ غلط فہمی کا شکار ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ حدیث تو حضرت سلمان فارسی کیلئے تھی اور احناف نے امام اعظم پر چسپاں کردی۔ قارئین غور کریں کہ یہ دیانت سے کتنی بعیا بات ہے۔

## تعلیم کے مراحل:

آپ نے ابتدائی ضروری تعلیم کے بعد تجارت کا میدان اختیار کرلیا تھا۔ آپ ریشم کے کپڑے کی تجارت کرتے تھے، حفص بن عبدالرحمٰن بھی آپ کے شریک تجارت تھے۔ آپکی تجارت عامیانہ اصول سے بالاتر تھی ۔آپ ایک مثالی تاجر کا رول ادافرماتے، بلکہ یوں کہا جائے کہ تجارت کی شکل میں لوگوں پر جودوکرم کا فیض جاری کرنا آپ کا مشغلہ تھا۔

ایک دن تجارت کے سلسلہ میں بازار جارہے تھے، راستے میں امام شعبی سے ملاقات ہوئی، یہ وہ عظیم تابعی ہیں جنہوں نے پانچسو صحابہ کرام کا زمانہ پایا، فرمایا: کہاں جاتے ہو؟ عرض کی بازار، چونکہ آپ نے امام اعظم کے چہرہ پر ذہانت وسعادت کے آثار نمایاں دیکھ کر بلایا تھا، فرمایا: علماء کی مجلس میں نہیں بیٹھتے ہو، عرض کیا نہیں ۔فرمایا: غفلت نہ کروتم علماء کی مجلس میں بیٹھا کرو ۔کیونکہ میں تمہارے چہرے میں علم وفضل کی درخشندگی کے آثار دیکھ رہا ہوں۔(۸)

امام اعظم فرماتے ہیں:

امام شعبی کی ملاقات اوران کے اس فرمان نے میرے دل پر اثر کیا اور بازار کا جانا میں نے چھوڑ دیا۔ پہلے علم کلام کی طرف متوجہ ہوا اور اس میں کمال حاصل کرنے کے بعد گمراہ فرقوں

مثلاً جہمیہ قدریہ سے بحث و مباحثہ کیا اور مناظرہ شروع کیا۔ پھر خیال آیا کے صحابہ کرام سے زیادہ دین کو جاننے والا کون ہوسکتا ہے، اس کے باوجود ان حضرات نے اس طریق کو نہ اپنا کر شرعی اور فقہی مسائل سے زیادہ شغف رکھا، لہذا مجھے بھی اسی طرف متوجہ ہونا چاہیئے۔

کوفہ آپ کے عہد پاک میں فقہائے عراق کا گہوارہ تھا جس طرح اس کے برخلاف بصرہ مختلف فرقوں اور اصول اعتقاد میں بحث و مجادلہ کرنے والوں کا گڑھ تھا۔ کوفہ کا یہ علمی ماحول بذات خود بڑا اثر آفریں تھا۔ خود فرماتے ہیں: میں علم و فقہ کی کان کوفہ میں سکونت پذیر تھا اور اہل کوفہ کا جلیس و ہم نشیں رہا۔ پھر فقہاء کوفہ میں ایک فقیہ کے دامن سے وابستہ ہوگیا۔ (۹)

ان فقیہ سے مراد حضرت حماد بن ابی سلیمان ہیں جو اس وقت جامع کوفہ میں مسند درس و تدریس پر متمکن تھے اور یہ درسگاہ باقاعدہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد پاک سے چلی آرہی تھی۔

اس مبارک شہر میں ایک ہزار پچاس صحابہ کرام جن میں ستر اصحاب بدر اور تین سو بیعت رضوان کے شرکاء تھے آکر آباد ہوگئے۔ جس برج میں یہ نجوم ہدایت اکٹھے ہوں انکی ضوفشانیاں کہاں تک ہونگی اس کا اندازہ ہر ذی فہم کرسکتا ہے۔

اس کا نتیجہ یہ تھا کہ کوفہ کا ہر گھر علم کے انوار سے جگمگا رہا تھا۔ ہر گھر دارالحدیث اور دارالعلوم بن گیا تھا۔ حضرت امام اعظم جس عہد میں پیدا ہوئے اس وقت کوفہ میں حدیث و فقہ کے وہ ائمہ مسند تدریس کی زینت تھے جن میں ہر شخص اپنی اپنی جگہ آفتاب و مہتاب تھا۔ کوفہ کی یہ خصوصیت صحاح ستہ کے مصنفین کے عہد تک بھی باقی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ امام بخاری کو اتنی بار کوفہ جانا پڑا کہ وہ اسے شمار نہیں کرسکے، اور صحاح ستہ کے اکثر شیوخ کوفہ کے ہیں۔

اس وقت کوفہ میں مندرجہ ذیل مشاہر ائمہ موجود تھے۔

حضرت ابراہیم نخعی فقیہ عراق، امام عامر شعبی، سلمہ بن کہیل، ابواسحاق سبیعی، سماک بن حرب، محارب بن دثار، عون بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود، ہشام بن عروہ بن زبیر، سلیمان بن مہران اعمش، حماد بن ابی سلیمان فقیہ عراق۔

سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس وقت صحابہ کرام میں سے حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کوفہ ہی میں تھے۔

کوفہ کو مرکز علم وفضل بنانے میں ایک ہزار پچاس صحابہ کرام نے جو کیا وہ تو کیا ہی اصل فیض حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا ہے۔ حضرت ابن مسعود کو حضرت فاروق اعظم نے کوفہ کا قاضی اور وہاں کے بیت المال کا منتظم بنایا تھا، اسی عہد میں انہوں نے کوفہ میں علم وفضل کا دریا بہایا۔

اسرار الانوار میں ہے:

کوفہ میں ابن مسعود کی مجلس میں بیک وقت چار ہزار افراد حاضر ہوتے۔ ایک بار حضرت علی کوفہ تشریف لائے اور حضرت ابن مسعود ان کے استقبال کے لئے آئے تو سارا میدان آپ کے تلامذہ سے بھر گیا۔ انہیں دیکھ کر حضرت علی نے خوش ہو کر فرمایا: ابن مسعود! تم نے کوفہ کو علم وفقہ سے بھر دیا، تمہاری بدولت یہ شہر مرکز علم بن گیا۔

پھر اس شہر کو باب مدینۃ العلم حضرت علی نے اپنے روحانی وعرفانی فیض سے ایسا سینچا کہ تیرہ سو سال گذرنے کے باوجود پوری دنیا کے مسلمان اس سے سیراب ہو رہے ہیں۔ خواہ علم حدیث ہو یا علم فقہ۔ اگر کوفہ کے راویوں کو ساقط الاعتبار کر دیا جائے تو پھر صحاح ستہ صحاح ستہ نہ رہ جائیں گی۔

امام شعبی نے فرمایا: صحابہ میں چھ قاضی تھے، ان میں تین مدینے میں تھے۔ عمر، ابی بن کعب، زید۔ اور تین کوفے میں علی، ابن مسعود، ابوموسی اشعری۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

امام مسروق نے کہا: میں نے اصحاب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھا ان میں چھ کو منبع علم پایا۔ عمر، علی، ابن مسعود، زید، ابودرداء، ابی بن کعب، اسکے بعد دیکھا تو ان چھ حضرات کا علم ان دو میں مجتمع پایا۔ علی اور ابن مسعود۔ ان دونوں کا علم مدینے سے بادل بن کر اٹھا اور کوفے کی وادیوں پر برسا۔ ان آفتاب و ماہتاب نے کوفے کے ذرے ذرے کو چمکایا۔

حضرت عمر نے اس شہر کو راس الاسلام، راس العرب، جمجمۃ العرب، رمح اللہ

اور کنز الایمان کہا۔

حضرت سلمان فارسی نے قبۃ الاسلام کا لقب دیا۔

حضرت علی نے کنز الایمان، جمجمۃ الاسلام، رمح اللہ، سیف اللہ فرمایا۔(۱۰)

امام اعظم نے امام حماد کے حلقہ تلامذہ میں شرکت اس وقت کی جب آپکی عمر بیس سال سے متجاوز ہوگئی تھی اور آپ اٹھارہ سال تک انکی خدمت میں فقہ حاصل کرتے رہے، درمیان میں آپ نے دوسرے بلاد کا سفر بھی فرمایا، حج بیت اللہ کیلئے بھی حرم شریف میں حاضری کا موقع ملا۔اس طرح آپ ہر جگہ علم کی تلاش میں رہے اور تقریباً چار ہزار مشائخ سے علم حدیث وفقہ حاصل کیا اور پھر اپنے استاذ حضرت حماد کی مسند درس پر جلوس فرمایا۔

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ امام حماد کا وصال ۱۲۰ھ میں ہوا، لہذا انکے وصال کے وقت امام اعظم کی عمر چالیس سال تھی، گویا جسم وعقل میں کامل ہونے کے بعد آپ نے چالیس سال کی عمر میں مسند درس کو رونق بخشی۔

آپ کو پہلے بھی اس چیز کا خیال آیا تھا کہ میں اپنی درسگاہ علیحدہ قائم کرلوں مگر تکمیل کی نوبت نہ آئی۔آپکے شاگرد امام زفر فرماتے ہیں۔

امام اعظم ابوحنیفہ نے اپنے استاذ حضرت حماد سے وابستگی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:
میں دس سال آپکی صحبت میں رہا، پھر میرا جی حصول اقتدار کیلئے للچایا تو میں نے الگ اپنا حلقہ جمانے کا ارادہ کرلیا۔ایک روز میں پچھلے پہر نکلا اور چاہا کہ آج یہ کام کر ہی لوں، مسجد میں قدم رکھا اور شیخ حماد کو دیکھا تو ان سے علیحدگی پسند نہ آئی اور انکے پاس ہی آکر بیٹھ گیا۔اسی رات حضرت حماد کو اطلاع ملی کہ بصرہ میں ان کا کوئی عزیز فوت ہوگیا ہے، بڑا مال چھوڑا اور حماد کے سوا کوئی دوسرا وارث نہیں ہے، آپنے اپنی جگہ مجھے بٹھایا، جیسے ہی وہ تشریف لے گئے کہ میرے پاس چند ایسے مسائل آئے جو میں نے آج تک ان سے نہ سنے تھے، میں جواب دیتا جاتا اور اپنے جوابات لکھتا جاتا تھا۔جب حضرت حماد واپس تشریف لائے تو میں نے وہ مسائل پیش کئے، یہ تقریباً ساٹھ مسائل تھے۔چالیس سے تو آپ نے اتفاق کیا لیکن بیس میں میرے خلاف جواب دیئے

۔میں نے اسی دن یہ تہیہ کرلیا کہ تاحین حیات ان کا ساتھ نہ چھوڑونگا، لہذا میں اسی عہد پر قائم رہا اور تازندگی انکے دامن سے وابستہ رہا۔

غرضکہ آپ چالیس سال کی عمر میں کوفہ کی جامع مسجد میں اپنے استاذ کی مسند پر متمکن ہوئے اور اپنے تلامذہ کو پیش آمدہ فتاوی و جوابات کا درس دینا شروع کیا۔آپ نے بڑی سلجھی ہوئی گفتگو اور عقل سلیم کی مدد سے اشباہ وامثال پر قیاس کا آغاز کیا اور اس فقہی مسلک کی داغ بیل ڈالی جس سے آگے چل کر حنفی مذہب کی بنیاد پڑی۔

آپ نے دراسات علمی کے ذریعہ ان اصحاب کرام کے فتاوی تک رسائی حاصل کی جو اجتہاد و استنباط، ذہانت و فطانت اور جودت رائے میں اپنی مثال آپ تھے۔

ایک دن آپ منصور کے دربار میں تشریف لے گئے، وہاں عیسی بن موسی بھی موجود تھا۔ اس نے منصور سے کہا: یہ اس عہد کے سب سے بڑے عالم دین ہیں، منصور نے امام اعظم کو مخاطب کر کے کہا:۔

نعمان! آپ نے علم کہاں سے سیکھا، فرمایا: حضرت ابن عمر کے تلامذہ سے اور انہوں نے حضرت ابن عمر سے۔ نیز شاگردان علی سے انہوں نے حضرت علی سے۔اسی طرح تلامذہ ابن مسعود سے۔ بولا: آپ نے بڑا قابل اعتماد علم حاصل کیا۔(۱۱)

**شرف تابعیت** :۔امام اعظم قدس سرہ کو متعدد صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے شرف ملاقات بھی حاصل تھا، آپکے تمام انصاف پسند تذکرہ نگار اور مناقب نویس اس بات پر متفق ہیں اور یہ وہ خصوصیت ہے جو ائمہ اربعہ میں کسی کو حاصل نہیں۔ بلکہ بعض نے تو صحابہ کرام سے روایت کا بھی ذکر کیا ہے۔

علامہ ابن حجر ہیتمی مکی لکھتے ہیں:۔

امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صحابہ کرام کی ایک جماعت کو پایا۔آپکی ولادت ۸۰ھ میں ہوئی، اس وقت کوفہ میں صحابہ کرام کی ایک جماعت تھی۔ حضرت عبداللہ بن ابی اوفی کا وصال ۸۸ھ کے بعد ہوا ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس وقت بصرہ میں موجود تھے اور ۹۵ھ میں وصال فرمایا۔ آپ نے انکو دیکھا ہے۔ ان حضرات کے سوا دوسرے بلاد میں دیگر صحابہ کرام بھی موجود تھے۔ جیسے

☆ حضرت واثلہ بن اسقع شام میں۔ وصال ۸۵ھ

☆ حضرت سہل بن سعد مدینہ میں۔ وصال ۸۸ھ

☆ حضرت ابوالطفیل عامر بن واثلہ مکہ میں۔ وصال ۱۱۰ھ

یہ تمام صحابہ کرام میں آخری ہیں جنکا وصال دوسری صدی میں ہوا۔ اور امام اعظم نے ۹۳ھ میں انکو حج بیت اللہ کے موقع پر دیکھا۔

امام ابو یوسف سے روایت ہے کہ میں نے خود امام اعظم کو فرماتے سنا کہ:۔

میں ۹۳ھ میں اپنے والد کے ساتھ حج کو گیا، اس وقت میری عمر سولہ سال کی تھی۔ میں نے ایک بوڑھے شخص کو دیکھا کہ ان پر لوگوں کا ہجوم تھا، میں نے اپنے والد سے پوچھا کہ یہ بوڑھے شخص کون ہیں؟ انہوں نے فرمایا: یہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صحابی ہیں اور انکا نام عبداللہ بن حارث بن جزء ہے، پھر میں نے دریافت کیا کہ ان کے پاس کیا ہے؟ میرے والد نے کہا: ان کے پاس وہ حدیثیں ہیں جو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنی ہیں ۔میں نے کہا: مجھے بھی انکے پاس لے چلئے تاکہ میں بھی حدیث شریف سن لوں، چنانچہ وہ مجھ سے آگے بڑھے اور لوگوں کو چیرتے ہوئے چلے یہاں تک کہ میں انکے قریب پہونچ گیا اور میں نے ان سے سنا کہ آپ کہہ رہے تھے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم : من تفقہ فی دین اللہ کفاہ اللہ ھمہ ورزقہ من حیث لایحسبہ۔ (۱۲)

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے دین کی سمجھ حاصل کرلی اسکی فکروں کا علاج اللہ تعالیٰ کرتا ہے اور اس کو اس طرح پر روزی دیتا ہے کہ کسی کو شان وگمان بھی نہیں ہوتا۔

علامہ کوثری کی صراحت کے مطابق، پہلا حج ۸۷ھ میں سترہ سال کی عمر میں کیا، اور دوسرا ۹۱ھ میں ۲۶ سال کی عمر۔ اور متعدد صحابہ کرام سے شرف ملاقات حاصل ہوا۔ درمختار میں بیس اور خلاصہ اکمال میں چھبیس صحابہ کرام سے ملاقات ہونا بیان کی گئی ہے۔

بہرحال اتنی بات متحقق ہے کہ صحابہ کرام سے ملاقات ہوئی اور آپ بلاشبہ تابعی ہیں اوراس شرف میں اپنے معاصرین واقران مثلا امام سفیان ثوری، امام اوزاعی، امام مالک، اور امام لیث بن سعد پر آپکوفضیلت حاصل ہے۔(۱۳)

لہذا آپکی تابعیت کا ثبوت ہر شک وشبہ سے بالاتر ہے۔ بلکہ آپکی تابعیت کے ساتھ یہ امر بھی متحقق ہے کہ آپ نے صحابہ کرام سے احادیث کا سماع کیااور روایت کیا ہے۔تو یہ وصف بھی بلاشبہ آپکی عظیم خصوصیت ہے۔ بعض محدثین ومورخین نے اس سلسلہ میں اختلاف بھی کیا ہے لیکن مصنف مزاج لوگ خاموش نہیں رہے، لہذا احناف کی طرح شوافع نے بھی اس حقیقت کو واضح کردیا ہے۔

علامہ عینی حضرت عبداللہ بن ابی اوفی صحابی رسول کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:۔

ھو احد من رأہ ابو حنیفۃ من الصحابۃ وروی عنہ ولا یلتفت الی قول المنکر المتعصب و کان عمر ابی حنیفۃ حینئذ سبع سنین وھو سن التمییز ھذاعلی الصحیح ان مولد ابی حنیفۃ سنۃ ثمانین وعلی قول من کان سنۃ سبعین یکون عمر ہ حینئذ سبعۃ عشرۃ سنۃ ویستبعدجدا ان یکون صحابی مقیما ببلدۃ وفی اھلھا من لارأہ واصحابہ اخبر بحالہ وھم ثقاۃ فی انفسھم۔(۱٤)

عبداللہ بن ابی اوفی ان صحابہ سے ہیں جن کی امام ابوحنیفہ نے زیارت کی اوران سے روایت کی قطع نظر کرتے ہوئے منکر متعصب کے قول سے امام اعظم کی عمراس وقت سات سال کی تھی کیونکہ صحیح یہ ہے کہ آپ کی ولادت ۸۰ھ میں ہوئی اور بعض اقوال کی بناپراس وقت آپکی عمر سترہ سال کی تھی۔ بہرحال سات سال عمر بھی فہم وشعور کا سن ہے اور یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ایک صحابی کسی شہر میں رہتے ہوں اور شہر کے رہنے والوں میں کوئی ایسا شخص ہو جس نے اس صحابی کو نہ

دیکھا ہو۔اس بحث میں امام اعظم کی تلامذہ کی بات ہی معتبر ہے کیونکہ وہ ان کے احوال سے زیادہ واقف ہیں اور ثقہ بھی ہیں۔

ملاعلی قاری امام کردری کے حوالہ سے لکھتے ہیں:۔

قال الکردری جماعة من المحدثین انکر واملاقاته مع الصحابة و اصحابه اثبتوه بالاسانید الصحاح الحسان وھم اعرف باحواله منھم و المثبت العدل اولی من النافی۔( ۱۵ )

امام کردری فرماتے ہیں کہ محدثین کی ایک جماعت نے امام اعظم کی صحابہ کرام سے ملاقات کا انکار کیا ہے اور انکے شاگردوں نے اس بات کو صحیح اور حسن سندوں کے ساتھ ثابت کیا اور ثبوت روایت نفی سے بہتر ہے۔

مشہور محدث شیخ محمد طاہر ہندی نے کرمانی کے حوالہ سے لکھا ہے:۔

واصحابه یقولون انه لقی جماعة من الصحابة وروی عنھم۔( ۱٦ )

امام اعظم کے شاگرد کہتے ہیں کہ آپ نے صحابہ کی ایک جماعت سے ملاقات کی ہے اور ان سے سماع حدیث بھی کیا ہے۔

امام ابو معشر عبدالکریم بن عبدالصمد طبری شافعی نے امام اعظم کی صحابہ کرام سے مرویات میں ایک مستقل رسالہ لکھا اور اس میں روایات مع سند بیان فرمائیں۔نیز انکو حسن وقوی بتایا۔امام سیوطی نے ان روایات کو تبییض الصحیفہ میں نقل کیا ہے جن کی تفصیل یوں ہے۔

عن ابی یوسف عن ابی حنیفة سمعت انس بن مالك یقول سمعت رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم یقول : طلب العلم فریضة علی کل مسلم۔ (۱۷)

امام سیوطی نے فرمایا یہ حدیث پچاس طرق سے مجھے معلوم ہے اور صحیح ہے۔

حضرت امام ابو یوسف حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور انہوں نے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے سنا: علم کا طلب کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔

عن ابی یوسف عن ابی حنیفة سمعت انس بن مالك یقوا، سمعت رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم یقول : الدال علی الخیر کفاعله ۔(۱۸)

اس معنی کی حدیث مسلم شریف میں بھی ہے۔

حضرت امام ابو یوسف حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور انہوں نے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے سنا: نیکی کی رہنمائی کرنے والا نیکی کرنے والے کے مثل ہے۔

عن ابی یوسف عن ابی حنیفة سمعت انس بن مالك یقول سمعت رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم یقول :ان الله یحب اغاثة اللهفان ۔(۱۹)

ضیاء مقدسی نے مختارہ میں اسکو صحیح کہا۔

حضرت امام ابو یوسف حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور انہوں نے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے سنا: بیشک اللہ تعالیٰ مصیبت زدہ کی دست گیری کو پسند فرماتا ہے۔

عن یحی بن قاسم عن ابی حنیفة سمعت عبدالله بن ابی اوفی یقول سمعت رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم یقول : من بنی لله مسجدا ولو کمفحص قطاة بنی الله له بیتا فی الجنة ۔(۲۰)

امام سیوطی فرماتے ہیں، اس حدیث کا متن صحیح بلکہ متواتر ہے۔

حضرت یحیی بن قاسم حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرماتے سنا کہ انہوں نے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو فرماتے سنا: جس نے اللہ کی رضا کیلئے سنگ خوار کے گڑھے کے برابر بھی مسجد بنائی تو اللہ تعالیٰ اس کیلئے جنت میں گھر بنائے گا۔

عن اسمعیل بن عیاش عن ابی حنیفة عن واثلة بن اسقع ان رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال :دع ما یریبك الی مالا یریبك ۔(۲۱)

امام ترمذی نے اس کی تصحیح فرمائی۔

حضرت اسمٰعیل بن عیاش حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: شک وشبہ کی چیزوں کو چھوڑ کر ان چیزوں کو اختیار کرو جو شکوک وشبہات سے بالاتر ہیں۔

ان تمام تفصیلات کی روشنی میں یہ بات ثابت ومتحقق ہے کہ امام اعظم صحابہ کرام کی رویت وروایت دونوں سے مشرف ہوئے۔ یہاں اس امر کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ امام اعظم کے بعض سوانح نگار اپنی صاف گوئی اور غیر جانب داری کا ثبوت دیتے ہوئے وہ باتیں بھی لکھ گئے ہیں جس سے تعصب کا اظہار ہوتا ہے۔ ان کے پیچھے حقائق تو کیا ہوتے دیانت سے بھی کام نہیں لیا گیا۔ اس سلسلہ میں علامہ غلام رسول سعیدی کی تصنیف تذکرۃ المحدثین سے ایک طویل اقتباس ملاحظہ ہو لکھتے ہیں۔

شبلی نعمانی نے امام اعظم کی صحابہ کرام سے روایت کے انکار پر کچھ عقلی وجوہات بھی پیش کئے ہیں لکھتے ہیں۔

میرے نزدیک اس کی ایک اور وجہ ہے۔ محدثین میں باہم اختلاف ہے کہ حدیث سیکھنے کیلئے کم از کم کتنی عمر شرط ہے؟ اس امر میں ارباب کوفہ سب سے زیادہ احتیاط کرتے تھے یعنی بیس برس سے کم عمر کا شخص حدیث کی درسگاہ میں شامل نہیں ہوسکتا تھا، ان کے نزدیک چونکہ حدیثیں بالمعنی روایت کی گئی ہیں اس لئے ضروری ہے کہ طالب علم پوری عمر کو پہنچ چکا ہو ورنہ مطالب کو سمجھنے اور اس کے ادا کرنے میں غلطی کا احتمال ہے، غالباً یہی قید تھی جس نے امام ابوحنیفہ کو ایسے بڑے شرف سے محروم رکھا۔''

اس سلسلہ میں اولاً: تو ہم یہ پوچھتے ہیں کہ اہل کوفہ کا یہ قاعدہ کہ سماع حدیث کیلئے کم از کم بیس سال عمر درکار ہے، کونسی یقینی روایت سے ثابت ہے؟ امام صاحب کی مرویات صحابہ کیلئے جب یقینی اور صحیح روایت کا مطالبہ کیا جاتا ہے تو اہل کوفہ کے اس قاعدہ کو بغیر کسی یقینی اور صحیح روایت

کے کیسے مان لیا گیا۔

ثانیاً: یہ قاعدہ خود خلاف حدیث ہے کیونکہ صحیح بخاری میں امام بخاری نے متی یصح سماع الصغیر کا باب قائم کیا ہے اس کے تحت ذکر فرمایا ہے کہ محمود بن ربیع رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پانچ سال کی عمر میں سنی ہوئی حدیث کو روایت کیا ہے، اس کے علاوہ حسنین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی عمر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وصال کے وقت چھ اور سات سال تھی۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی عمر حضور کے وصال کے وقت تیرہ سال تھی، اور یہ حضرات آپ کے وصال سے کئی سال پہلے کی سنی ہوئی احادیث کی روایت کرتے تھے۔ پس روایت حدیث کیلئے بیس سال عمر کی قید لگانا طریقہ صحابہ کے مخالف ہے اور کوفہ کے ارباب علم وفضل اور دیانت دار حضرات کے بارے میں یہ بدگمانی نہیں کی جاسکتی کہ انہوں نے اتنی جلدی صحابہ کی روش کو چھوڑ دیا ہوگا۔

ثالثاً: برتقدیر تسلیم گزارش یہ ہے کہ اہل کوفہ نے یہ قاعدہ کب وضع کیا، اس بات کی کہیں وضاحت نہیں ملتی۔ اغلب اور قرین قیاس یہی ہے کہ جب علم حدیث کی تحصیل کا چرچا عام ہوگیا اور کثرت سے درس گاہیں قائم ہوگئیں اور وسیع پیمانے پر آثار وسنن کی اشاعت ہونے لگی، اس وقت اہل کوفہ نے اس قید کی ضرورت کو محسوس کیا ہوگا تاکہ ہر کہ ومہ حدیث کی روایت کرنا شروع نہ کردے، یہ کسی طرح بھی باور نہیں کیا جاسکتا کہ عہد صحابہ میں ہی کوفہ کے اندر باقاعدہ درس گاہیں بن گئیں اور ان میں داخلہ کیلئے قوانین اور عمر کا تعین بھی ہوگیا تھا۔

رابعاً: اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ ۸۰ھ ہی میں کوفہ کے اندر باقاعدہ درسگاہیں قائم ہوگئی تھیں اور ان کے ضوابط اور قوانین بھی وضع کئے جاچکے تھے تو ان درس گاہوں کے اساتذہ سے سماع حدیث کیلئے بیس برس کی قید فرض کی جاسکتی ہے مگر یہ حضرت انس اور حضرت عبداللہ بن ابی اوفی وغیرہ ان درس گاہوں میں اساتذہ تو مقرر تھے نہیں کہ ان سے سماع حدیث بھی بیس سال کی عمر میں کیا جاتا۔

خامساً:۔ بیس برس کی قید اگر ہوتی بھی تو کوفہ کی درس گاہوں کے لئے اگر کوفہ کا کوئی

رہنے والا بصرہ جا کر سماع حدیث کرے تو یہ قید اس پر کیسے اثر انداز ہوگی؟ حضرت انس بصرہ میں رہتے تھے اور امام اعظم ان کی زندگی میں بارہا بصرہ گئے اور ان کی آپس میں ملاقات بھی ثابت ہے تو کیوں نہ امام صاحب نے ان سے روایت حدیث کی ہوگی۔

سادساً: اگر بیس سال عمر کی قید کو بالعموم بھی فرض کرلیا جائے تو بھی یہ کسی طور قرین قیاس نہیں ہے کہ حضرات صحابہ کرام جن کا وجود مسعود نوادر روزگار اور مغتنمات عصر میں سے تھا ان سے ازراہ تبرک وتشرف احادیث کے سماع کیلئے بھی کوئی شخص اس انتظار میں بیٹھا رہے گا کہ میری عمر بیس سال کو پہنچ لے تو میں ان سے جا کر ملاقات اور سماع حدیث کروں۔ حضرت انس کے وصال کے وقت امام اعظم کی عمر پندرہ برس تھی اور امام کردری فرماتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زندگی میں امام اعظم بیس سے زائد مرتبہ بصرہ تشریف لے گئے۔ پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ امام اعظم پندرہ برس تک کی عمر میں بصرہ جاتے رہے ہوں اور حضرت انس سے مل کر اور ان سے سماع حدیث کرکے نہ آئے ہوں، راوی اور مروی عنہ میں معاصرت بھی ثابت ہوجائے تو امام مسلم کے نزدیک روایت مقبول ہوتی ہے۔ یہاں معاصرت کے بجائے ملاقات کے بیس سے زیادہ قرائن موجود ہیں پھر بھی قبول کرنے میں تامل کیا جارہا ہے۔

الحمدللہ العزیز! کہ ہم نے اصول روایت اور قرائن عقلیہ کی روشنی میں اس امر کو آفتاب سے زیادہ روشن کردیا ہے کہ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو صحابہ کرام سے روایت حدیث کا شرف حاصل تھا اور اس سلسلے میں جتنے اعتراضات کئے جاتے ہیں ان پر سیر حاصل گفتگو کرلی ہے۔ اس کے باوجود بھی ہم نے جو کچھ لکھا وہ ہماری تحقیق ہے ہم اسے منوانے کیلئے ہرگز اصرار نہیں کرتے۔ (۲۲)

**اساتذہ:۔** گذشتہ تفصیلات میں آپ متفرق طور پر پڑھ چکے کہ امام اعظم نے کثیر شیوخ واساتذہ سے علم حدیث حاصل کیا، ان میں سے بعض کے اسماء یہ ہیں۔

عطاء بن ابی رباح، حماد بن ابی سلیمان، سلیمان بن مہران اعمش، امام عامر شعبی، عکرمہ مولی عباس، ابن شہاب زہری، نافع مولی بن عمر، یحیی بن سعید انصاری، عدی بن ثابت انصاری

، ابوسفیان بصری ، ہشام بن عروہ ، سعید بن مسروق ، علقمہ بن مرثد ، حکم بن عیینہ ، ابواسحاق بن سبیعی ، سلمہ بن کہیل ، ابوجعفر محمد بن علی ، عاصم بن ابی النجود ، علی بن اقمر ، عطیہ بن سعید عوفی ، عبدالکریم ابوامیہ ، زیاد بن علاقہ ۔ سلیمان مولی ام المومنین میمونہ ، سالم بن عبداللہ ،

چونکہ احادیث فقہ کی بنیاد ہیں اور کتاب اللہ کے معانی و مطالب کے فہم کی بھی اساس ہیں لہذا امام اعظم نے حدیث کی تحصیل میں بھی انتھک کوشش فرمائی ۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ حدیث کا درس شباب پر تھا ۔ تمام بلاد اسلامیہ میں اس کا درس زور و شور سے جاری تھا اور کوفہ تو اس خصوص میں ممتاز تھا ۔ کوفہ کا یہ وصف خصوصی امام بخاری کے زمانہ میں بھی اس عروج پر تھا کہ خود امام بخاری فرماتے ہیں ، میں کوفہ اتنی بار حصول حدیث کیلئے گیا کہ شمار نہیں کرسکتا ۔

امام اعظم نے حصول حدیث کا آغاز بھی کوفہ ہی سے کیا ۔ کوفہ میں کوئی ایسا محدث نہ تھا جس سے آپ نے حدیث اخذ نہ کی ہو ۔ ابوالمحاسن شافعی نے فرمایا :۔

ترانوے وہ مشائخ ہیں جو کوفے میں قیام فرماتے تھے یا کوفے تشریف لائے جن سے امام اعظم نے حدیث اخذ کی ۔ ان میں اکثر تابعی تھے ۔ بعض مشائخ کی تفصیل یہ ہے ۔

## امام عامر شعبی :

انہوں نے پانچسو صحابہ کرام کا زمانہ پایا ، خود فرماتے تھے کہ بیس سال ہوئے میرے کان میں کوئی حدیث ایسی نہ پڑی جسکا علم مجھے پہلے سے نہ ہو ۔ امام اعظم نے ان سے اخذ حدیث فرمائی ۔

**امام شعبہ :** انہیں دو ہزار حدیثیں یاد تھیں ، سفیان ثوری نے انہیں امیر المومنین فی الحدیث کہا ، امام شافعی نے فرمایا : شعبہ نہ ہوتے تو عراق میں حدیث اتنی عام نہ ہوتی ۔ امام شعبہ کو امام اعظم سے قلبی لگاؤ تھا ، فرماتے تھے ، جس طرح مجھے یہ یقین ہے کہ آفتاب روشن ہے اسی طرح یقین سے کہتا ہوں کہ علم اور ابوحنیفہ ہم نشیں ہیں ۔

## امام اعمش :

مشہور تابعی ہیں شعبہ و سفیان ثوری کے استاذ ہیں ، حضرت انس اور عبداللہ بن ابی اوفی

سے ملاقات ہے۔ امام اعظم آپ سے حدیث پڑھتے تھے اسی دوران انہوں نے آپ سے مناسک حج لکھوائے۔ واقعہ یوں ہے کہ امام اعمش سے کسی نے کچھ مسائل دریافت کئے۔ انہوں نے امام اعظم سے پوچھا۔ آپ کیا کہتے ہیں؟ حضرت امام اعظم نے ان سب کے حکم بیان فرمائے۔ امام اعمش نے پوچھا کہاں سے یہ کہتے ہو۔ فرمایا۔ آپ ہی کی بیان کردہ احادیث سے اوران احادیث کو مع سندوں کے بیان کردیا۔ امام اعمش نے فرمایا۔ بس بس، میں نے آپ سے جتنی حدیثیں سودن میں بیان کیں آپ نے وہ سب ایک دن میں سناڈالیں۔ میں نہیں جانتا تھا کہ آپ احادیث میں یہ عمل کرتے ہیں۔

یامعشر الفقہاء انتم الاطباء و نحن الصیادلۃ وانت ایھا الرجل اخذت بکلا الطرفین۔

اے گروہ فقہاء! تم طبیب ہواور ہم محدثین عطار اور آپ نے دونوں کو حاصل کرلیا۔

**امام حماد:** امام اعظم کے عظیم استاذ حدیث وفقہ ہیں اور حضرت انس سے حدیث سنی تھی بڑے بڑے ائمہ تابعین سے ان کو شرف تلمذ حاصل تھا۔

**سلمہ بن کہیل:** ۔ تابعی جلیل ہیں، بہت سے صحابہ کرام سے روایت کی۔ کثیرالروایت اور صحیح الروایت تھے۔

**ابواسحاق سبیعی:**

علی بن مدینی نے کہا انکے شیوخ حدیث کی تعداد تین سو ہے۔ ان میں اڑتیس صحابہ کرام ہیں۔ عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن زبیر، نعمان بن بشیر، زید بن ارقم سرفہرست ہیں۔

کوفہ کے علاوہ مکہ معظمہ اور مدینہ طیبہ میں آپ نے ایک زمانہ تک علم حدیث حاصل فرمایا: چونکہ آپ نے پچپن حج کیے اس لئے ہر سال حرمین شریفین زادھما اللہ شرفا وتعظیما میں حاضری کا موقع ملتا تھا اور آپ اس موقع پر دنیائے اسلام سے آنے والے مشائخ سے اکتساب علم کرتے۔

مکہ معظمہ میں حضرت عطاء بن ابی رباح سرتاج محدثین تھے، دوسرے صحابہ کرام کی صحبت کا شرف حاصل تھا۔ محدث ہونے کے ساتھ ساتھ عظیم مجتہد وفقیہ تھے۔ حضرت ابن عمر فرماتے تھے کہ عطاء کے ہوتے ہوئے میرے پاس کیوں آتے ہیں۔ ایام حج میں اعلان عام ہوجاتا کہ عطاء کہ علاوہ کوئی فتوی نہ دے۔ اساطین محدثین امام اوزاعی، امام زہری، امام عمرو بن دینار انکے شاگرد تھے۔ امام اعظم نے اپنی خداداد ذہانت وفطانت سے آپ کی بارگاہ میں وہ مقبولیت حاصل کرلی تھی کہ آپ کو قریب سے قریب تر بٹھاتے۔ تقریباً بیس سال خدمت میں حج بیت اللہ کے موقع پر حاضر ہوتے رہے۔

حضرت عکرمہ کا قیام بھی مکہ مکرمہ میں تھا، یہ جلیل القدر صحابہ کے تلمیذ ہیں۔ حضرت علی، حضرت ابو ہریرہ، ابوقتادہ، ابن عمر اور عباس کے تلمیذ خاص ہیں۔ ستر مشاہیر ائمہ تابعین انکے تلامذہ میں داخل ہیں۔ امام اعظم نے ان سے بھی حدیث کی تعلیم حاصل کی۔

مدینہ طیبہ میں سلیمان مولی ام المومنین میمونہ اور سالم بن عبد اللہ سے احادیث سنیں۔ انکے علاوہ دوسرے حضرات سے بھی اکتساب علم کیا۔

بصرہ کے تمام مشاہیر سے اخذ علم فرمایا، یہ شہر حضرت انس بن مالک کی وجہ سے مرکز حدیث بن گیا تھا۔ امام اعظم کی آمد ورفت یہاں کثرت سے تھی۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے آپکی ملاقات بصرہ میں بھی ہوئی اور آپ جب کوفہ تشریف لائے اس وقت بھی۔

غرضکہ امام اعظم کو حصول حدیث میں وہ شرف حاصل ہے جو دیگر ائمہ کو نہیں، آپکے مشائخ میں صحابہ کرام سے لیکر کبار تابعین اور مشاہیر محدثین تک ایک عظیم جماعت داخل ہے اور آپکے مشائخ کی تعداد چار ہزار تک بیان کی گئی ہے۔

**تلامذہ:** آپ سے علم حدیث وفقہ حاصل کرنے والے بے شمار ہیں، چند مشاہیر کے اسماء اس طرح ہیں۔

امام ابو یوسف، امام محمد بن حسن شیبانی، امام حماد بن ابی حنیفہ، امام مالک، امام عبداللہ

بن مبارک، امام زفر بن ہذیل، امام داؤد طائی، فضیل بن عیاض، ابراہیم بن ادہم، بشر بن الحارث حافی، ابو سعید یحی بن زکریا کوفی ہمدانی، علی بن مسہر کوفی، حفص بن غیاث، حسن بن زناد، مسعر بن کدام، نوح بن دراج نخعی، ابراہیم بن طہران، اسحاق بن یوسف ازرق، اسد بن عمرو قاضی، عبدالرزاق، ابونعیم، حمزہ بن حبیب الزیات، ابویحیی حمانی، عیسی بن یونس، یزید بن زریع، وکیع بن جراح، ہیثم، حکام بن یعلی رازی، خارجہ بن مصعب، عبدالحمید بن ابی داؤد، مصعب بن مقدام، یحیی بن یمان، لیث بن سعد، ابوعصمہ بن مریم، ابوعبدالرحمٰن مقری، ابوعاصم وغیرہم۔

**تصانیف:** امام اعظم نے کلام وعقائد، فقہ واصول اور آداب واخلاق پر کتابیں تصنیف فرما کر اس میدان میں اولیت حاصل کی ہے۔

امام اعظم کے سلسلہ میں ہر دور میں کچھ لوگ غلط فہمی کا شکار رہے ہیں اور آج بھی یہ مرض بعض لوگوں میں موجود ہے۔ فقہ حنفی کو بالعموم حدیث سے تہی دامن اور قیاس ورائے پر اسکی بنا سمجھی جاتی ہے جو سراسر خلاف واقع ہے۔ اس حقیقت کو تفصیل سے جاننے کیلئے بڑے بڑے علماء فن کے رشحات قلم ملاحظہ کریں جن میں امام یوسف بن عبدالھادی حنبلی، امام سیوطی شافعی، امام ابن حجر مکی شافعی، امام محمد صالحی شافعی وغیرہم جیسے اکابر نے اسی طرح کی پھیلائی گئی غلط فہمی کے ازالہ کیلئے کتابیں تصنیف فرمائیں۔ علم حدیث میں امام اعظم کو بعض ایسی خصوصیات حاصل ہیں جن میں کوئی دوسرا محدث شریک نہیں۔

امام اعظم کی مرویات کے مجموعے چار قسم کے شمار کئے گئے ہیں جیسا کہ شیخ محمد امین نے وضاحت سے ''مسانید الامام ابی حنیفہ'' میں لکھا ہے۔

کتاب الآثار۔ مسند امام ابوحنیفہ۔ اربعینات۔ وحدانیات۔

متقدمین میں تصنیف وتالیف کا طریقہ اس طرح بیان کیا جاتا ہے کہ وہ اپنے لائق وقابل فخر تلامذہ کو املا کراتے، یا خود تلامذہ درس میں خاص چیزیں ضبط تحریر میں لے آتے، اسکے بعد راوی کی حیثیت سے ان تمام معلومات کو جمع کر کے روایت کرتے اور شیخ کی طرف منسوب فرماتے تھے۔

**کتاب الآثار:** امام اعظم نے علم حدیث وآثار پر مشتمل کتاب الآثار، یونہی تصنیف فرمائی، آپ نے اپنے مقرر کردہ اصول وشرائط کے مطابق چالیس ہزار احادیث کے ذخیرہ سے اس مجموعہ کا انتخاب کرکے املا کرایا۔قدرے تفصیل گذر چکی ہے۔کتاب میں مرفوع،موقوف،اور مقطوع سب طرح کی احادیث ہیں۔کتاب الآثار کے راوی آپکے متعدد تلامذہ ہیں جنکی طرف منسوب ہوکر علیحدہ علیحدہ نام سے معروف ہیں اور مرویات کی تعداد میں بھی حذف واضافہ ہے۔

عام طور سے چند نسخے مشہور ہیں:۔

۱۔ کتاب الآثار بروایت امام ابویوسف۔

۲۔ کتاب الآثار بروایت امام محمد۔

۳۔ کتاب الآثار بروایت امام حماد بن امام اعظم۔

۴۔ کتاب الآثار بروایت حفص بن غیاث۔

۵۔ کتاب الآثار بروایت امام زفر (یہ سنن زفر کے نام سے بھی معروف ہوئی)

۶۔ کتاب الآثار بروایت امام حسن بن زیاد

ان میں بھی زیادہ شہرت امام محمد کے نسخہ کو حاصل ہوئی۔

امام عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں:۔

روی الآثار عن نبل ثقات ۔غزار العلم مشیخة حصیفة۔

امام اعظم نے الآثار،کو ثقہ اور معزز لوگوں سے روایت کیا ہے جو وسیع العلم اور عمدہ مشائخ تھے۔

علامہ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

والموجود من حدیث ابی حنیفة مفردا انما ھو کتاب الآثار التی رواہ محمد بن الحسن ۔

اور اس وقت امام اعظم کی احادیث میں سے کتاب الآثار موجود ہے جسے امام محمد بن حسن نے روایت کیا ہے۔اس میں مرفوع احادیث ۱۲۲ ہیں۔

امام ابو یوسف کا نسخہ زیادہ روایات پر مشتمل ہے، امام عبدالقادر حنفی نے امام ابو یوسف کے صاجبزادے یوسف کے ترجمہ میں لکھا ہے:۔

روی کتاب الآثار عن ابی حنیفة وھو مجلد ضخم۔

یوسف بن ابو یوسف نے اپنے والد کے واسطہ سے امام اعظم ابوحنیفہ سے کتاب الآثار کو روایت کیا ہے جوایک ضخیم جلد ہے، اس میں ایک ہزار (۱۰۷۰) ستر احادیث ہیں۔

**مسند امام ابوحنیفہ:** یہ کتاب امام اعظم کی طرف منسوب ہے، اسکی حقیقت یہ ہے کہ آپ نے جن شیوخ سے احادیث کو روایت کیا ہے بعد میں محدثین نے ہر ہر شیخ کی مرویات کو علیحدہ کرکے مسانید کو مرتب کیا۔ دوسرے الفاظ میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ آپ نے تدوین فقہ اور درس کے وقت تلامذہ کو مسائل شرعیہ بیان فرماتے ہوئے جو دلائل بصورت روایت بیان فرمائے تھے ان روایات کو آپکے تلامذہ یا بعد کے محدثین نے جمع کر کے مسند کا نام دیدیا۔ ان مسانید اور مجموعوں کی تعداد حسب ذیل ہے۔

| | | | |
|---|---|---|---|
| ۱۔ | مسند الامام | مرتب | امام حماد بن ابی حنیفہ |
| ۲۔ | مسند الامام | مرتب | امام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم الانصاری |
| ۳۔ | مسند الامام | مرتب | امام محمد بن حسن الشیبانی |
| ۴۔ | مسند الامام | مرتب | امام حسن بن زیاد لؤلوی |
| ۵۔ | مسند الامام | مرتب | حافظ ابومحمد عبداللہ بن یعقوب الحارث البخاری |
| ۶۔ | مسند الامام | مرتب | حافظ ابوالقاسم طلحہ بن محمد بن جعفر الشاہد |
| ۷۔ | مسند الامام | مرتب | حافظ ابوالحسین محمد بن مظہر بن موسیٰ |
| ۸۔ | مسند الامام | مرتب | حافظ ابونعیم احمد بن عبداللہ الاصفہانی |
| ۹۔ | مسند الامام | مرتب | الشیخ الثقة ابوبکر محمد بن عبدالباخی الانصاری |
| ۱۰۔ | مسند الامام | مرتب | حافظ ابواحمد عبداللہ بن عدی الجرجانی |
| ۱۱۔ | مسند الامام | مرتب | حافظ عمر بن حسن الاشنانی |

| | | | |
|---|---|---|---|
| ۱۲۔ | مسند الامام | مرتب. | حافظ ابوبکر احمد بن محمد بن خالد الکلاعی |
| ۱۳۔ | مسند الامام | مرتب | حافظ ابو عبداللہ حسین بن محمد بن خسرو البلخی |
| ۱۴۔ | مسند الامام | مرتب | حافظ ابوالقاسم عبداللہ بن محمد السعدی |
| ۱۵۔ | مسند الامام | مرتب | حافظ عبداللہ بن مخلد بن حفص البغدادی |
| ۱۶۔ | مسند الامام | مرتب | حافظ ابوالحسن علی بن عمر بن احمد الدار قطنی |
| ۱۷۔ | مسند الامام | مرتب | حافظ ابو حفص عمر بن احمد المعروف بابن شاہین |
| ۱۸۔ | مسند الامام | مرتب | حافظ ابوالخیر شمس الدین محمد بن عبدالرحمٰن السخاوی |
| ۱۹۔ | مسند الامام | مرتب | حافظ شیخ الحرمین عیسی المغربی المالکی |
| ۲۰۔ | مسند الامام | مرتب | حافظ ابوالفضل محمد بن طاہر القیسرانی |
| ۲۱۔ | مسند الامام | مرتب | حافظ ابوالعباس احمد الہمدانی المعروف بابن عقدہ |
| ۲۲۔ | مسند الامام | مرتب | حافظ ابوبکر محمد بن ابراہیم الاصفہانی المعروف بابن المقری |
| ۲۳۔ | مسند الامام | مرتب | حافظ ابو اسمعیل عبداللہ بن محمد الانصاری الحنفی |
| ۲۴۔ | مسند الامام | مرتب | حافظ ابوالحسن عمر بن حسن الاشنانی |
| ۲۵۔ | مسند الامام | مرتب | حافظ ابوالقاسم علی بن حسن المعروف بابن عساکر الدمشقی۔ |

ان کے علاوہ کچھ مسانید وہ بھی ہیں جنکو مندرجہ بالا مسانید میں سے کسی میں مدغم کردیا گیا ہے۔ مثلاً ابن عقدہ کی مسند میں ان چار حضرات کی مسانید کا تذکرہ ہے اور یہ ایک ہزار سے زیادہ احادیث پر مشتمل ہے۔

۱۔ حمزہ بن حبیب التیمی الکوفی

۲۔ محمد بن مسروق الکندی الکوفی

۳۔ اسمعیل بن حماد بن امام ابوحنیفہ

۴۔ حسین بن علی

پھر یہ کہ جامع مسانید امام اعظم جس کو علامہ ابو المؤید محمد بن محمود بن محمد الخوارزمی نے ابواب فقہ کی ترتیب پر مرتب کیا تھا اس میں کتاب الآثار کے نسخے بھی شامل ہیں اگر انکو علیحدہ شمار کیا جائے تو پھر اس عنوان سند کے تحت آنے والی مسانید کی تعداد اکتیس ہوگی جبکہ جامع المسانید میں صرف پندرہ مسانید ہیں اور انکی بھی تلخیص کی گئی ہے مکرر اسناد کو حذف کر دیا ہے یہ مجموعہ چالیس ابواب پر مشتمل ہے اور کل روایات کی تعداد ۱۷۱۰ ہے۔

مرفوع روایات ۹۱۶

غیر مرفوع ۷۹۴

پانچ یا چھ واسطوں والی روایات بہت کم اور نادر ہیں، عام روایات کا تعلق رباعیات، ثلاثیات، ثنائیات اور وحدانیات سے ہے۔

علامہ خوارزمی نے اس مجموعہ مسند کے لکھنے کی وجہ یوں بیان کی ہے، کہ میں نے ملک شام میں بعض جاہلوں سے سنا کہ حضرت امام اعظم کی روایت حدیث کم تھی۔ایک جاہل نے تو یہانتک کہا کہ امام شافعی کی مسند بھی ہے اور امام احمد کی مسند بھی ہے، اور امام مالک نے تو خود مؤطا لکھی۔لیکن امام ابوحنیفہ کا کچھ بھی نہیں۔

یہ سنکر میری حمیت دینی نے مجھکو مجبور کیا کہ میں آپکی ۱۵ مسانید وآثار سے ایک مسند مرتب کروں، لہذا ابواب فقہیہ پر میں نے اسکو مرتب کر کے پیش کیا ہے ۔(۲۳)

کتاب الآثار، جامع المسانید اور دیگر مسانید کی تعداد کے اجمالی تعارف کے بعد یہ بات اب حیز خفا میں نہیں رہ جاتی کہ امام اعظم کی محفوظ مرویات کتنی ہونگی، امام مالک اور امام شافعی کی مرویات سے اگر زیادہ تسلیم نہیں کی جاسکیں تو کم بھی نہیں ہیں، بلکہ مجموعی تعداد کے غالب ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں ہونا چاہیئے۔

امام اعظم کی مسانید کی کثرت سے کوئی اس مغالطہ کا شکار نہ ہو کہ پھر اس میں رطب ویابس سب طرح کی روایات ہونگی۔ہم نے عرض کیا کہ اول تو مرویات میں امام اعظم قدس سرہ اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے درمیان واسطے بہت کم ہوتے ہیں۔اور جو واسطے

مذکور ہوتے ہیں انکی حیثیت وعلوشان کا اندازہ اس سے کیجئے کہ:۔

امام عبدالوہاب شعرانی میزان الشریعۃ الکبری میں فرماتے ہیں:

وقد من الله علی بمطالعة مسانید الامام ابی حنیفة الثلاثة فرأیته لایروی حدیثا الاعن اخیار التابعین العدول الثقات الذین هم من خیرالقرون بشهادة رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم کالاسود وعلقمة وعطاء وعکرمة ومجاهد ومکحول والحسن البصری واضرابهم رضی الله تعالیٰ عنهم اجمعین ۔بینه وبین رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم عدول ثقات اعلام اخیار لیس فیهم کذاب ولامتهم بکذب ۔(۲۴)

اللہ تعالیٰ نے مجھ پر احسان فرمایا کہ میں نے امام اعظم کی مسانید ثلاثہ کا مطالعہ کیا۔ میں نے ان میں دیکھا کہ امام اعظم ثقہ اور صادق تابعین کے سوا کسی سے روایت نہیں کرتے جن کے حق میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خیر القرون ہونے کی شہادت دی، جیسے اسود، علقمہ عطاء ،عکرمہ، مجاہد، مکحول اور حسن بصری وغیرہم ۔لہذا امام اعظم اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے درمیان تمام راوی عدول، ثقہ اور مشہور اخیار میں سے ہیں جنکی طرف کذب کی نسبت بھی نہیں کی جاسکتی اور نہ وہ کذاب ہیں۔

**اربعینات** :امام اعظم کی مرویات سے متعلق بعض حضرات نے اربعین بھی تحریر فرمائی ہیں: مثلاً:

الاربعین من روایات نعمان سیدالمجتهدین ۔ (مولانا محمد ادریس نگرامی)

الاربعین۔ (شیخ حسن محمد بن شاہ محمد ہندی)

**وحدانیات** : امام اعظم کی وہ روایات جن میں حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک صرف ایک وسطہ ہو ان روایات کو بھی ایک جگہ جمع کرنے کی کوشش کی گئی ہے، اس سلسلہ میں بعض تفصیلات حسب ذیل ہیں:

۱۔ جزء ماروا ه ابو حنیفة عن الصحابة۔

جامع ابو معشر عبد الکریم بن عبد الصمد شافعی۔

امام سیوطی نے اس رسالہ کو تبییض الصحیفہ فی مناقب الامام ابی حنیفہ میں شامل کر دیا ہے ، چند احادیث قارئین ملاحظہ فرما چکے۔

۲۔ الاختصار و الترجیح للمذهب الصحیح۔

امام ابن جوزی کے پوتے یوسف نے اس کتاب میں بعض روایات نقل فرمائی ہیں۔

دوسرے ائمہ نے بھی اس سلسلہ میں روایات جمع کی ہیں۔ مثلا:۔

۱۔ ابو حامد محمد بن ہارون حضرمی

۲۔ ابو بکر عبد الرحمٰن بن محمد سرخسی

۳۔ ابو الحسین علی بن احمد بن عیسی نہفقی

ان تینوں حضرات کے اجزاء وحدانیات کو ابو عبد اللہ محمد دمشقی حنفی المعروف بابن طولون م ۹۵۳، نے اپنی سند سے کتاب الفہرست الاوسط میں روایت کیا۔

نیز علامہ ابن حجر عسقلانی نے اپنی سند سے المعجم المفہرس میں

علامہ خوارزمی نے جامع المسانید کے مقدمہ میں

ابو عبد اللہ صیمری نے فضائل ابی حنیفہ واخبارہ میں روایت کیا ہے۔

البتہ بعض حضرات نے ان وحدانیات پر تنقید بھی کی ہے، تو اسکے لئے ملا علی قاری، امام عینی اور امام سیوطی کی تصریحات ملاحظہ کیجئے، ان تمام حضرات نے حقیقت واضح کر دی ہے۔

امام اعظم کی فن حدیث میں عظمت وجلالت شان ان تمام تفصیلات سے ظاہر وباہر ہے لیکن بعض لوگوں کو اب بھی یہ شبہ ہے کہ جب اتنے عظیم محدث تھے تو روایات اب بھی اس حیثیت کی نہیں، محدث اعظم واکبر ہونے کا تقاضہ تو یہ تھا کہ لاکھوں احادیث آپ کو یاد ہونا چاہیئے تھیں جیسا کہ دوسرے محدثین کے بارے میں منقول ہے۔ تو اس سلسلہ میں علامہ غلام رسول سعیدی کی محققانہ بحث ملاحظہ کریں جس سے حقیقت واضح ہو جائے گی۔ لکھتے ہیں:۔

چونکہ بعض اہل اہوا یہ کہتے ہیں کہ امام اعظم کو صرف سترہ حدیثیں یاد تھیں۔ اس لئے ہم

ذرا تفصیل سے یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ امام اعظم کے پاس احادیث کا وافر ذخیرہ تھا۔حضرت ملا علی قاری امام محمد بن سماعہ کے حوالے سے لکھتے ہیں۔

ان الامام ذکر فی تصانیفه بضع و سبعین الف حدیث و انتخب الآثار من اربعین الف حدیث ۔

امام ابوحنیفہ نے اپنی تصانیف میں ستر ہزار سے زائد احادیث بیان کی ہیں اور چالیس ہزار احادیث سے کتاب الآثار کا انتخاب کیا ہے۔

اور صدر الائمہ امام موفق بن احمد تحریر فرماتے ہیں:

و انتخب ابو حنیفة الاثار من اربعین الف حدیث ۔

امام ابوحنیفہ نے کتاب الاثار کا انتخاب چالیس ہزار حدیثوں سے کیا ہے۔

ان حوالوں سے امام اعظم کا جو علم حدیث میں تبحر ظاہر ہو رہا ہے وہ محتاج بیاں نہیں ہے۔

ممکن ہے کوئی شخص کہہ دے کہ ستر ہزار احادیث کو بیان کرنا اور کتاب الآثار کا چالیس ہزار حدیثوں سے انتخاب کرنا چنداں کمال کی بات نہیں ہے۔امام بخاری کو ایک لاکھ احادیث صحیحہ اور دو لاکھ احادیث غیر صحیحہ یاد تھیں اور انہوں نے صحیح بخاری کا انتخاب چھ لاکھ حدیثوں سے کیا تھا پس فن حدیث میں امام بخاری کے مقابلہ میں امام اعظم کا مقام بہت کم معلوم ہوتا ہے۔اسکے جواب میں گزارش ہے کہ احادیث کی کثرت اور قلت درحقیقت طرق اور اسانید کی قلت اور کثرت سے عبارت ہے۔ایک متن حدیث اگر سو مختلف طرق اور سندوں سے روایت کیا جائے تو محدثین کی اصطلاح میں ان کو سو احادیث قرار دیا جائے گا حالانکہ ان تمام حدیثوں کا متن واحد ہوگا۔منکرین حدیث انکار حدیث کے سلسلے میں یہ دلیل بھی پیش کرتے ہیں کہ تمام کتب حدیث کی روایات کو اگر جمع کیا جائے تو یہ تعداد کروڑوں کے لگ بھگ ہوگی اور حضور کی پوری رسالت کی زندگی کی شب و روز پر انکو تقسیم کیا جائے تو احادیث حضور کی حیات مبارکہ سے بڑھ جائیں گی۔پس اس صورت میں احادیث کی صحت کیونکر قابل تسلیم ہوگی۔ان لوگوں کو یہ معلوم نہیں کہ روایات کی یہ کثرت دراصل اسانید کی کثرت ہے ورنہ نفس احادیث کی تعداد چار

ہزار چار سو سے زیادہ نہیں ہے۔

چنانچہ علامہ امیر یمانی لکھتے ہیں:

ان جملة الاحادیث المسندة عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یعنی الصحیحة بلاتکرار اربعة الاف واربع مائة۔

بلاشبہ وہ تمام سند احادیث صحیحہ جو بلاتکرار حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مروی ہیں ان کی تعداد چار ہزار چار سو ہے۔

امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ولادت ۸۰ھ ہے اور امام بخاری ۱۹۴ھ میں پیدا ہوئے اور ان کے درمیان ایک سو چودہ سال کا طویل عرصہ ہے اور ظاہر ہے اس عرصہ میں بکثرت احادیث شائع ہو چکی تھیں اور ایک ایک حدیث کو سیکڑوں بلکہ ہزاروں اشخاص نے روایت کرنا شروع کر دیا تھا۔ امام اعظم کے زمانہ میں راویوں کا اتنا شیوع اور عموم تھا نہیں، اس لئے امام اعظم اور امام بخاری کے درمیان جو روایت کی تعداد کا فرق ہے وہ دراصل اسانید کی تعداد کا فرق ہے، نفس روایت پر نہیں ہے ورنہ اگر نفس احادیث کا لحاظ کیا جائے تو امام اعظم کی مرویات امام بخاری سے کہیں زیادہ ہیں۔

اس زمانہ میں احادیث نبویہ جس قدر اسانید کے ساتھ مل سکتی تھیں امام اعظم نے ان تمام طرق و اسانید کے ساتھ ان احادیث کو حاصل کر لیا تھا اور حدیث وار کسی صحیح سند کے ساتھ موجود نہ تھے مگر امام اعظم کا علم انہیں شامل تھا۔ وہ اپنے زمانے کے تمام محدثین پر ادراک حدیث میں فائق اور غالب تھے۔ چنانچہ امام اعظم کے معاصر اور مشہور محدث امام مسعر بن کدام فرماتے ہیں:۔

طلبت مع ابی حنیفة الحدیث فغلبت واخذ نا فی الزهد فبرع علینا وطلبنا معه الفقه فجاء منه ماترون۔

میں نے امام ابو حنیفہ کے ساتھ حدیث کی تحصیل کی لیکن وہ ہم سب پر غالب رہے اور زہد میں مشغول ہوئے تو وہ اس میں سب سے بڑھ کر تھے اور فقہ میں ان کا مقام تو تم جانتے ہی ہو۔

نیز محدث بشر بن موسیٰ اپنے استاد امام عبدالرحمٰن مقری سے روایت کرتے ہیں :۔

و کان اذا حدث عن ابی حنیفة قال حدثنا شاھنشاہ ۔

امام مقری جب امام ابوحنیفہ سے روایت کرتے تو کہتے کہ ہم سے شہنشاہ نے حدیث بیان کی۔

ان حوالوں سے ظاہر ہوگیا کہ امام اعظم اپنے معاصرین محدثین کے درمیان فن حدیث میں تمام پر فائق اور غالب تھے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی کوئی حدیث ان کی نگاہ سے اوجھل نہ تھی، یہی وجہ ہے کہ ان کے تلامذہ انہیں حدیث میں حاکم اور شہنشاہ تسلیم کرتے تھے۔ اصطلاح حدیث میں حاکم اس شخص کو کہتے ہیں جو حضور کی تمام مرویات پر متناً وسنداً دسترس رکھتا ہو، مراتب محدثین میں یہ سب سے اونچا مرتبہ ہے اور امام اعظم اس منصب پر یقیناً فائز تھے۔ کیونکہ جو شخص حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ایک حدیث سے بھی ناواقف ہو وہ حیات انسانی کے تمام شعبوں کے لئے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی لائی ہوئی ہدایات کے مطابق جامع دستور نہیں بنا سکتا۔

**امام اعظم کے محدثانہ مقام پر ایک شبہ کا ازالہ:** گزشتہ سطور میں ہم بیان کر چکے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بلاتکرار احادیث مرویہ کی تعداد چار ہزار چار سو ہے اور امام حسن بن زیاد کے بیان کے مطابق امام اعظم نے جو احادیث بلاتکرار بیان فرمائی ہیں انکی تعداد چار ہزار ہے۔ پس امام اعظم کے بارے میں حاکمیت اور حدیث میں ہمہ دانی کا دعویٰ کیسے صحیح ہوگا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ چار ہزار احادیث کے بیان کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ باقی چار سو حدیثوں کا امام اعظم کو علم بھی نہ ہو کیونکہ حسن بن زیاد کی حکایت میں بیان کی نفی ہے علم کی نہیں۔

خیال رہے امام اعظم نے فقہی تصنیفات میں ان احادیث کا بیان کیا ہے جن سے مسائل مستنبط ہوتے ہیں اور جن کے ذریعہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے امت کیلئے عمل کا ایک راستہ متعین فرمایا ہے جنہیں عرف عام میں سنن سے تعبیر کیا جاتا ہے لیکن حدیث کا مفہوم

سنت سے عام ہے کیونکہ احادیث کے مفہوم میں وہ روایات بھی شامل ہیں جن میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حلیہ مبارکہ، آپ کی قلبی واردات، خصوصیات، گذشتہ امتوں کے قصص اور مستقبل کی پیش گوئیاں موجود ہیں اور ظاہر ہے کہ اس قسم کی احادیث سنت کے قبیل سے نہیں ہیں اور نہ ہی یہ احکام و مسائل کیلئے ماخذ کی حیثیت رکھتی ہیں۔

پس امام اعظم نے جن چار ہزار احادیث کو مسائل کے تحت بیان فرمایا ہے وہ از قبیل سنن ہیں اور جن چار سو احادیث کو امام اعظم نے بیان نہیں فرمایا وہ ان روایات پر محمول ہیں جو احکام سے متعلق نہیں ہیں لیکن یہاں بیان کی نفی ہے علم کی نہیں۔

## فن حدیث میں امام اعظم کا فیضان:

امام اعظم علم حدیث میں جس عظیم مہارت کے حامل اور جلیل القدر مرتبہ پر فائز تھے اس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ تشنگان علم حدیث کا انبوہ کثیر آپ کے حلقۂ درس میں سماع حدیث کیلئے حاضر ہوتا۔

حافظ ابن عبدالبر امام وکیع کے ترجمے میں لکھتے ہیں:۔

وکان یحفظ حدیثه کله و کان قد سمع من ابی حنیفة کثیرا،۔

وکیع بن جراح کو امام اعظم کی سب حدیثیں یاد تھیں اور انہوں نے امام اعظم سے احادیث کا بہت زیادہ سماع کیا تھا۔

امام مکی بن ابراہیم، امام اعظم ابوحنیفہ کے شاگرد اور امام بخاری کے استاذ تھے اور امام بخاری نے اپنی صحیح میں بائیس ثلاثیات صرف امام مکی بن ابراہیم کی سند سے روایت کی ہیں۔

امام صدر الائمہ موفق بن احمد مکی ان کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

ولزم اباحنیفة رحمه الله و سمع منه الحدیث ۔

انہوں نے اپنے اوپر سماع حدیث کیلئے ابوحنیفہ کے درس کو لازم کر لیا تھا۔

اس سے معلوم ہوا کہ امام بخاری کو اپنی صحیح میں عالی سند کے ساتھ ثلاثیات درج کرنے کا جو شرف حاصل ہوا ہے وہ دراصل امام اعظم کے تلامذہ کا صدقہ ہے اور یہ صرف ایک مکی بن

ابراہیم کی بات نہیں ہے۔امام بخاری کی اسانید میں اکثر شیوخ حنفی ہیں ان حوالوں سے یہ آفتاب سے زیادہ روشن ہوگیا کہ امام اعظم علم حدیث میں مرجع خلائق تھے،ائمہ فن نے آپ سے حدیث کا سماع کیا اور جن شیوخ کے وجود سے صحاح ستہ کی عمارت قائم ہے ان میں سے اکثر حضرات آپ کے علم حدیث میں بالواسطہ یا بلاواسطہ شاگرد ہیں۔

فقیہ عصر شارح بخاری علیہ رحمۃ الباری تقلیل روایت کا موازنہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ہمیں یہ تسلیم ہے کہ جس شان کے محدث تھے اس کے لحاظ سے روایت کم ہے۔مگر یہ ایسا الزام ہے کہ امام بخاری جیسے محدث پر بھی عائد ہے۔انہیں چھ لاکھ احادیث یاد تھیں جن میں ایک لاکھ صحیح یاد تھیں۔مگر بخاری میں کتنی احادیث ہیں۔غور کیجئے ایک لاکھ صحیح احادیث میں سے صرف ڈھائی ہزار سے کچھ زیادہ ہیں۔کیا یہ تقلیل روایت نہیں ہے؟

پھر محدثین کی کوشش صرف احادیث جمع کرنا اور پھیلانا تھا۔مگر حضرت امام اعظم کا منصب ان سب سے بہت بلند اور بہت اہم اور بہت مشکل تھا۔وہ امت مسلمہ کی آسانی کیلئے قرآن وحدیث واقوال صحابہ سے منقح مسائل اعتقادیہ وعملیہ کا استنباط اور انکو جمع کرنا تھا۔مسائل کا استنباط کتنا مشکل ہے۔اس میں مصروفیت اور پھر عوام وخواص کو ان کے حوادث پر احکام بتانے کی مشغولیت نے اتنا موقع نہ دیا کہ وہ اپنی شان کے لائق بکثرت روایت کرتے۔

ایک وجہ قلت روایت کی یہ بھی ہے کہ آپ نے روایت حدیث کیلئے نہایت سخت اصول وضع کئے تھے،اور استدلال واستنباط مسائل میں مزید احتیاط سے کام لیتے،نتیجہ کے طور پر روایت کم فرمائی۔

چند اصول یہ ہیں:

۱۔ سماعت سے لیکر روایت تک حدیث راوی کے ذہن میں محفوظ رہے۔

۲۔ صحابہ وفقہاء تابعین کے سوا کسی کی روایت بالمعنی مقبول نہیں۔

۳۔ صحابہ سے ایک جماعت اتقیاء نے روایت کیا ہو۔

۴۔ عمومی احکام میں وہ روایت چند صحابہ سے آئی ہو۔

۵۔ اسلام کے کسی مسلم اصول کے مخالف نہ ہو۔

۶۔ قرآن پر زیادت یا تخصیص کرنے والی خبر واحد غیر مقبول ہے۔

۷۔ صراحت قرآن کے مخالف خبر واحد بھی غیر مقبول ہے۔

۸۔ سنت مشہورہ کے خلاف خبر واحد بھی غیر مقبول ہے۔

۹۔ راوی کا عمل روایت کے خلاف ہو جب بھی غیر مقبول۔

۱۰۔ ایک واقعہ کے دو راوی ہوں، ایک کی طرف سے امر زائد منقول ہو اور دوسرا نفی بلا دلیل کرے تو یہ نفی مقبول نہیں۔

۱۱۔ حدیث میں حکم عام کے مقابل حدیث میں حکم خاص مقبول نہیں۔

۱۲۔ صحابہ کی ایک جماعت کے عمل کے خلاف خبر واحد قولی یا عملی مقبول نہیں۔

۱۳۔ کسی واقعہ کے مشاہدہ کے بارے میں متعارض روایات میں قریب سے مشاہدہ کرنے والے کی روایت مقبول ہوگی۔

۱۴۔ قلت وسائط اور کثرت تفقہ کے اعتبار سے راویوں کی متعارض روایات میں کثرت تفقہ کو ترجیح ہوگی۔

۱۵۔ حدود وکفارات میں خبر واحد غیر مقبول۔

۱۶۔ جس حدیث میں بعض اسلاف پر طعن ہو وہ بھی مقبول نہیں۔

واضح رہے کہ احادیث کو محفوظ کرنا پہلی منزل ہے، پھر انکو روایت کرنا اور اشاعت دوسرا درجہ۔ اور آخری منزل ان احادیث سے مسائل اعتقادیہ وعملیہ کا استنباط ہے۔ اس منزل میں آکر غایت احتیاط کی ضرورت پڑتی ہے۔ امام اعظم نے کتنی روایات محفوظ کی تھیں آپ پڑھ چکے کہ اس وقت کی تمام مرویات آپ کے پیش نظر تھیں۔ پھر ان سب کو روایت نہ کرنے کی وجہ استنباط واستخراج مسائل میں مشغولی تھی جیسا کہ گذر گیا۔

اب آخری منزل جو خاص احتیاط کی تھی اسکے سبب تمام روایات صحائف میں ثبت نہ ہوسکیں کہ ان کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ جو معمول بہا تھیں ان کو املا کرایا اور انہیں سے تدوین فقہ

میں کام لیا۔

فقہ حنفی میں بظاہر جو تقلیل روایت نظر آتی ہے اس کی ایک وجہ اور بھی ہے، وہ یہ کہ امام اعظم نے جو مسائل شرعیہ بیان فرمائے انکو لوگ ہر جگہ محض امام اعظم کا قول سمجھتے ہیں حالانکہ ایسا ہرگز نہیں۔ بلکہ کثیر مقامات پر ایسا ہے کہ احادیث بصورت مسائل ذکر کی گئی ہیں۔ امام اعظم نے احادیث و آثار کو حسب موقع بصورت افتاء و مسائل نقل فرمایا ہے۔ جس سے بظاہر یہ سمجھا جاتا ہے کہ یہ کہنے والے کا خود اپنا قول ہے حالانکہ وہ کسی روایت سے حاصل شدہ حکم ہوتا ہے حتی کہ بعض اوقات بعینہ روایت کے الفاظ کے ساتھ ہوتا ہے۔

امام اعظم کا یہ طریقہ خود اپنا نہیں تھا بلکہ ان بعض اکابر صحابہ کا تھا جو روایت حدیث میں غایت احتیاط سے کام لیتے تھے، وہ ہر جگہ صریح طور پر حضور کی طرف نسبت کرنے سے احتراز کرتے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طرف کسی قول کی صراحۃً نسبت کرنے میں ان کی نظر حضور کے اس فرمان کی طرف رہتی تھی کہ:۔

من کذب علی متعمدا فلیتبوأ مقعده من النار۔

جس نے مجھ پر عمداً جھوٹ باندھا اس نے اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنایا۔

لہذا کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم سے شعوری یا غیر شعوری طور پر انتساب میں کوتاہی ہو جائے اور ہم اس وعید شدید کے سزاوار ٹھہریں۔ امیر المومنین حضرت عمر فارق اعظم اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما اس سلسلہ میں سرفہرست رہے ہیں، ان کے واقعات راقم کی کتاب ''تدوین حدیث'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شاگرد حضرت عمرو بن میمون بیان کرتے ہیں کہ میں ہر جمعرات کی شام بلا ناغہ حضرت ابن مسعود کی خدمت میں حاضر ہوتا لیکن میں نے کبھی آپ کی زبان سے یہ الفاظ نہیں سنے کہ حضور نے یہ فرمایا۔

ایک شام ان کی زبان سے یہ الفاظ نکلے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، کہتے ہیں! یہ الفاظ کہتے ہی وہ جھک گئے میں نے ان کی طرف دیکھا تو کھڑے تھے، ان کی

قمیص کے بٹن کھلے ہوئے تھے، آنکھوں سے سیل اشک رواں تھا اور گردن کی رگیں پھولی ہوئی تھیں۔ یہ آپ کی غایت احتیاط کا مظاہرہ تھا۔

اس وجہ سے آپ کے تلامذہ میں بھی یہ طریقہ رائج رہا کہ اکثر احادیث بصورت مسائل بیان فرماتے اور وقت ضرورت ہی حضور کی طرف نسبت کرتے تھے، کوفہ میں مقیم محدثین وفقہاء بالواسطہ یا بلاواسطہ آپ کے تلامذہ میں شمار ہوتے ہیں جیسا کہ آپ پڑھ چکے، امام اعظم کا سلسلہ سند حدیث وفقہ بھی آپ تک پہونچتا ہے لہذا جو احتیاط پہلے سے چلی آرہی تھی اسکو امام اعظم نے بھی اپنایا ہے اور بعض لوگوں نے یہ سمجھ لیا کہ امام ابوحنیفہ احادیث سے کم اور اپنی رائے سے زیادہ کام لیتے اور فتوی دیتے ہیں۔

**کلمات الثنا:** امام اعظم کی جلالت شان اور علمی وعملی کمالات کو آپکے معاصرین واقران۔ محدثین وفقہاء، مشائخ وصوفیاء، تلامذہ واساتذہ سب نے تسلیم کیا اور بیک زبان بے شمار حضرات نے آپکی برتری وفضیلت کا اعتراف کیا ہے۔ حدیث وفقہ دونوں میں آپکی علوشان کی گواہی دینے میں بڑے بڑوں نے بھی کبھی کوئی جھجک محسوس نہیں کی، چند حضرات کے تاثرات ملاحظہ کیجئے۔

امام عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں:

انکی مجلس میں بڑوں کو چھوٹا دیکھتا، انکی مجلس میں اپنے آپ کو جتنا کم رتبہ دیکھتا کسی کی مجلس میں نہ دیکھتا، اگر اسکا اندیشہ نہ ہوتا کہ لوگ یہ کہیں گے کہ میں افراط سے کام لے رہا ہوں تو میں ابوحنیفہ پر کسی کو مقدم نہیں کرتا۔

نیز فرمایا:

امام اعظم کی نسبت تم لوگ کیسے کہتے ہو کہ وہ حدیث نہیں جانتے تھے، ابوحنیفہ کی رائے مت کہو حدیث کی تفسیر کہو۔ اگر ابوحنیفہ تابعین کے زمانہ میں ہوتے تو تابعین بھی انکے محتاج ہوتے۔ آپ علم حاصل کرنے میں بہت سخت تھے وہی کہتے تھے جو حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وسلم سے ثابت ہے، احادیث ناسخ ومنسوخ کے بہت ماہر تھے۔ آپ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں

سے ایک نشانی تھے۔

اگر اللہ تعالیٰ نے امام اعظم اور سفیان ثوری کے ذریعہ میری دستگیری نہ کی ہوتی تو میں عام آدمیوں میں سے ہوتا۔ میں نے ان میں دیکھا کہ ہر دن شرافت اور خیر کا اضافہ ہوتا۔

سفیان بن عیینہ نے کہا: ابوحنیفہ اپنے زمانے کے سب سے بڑے عالم ہیں، میری آنکھوں نے ان کا مثل نہیں دیکھا۔

مکی بن ابراہیم استاذ امام بخاری فرماتے ہیں۔امام ابوحنیفہ اپنے زمانے کے اعلم علماء تھے۔

امام مالک سے امام شافعی نے متعدد محدثین کا حال پوچھا، اخیر میں امام ابوحنیفہ کو دریافت کیا تو فرمایا: سبحان اللہ! وہ عجیب ہستی کے مالک تھے، میں نے انکا مثل نہیں دیکھا۔

سعید بن عروبہ نے کہا: ہم نے جو متفرق طور پر مختلف مقامات سے حاصل کیا وہ سب آپ میں مجتمع تھا۔

خلف بن ایوب نے کہا: اللہ عزوجل کی طرف سے علم حضور کو ملا، اور حضور نے صحابہ کو، صحابہ نے تابعین کو اور تابعین سے امام اعظم اور آپ کے اصحاب کو، حق یہ ہی ہے خواہ اس پر کوئی راضی ہو یا ناراض۔

اسرائیل بن یونس نے کہا: اس زمانے میں لوگ جن جن چیزوں کے محتاج ہیں امام ابوحنیفہ ان سب کو سب سے زیادہ جانتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود کے پوتے حضرت قاسم فرماتے: امام ابوحنیفہ کی مجلس سے زیادہ فیض رساں اور کوئی مجلس نہیں۔

حفص بن غیاث نے کہا: امام ابوحنیفہ جیسا ان احادیث کا عالم میں نے نہ دیکھا جو احکام میں صحیح اور مفید ہوں۔

مسعر بن کدام کہتے تھے: مجھے صرف دو آدمیوں پر رشک آتا ہے، ابوحنیفہ پر ان کی فقہ کی وجہ سے، اور حسن بن صالح پر ان کے زہد کی وجہ سے۔

ابوعلقمہ نے کہا: میں نے اپنے شیوخ سے سنی ہوئی حدیثوں کو امام ابوحنیفہ پر پیش کیا تو انہوں نے ہر ایک کا ضروری حال بیان کیا، اب مجھے افسوس ہے کہ کل حدیثیں کیوں نہیں سنا دیں۔

امام ابویوسف فرماتے: میں نے ابوحنیفہ سے بڑھ کر حدیث کے معانی اور فقہی نکات جاننے والا کوئی شخص نہیں دیکھا۔ جس مسئلہ میں غوروخوض کرتا تو امام اعظم کا نظریہ اخروی نجات سے زیادہ قریب تھا۔ میں آپ کیلئے اپنے والد سے پہلے دعا مانگتا ہوں۔

ابوبکر بن عیاش کہتے ہیں: امام سفیان امام اعظم کیلئے کھڑے ہوتے تو میں نے تعظیم کی وجہ پوچھی۔ فرمایا: وہ علم میں ذی مرتبہ شخص ہیں، اگر میں ان کے علم کے لئے نہ اٹھتا تو انکے سن وسال کی وجہ سے اٹھتا، اگر اس وجہ سے نہیں تو انکی فقہ کی وجہ سے اٹھتا، اور اس کے لئے بھی نہیں تو تقوی کی وجہ سے اٹھتا۔

امام شافعی فرماتے: تمام لوگ فقہ میں امام ابوحنیفہ کے محتاج میں، امام ابوحنیفہ ان لوگوں میں سے تھے جن کو فقہ میں موافقت حق عطا کی گئی۔

امام یحیی بن معین نے کہا: جب لوگ امام اعظم کے مرتبہ کو نہ پا سکے تو حسد کرنے لگے۔

امام شعبہ نے وصال امام اعظم پر فرمایا: اہل کوفہ سے علم کے نور کی روشنی بجھ گئی، اب اہل کوفہ ان کا مثل نہ دیکھ سکیں گے۔

داؤد طائی نے کہا: ہر وہ علم جو امام ابوحنیفہ کے علم سے نہیں وہ اس علم والے کے لئے آفت ہے۔

ابن جریج نے وصال امام اعظم پر فرمایا: کیسا عظیم علم ہاتھ چلا گیا۔

یزید بن ہارون فرماتے ہیں: امام ابوحنیفہ متقی، پرہیز گار، زاہد، عالم، زبان کے سچے اور اپنے زمانہ کے سب سے بڑے حافظ تھے، میں نے انکے معاصرین پائے سب کو یہ ہی کہتے سنا: ابوحنیفہ سے بڑا فقیہ نہیں دیکھا۔

فضیل بن عیاض نے فرمایا: ابوحنیفہ ایک فقیہ شخص تھے اور فقہ میں معروف، انکی رات

عبادت میں گذرتی، بات کم کرتے، ہاں جب مسئلہ حلال وحرام کا آتا تو حق بیان فرماتے، صحیح حدیث ہوتی تو اس کی پیروی کرتے خواہ صحابہ وتابعین سے ہو ورنہ قیاس کرتے اور اچھا قیاس کرتے۔

ابن شبرمہ نے کہا: عورتیں عاجز ہوگئیں کہ نعمان کا مثل جنیں۔

عبدالرزاق بن ہمام کہتے ہیں: ابوحنیفہ سے زیادہ علم والا کبھی کسی کو نہیں دیکھا۔

امام زفر نے فرمایا: امام ابوحنیفہ جب تکلم فرماتے تو ہم یہ سمجھتے کہ فرشتہ ان کو تلقین کررہا ہے۔

علی بن ہاشم نے کہا: ابوحنیفہ علم کا خزانہ تھے، جو مسائل بڑوں پر مشکل ہوتے آپ پر آسان ہوتے۔

امام ابوداؤد نے فرمایا: اللہ تعالیٰ رحم فرمائے مالک پر وہ امام تھے، اللہ تعالیٰ رحم فرمائے ابوحنیفہ پر وہ امام تھے۔

یحیی بن سعید قطان نے کہا: امام ابوحنیفہ کی رائے سے بہتر کسی کی رائے نہیں،

خارجہ بن مصعب نے کہا: فقہاء میں ابوحنیفہ مثل چکی کے پاٹ کے محور ہیں، یا ایک ماہر صراف کے مانند ہیں جو سونے کو پرکھتا ہے۔

عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں: میں نے حسن بن عمارہ کو دیکھا کہ وہ امام ابوحنیفہ کی رکاب پکڑے ہوئے کہہ رہے تھے: قسم بخدا! میں نے فقہ میں تم سے اچھا بولنے والا صبر کرنے والا اور تم سے بڑھکر حاضر جواب نہیں دیکھا، بیشک تمہارے دور میں جس نے فقہ میں لب کشائی کی تم اسکے بلا قیل وقال آقا ہو۔ جو لوگ آپ پر طعن کرتے ہیں وہ حسد کی بنا پر کرتے ہیں۔

ابومطیع نے بیان کیا کہ میں ایک دن کوفہ کی جامع مسجد میں بیٹھا ہوا تھا کہ آپکے پاس مقاتل بن حیان، حماد بن سلمہ، امام جعفر صادق اور دوسرے علماء آئے اور انہوں نے امام ابوحنیفہ سے کہا: ہم کو یہ بات پہونچی ہے کہ آپ دین میں کثرت سے قیاس کرتے ہیں۔ اسکی وجہ سے ہم کو آپکی عاقبت کا اندیشہ ہے، کیونکہ ابتداء جس نے قیاس کیا ہے وہ ابلیس ہے۔ امام ابوحنیفہ نے

ان حضرات سے بحث کی اور یہ بحث صبح سے زوال تک جاری رہی اور وہ دن جمعہ کا تھا۔

حضرت امام نے اپنا مذہب بیان کیا کہ اولاً کتاب اللہ پر عمل کرنا یوں پھر سنت پر، اور پھر حضرات صحابہ کے فیصلوں پر، اور جس پر ان حضرات کا اتفاق ہوتا ہے اسکو مقدم رکھتا ہوں اور اسکے بعد قیاس کرتا ہوں۔ یہ سنکر حضرات علماء کھڑے ہوئے اور انہوں نے حضرت امام کے سر اور گھٹنوں کو بوسہ دیا اور کہا: آپ علماء کے سردار ہیں اور ہم نے جو کچھ برائیاں کی ہیں اپنی لاعلمی کی وجہ سے کی ہیں۔ آپ اسکو معاف کر دیں۔ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ہماری اور آپ سب کی مغفرت فرمائے۔ آمین۔

امام عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں: میں امام اوزاعی سے ملنے ملک شام آیا اور بیروت میں ان سے ملا۔ انہوں نے مجھ سے کہا اے خراسانی! یہ بدعتی کون ہے جو کوفہ میں نکلا ہے اور اسکی کنیت ابوحنیفہ ہے، میں اپنی قیام گاہ پر آیا اور امام ابوحنیفہ کی کتابوں میں مصروف ہوا، چند مسائل اخذ کر کے پہونچا، میرے ہاتھ میں تحریر دیکھ کر پوچھا کیا ہے، میں نے پیش کیا، تحریر پڑھ کر بولے یہ نعمان بن ثابت کون ہیں؟ میں نے کہا: ایک شیخ ہیں جن سے عراق میں میری ملاقات ہوئی۔ فرمایا: یہ مشائخ میں زیادہ دانشمند ہیں۔ ان سے علم میں اضافہ کرو، میں نے ان سے کہا: یہ ہی وہ ابوحنیفہ ہی جن سے آپ نے مجھے روکا تھا۔

امام اعظم سے اسکے بعد مکہ مکرمہ میں ملاقات ہوئی، مسائل میں گفتگو ہوئی، جب ان سے میری ملاقات دوبارہ ہوئی تو امام اوزاعی فرماتے تھے، اب مجھے انکے کثرت علم و عقلمندی پر رشک ہوتا ہے۔ میں انکے متعلق کھلی غلطی پر تھا، میں اللہ سے استغفار کرتا ہوں۔

مدینہ منورہ میں حضرت امام باقر سے ملاقات ہوئی، ایک صاحب نے تعارف کرایا، فرمایا: اچھا آپ وہی ہیں جو قیاس کر کے میرے جد کریم کی احادیث رد کرتے ہیں۔ عرض کیا: معاذ اللہ، کون رد کر سکتا ہے۔ حضور اگر اجازت دیں تو کچھ عرض کروں۔ اجازت کے بعد عرض کیا:۔

حضور مرد ضعیف ہے یا عورت؟ ارشاد فرمایا: عورت۔

عرض کیا: وراثت میں مرد کا حصہ زیادہ ہے، یا عورت کا؟

فرمایا: مرد کا۔

عرض کیا: میں قیاس سے حکم کرتا تو عورت کو مرد کا دونا حصہ دینے کا حکم دیتا۔

پھر عرض کیا: نماز افضل ہے یا روزہ؟

فرمایا: نماز۔

عرض کیا: قیاس یہ چاہتا ہے کہ حائضہ پر نماز کی قضا بدرجۂ اولی ہونی چاہیئے، اگر قیاس سے حکم کرتا تو یہ حکم دیتا کہ حائضہ نماز کی قضا کرے۔

پھر عرض کیا: منی کی ناپا کی شدید تر ہے یا پیشاب کی؟

فرمایا: پیشاب کی۔

عرض کیا: قیاس کرتا تو پیشاب کے بعد غسل کا حکم بدرجۂ اولی دیتا۔

اس پر امام باقر اتنا خوش ہوئے کہ اٹھکر پیشانی چوم لی۔ اسکے بعد ایک مدت تک حضرت امام باقر کی خدمت میں رہکر فقہ وحدیث کی تعلیم حاصل کی۔

امام جعفر صادق نے فرمایا: یہ ابوحنیفہ ہیں اور اپنے شہر کے سب سے بڑے فقیہ ہیں۔

یہ ائمہ وقت اور اساطین ملت تو امام اعظم کے علم وفن اور فضل وکمال پر کھلے دل سے شہادت پیش کرتے ہیں اور آج کے کچھ نام نہاد مجتہدین وقت نہایت بے غیرتی کا ثبوت دیتے ہوئے کہتے پھرتے اور کتابوں میں لکھتے ہیں۔

امام ابوحنیفہ کا حشر عابدین میں تو ہوسکتا ہے لیکن علماء وائمہ میں نہیں ہوگا۔ نعوذ باللہ من ذلك۔

## محیر العقول فتاوی

امام وکیع بیان کرتے ہیں کہ ایک ولیمہ کی دعوت میں امام ابوحنیفہ، امام سفیان ثوری، امام مسعر بن کدام، مالک بن مغول، جعفر بن زیاد، احمد اور حسن بن صالح کا اجتماع ہوا۔ کوفہ کے اشراف اور موالی کا اجتماع تھا۔ صاحب خانہ نے اپنے دو بیٹوں کی شادی ایک شخص کی دو بیٹیوں

سے کی تھی ۔ یہ شخص گھبرایا ہوا آیا اور اس نے کہا۔ ہم ایک بڑی مصیبت میں گرفتار ہو گئے ہیں اور اس نے بیان کیا گھر میں غلطی سے ایک کی بیوی دوسرے کے پاس پہنچادی گئی اور دونوں نے اپنے بھائی کی بیوی سے شب باشی کرلی ہے۔سفیان ثوری نے کہا کوئی بات نہیں۔

حضرت علی کے پاس حضرت معاویہ نے آدمی بھیجا کہ ان سے مسئلہ پوچھ کر جواب لائے ۔ جب اس شخص نے حضرت علی سے استفسار کیا آپ نے فرمایا کیا تم معاویہ کے فرستادہ ہو کیونکہ ہمارے ملک میں یہ صورت پیش نہیں آئی ہے اور آپ نے کہا میرے نزدیک دونوں افراد پر شب باشی کرنے کی وجہ سے مہر واجب ہے اور ہر عورت اپنے زوج کے پاس چلی جائے ( یعنی جس سے اس کا نکاح ہوا ہے ) لوگوں نے سفیان کی بات سنی اور پسند کی امام ابوحنیفہ خاموش بیٹھے رہے۔مسعر بن کدام نے ان سے کہا تم کیا کہتے ہو۔سفیان ثوری نے کہا وہ اس بات کے علاوہ کیا کہیں گے۔ابوحنیفہ نے کہا۔دونوں لڑکوں کو بلاؤ، چنانچہ وہ دونوں آئے ۔ حضرت امام نے ان میں سے ہر ایک سے دریافت کیا۔"تم کو وہ عورت پسند ہے جس کے ساتھ تم نے شب باشی کی ہے۔" ان دونوں نے ہاں میں جواب دیا۔آپ نے ہر ایک سے کہا اس عورت کا نام کیا ہے جو تمہارے بھائی کے پاس گئی ہے۔دونوں نے لڑکی کا اور اس کے باپ کا نام بتایا۔آپ نے ان سے کہا۔اب تم اس کو طلاق دو۔چنانچہ دونوں نے طلاق دی اور آپ نے خطبہ پڑھ کر ہر ایک کا نکاح اس عورت سے کردیا جو اس کے پاس رہی ہے۔اور آپ نے دونوں لڑکوں کے والد سے کہا۔دعوت ولیمہ کی تجدید کرو۔

ابوحنیفہ کا فتوی سن کر سب متحیر ہوئے اور مسعر نے اٹھ کر ابوحنیفہ کا منہ چوما اور کہا تم لوگ مجھ کو ابوحنیفہ کی محبت پر ملامت کرتے ہو۔

جواب امام سفیان کا بھی درست تھا لیکن کیا ضروری تھا کہ دونوں شوہروں کی غیرت اس بات کو گوارہ کرلیتی کہ جس سے دوسرے نے شب باشی کی ہے کہ وہ اب اس پہلے کے ساتھ رہے۔

امام وکیع ہی بیان کرتے ہیں: ہم امام ابوحنیفہ کے پاس تھے کہ ایک عورت آئی اور

اس نے کہا کہ میرے بھائی کی وفات ہوئی ہے اس نے چھ سو دینار چھوڑے اور اب مجھ کو ورثہ میں ایک دینار ملا ہے۔ ابوحنیفہ نے کہا کہ میراث کی تقسیم کس نے کی ہے۔ اس نے کہا داؤد طائی نے کی ہے۔ آپ نے فرمایا انہوں نے ٹھیک کی ہے۔ کیا تمہارے بھائی نے دولڑکیاں چھوڑی ہیں؟ عورت نے ہاں میں جواب دیا۔ آپ نے پوچھا اور ماں چھوڑی ہے؟ عورت نے ہاں میں جواب دیا۔ آپ نے پوچھا اور بیوی چھوڑی ہے؟ عورت نے ہاں میں جواب دیا۔ آپ نے پوچھا اور ایک بہن اور بارہ بھائی چھوڑے ہیں؟ عورت نے ہاں میں جواب دیا۔ آپ نے کہا لڑکیوں کا دو تہائی حصہ ہے یعنی چار سو دینار اور چھٹا حصہ ماں کا ہے یعنی ایک سو دینار اور آٹھواں حصہ بیوی کا ہے یعنی پچھتر دینار۔ باقی رہے پچیس دینار۔ اس سے بارہ بھائیوں کے چوبیس دینار یعنی ہر بھائی کو دو دینار اور تم بہن ہو تمہارا ایک دینار ہوا۔

امام ابو یوسف بیان فرماتے ہیں: امام ابوحنیفہ سے کسی شخص نے کہا میں نے قسم کھائی ہے کہ اپنی بیوی سے بات نہیں کروں گا جب تک وہ مجھ سے بات نہ کرلے، اور میری بیوی نے قسم کھائی کہ جو مال میرا ہے وہ سب صدقہ ہوگا اگر وہ مجھ سے بات کرلے جب تک کہ میں اس سے بات نہ کرلوں۔ ابوحنیفہ نے اس شخص سے کہا۔ کیا تم نے یہ مسئلہ کسی سے پوچھا ہے؟ اس شخص نے کہا۔ میں نے سفیان ثوری سے یہ مسئلہ پوچھا ہے اور انہوں نے کہا ہے کہ تم دونوں میں سے جو بھی دوسرے سے بات کرے گا وہ حانث ہو جائیگا۔ ابوحنیفہ نے اس شخص سے کہا: جاؤ اپنی بیوی سے بات کرو، تم دونوں حانث نہ ہوگے۔ وہ شخص ابوحنیفہ کی بات سن کر سفیان ثوری کے پاس گیا۔ اس شخص کی سفیان ثوری سے کچھ رشتہ داری بھی تھی، اس نے ابوحنیفہ کا جواب سفیان ثوری سے بیان کیا، وہ جھنجھلا کر ابوحنیفہ کے پاس آئے اور انہوں نے ابوحنیفہ سے غصہ میں کہا۔ کیا تم حرام کراؤ گے۔ آپ نے کہا کیا بات ہے، اے ابوعبداللہ۔ اور پھر آپ نے سوال کرنے والے سے کہا کہ اپنا سوال ابوعبداللہ کے سامنے دہراؤ۔ چنانچہ اس نے اپنا سوال دہرایا اور ابوحنیفہ نے اپنا فتویٰ دہرایا۔ سفیان نے کہا۔ تم نے یہ بات کہاں سے کہی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ خاوند کے قسم کھانے کے بعد اس کی بیوی نے خاوند سے بات کی لہذا خاوند کی قسم پوری ہوگئی اب وہ جا کر

بیوی سے بات کرلے تا کہ اس کی قسم پوری ہو جائے اور دونوں میں سے کوئی بھی حانث نہیں ہے

یہ سن کر سفیان ثوری نے کہا: انـه لیکشف لك من العلم عن شیٔ کلنا عنه غافل۔ حقیقت امر یہ ہے کہ تم پر علم کے وہ دقائق واضح ہوتے ہیں کہ ہم سب اس سے غافل ہیں۔

امام لیث بن سعد کہتے تھے: کہ میں ابو حنیفہ کا ذکر سنا کرتا تھا اور میری تمنا اور خواہش تھی کہ ان کو دیکھوں۔ اتفاق سے میں مکہ میں تھا میں نے دیکھا کہ ایک شخص پر لوگ ٹوٹے پڑتے ہیں اور ایک شخص ان کو یا ابا حنیفہ کہہ کر صدا کر رہا تھا۔ لہذا میں نے دیکھا کہ یہ شخص ابو حنیفہ ہیں۔ آواز دینے والے نے ان سے کہا میں دولتمند ہوں میرا ایک بیٹا ہے۔ میں اس کی شادی کرتا ہوں ، روپیہ خرچ کرتا ہوں ، وہ اس کو طلاق دے دیتا ہے ، میں اس کی شادی پر کافی روپیہ خرچ کرتا ہوں اور یہ سب ضائع ہوتا ہے، کیا میرے واسطے کوئی حیلہ ہے۔ ابو حنیفہ نے کہا تم اپنے بیٹے کو اس بازار لے جاؤ جہاں لونڈی غلام فروخت ہوتے ہیں۔ وہاں اس کے پسند کی لونڈی خرید لو، وہ تمہاری ملکیت میں رہے، اس کا نکاح اپنے بیٹے سے کردو، اگر وہ طلاق دے گا باندی تمہاری رہے گی۔

یہ کہہ کر لیث بن سعد نے کہا: فو اللـه ما اعجبنی سرعة جوابه۔ اللہ کی قسم ہے آپ کے جواب پر مجھ کو اتنا تعجب نہ ہوا جتنا کہ ان کے جواب دینے کی سرعت سے ہوا۔ یعنی پوچھنے کی دیر تھی کہ جواب تیار تھا۔

امام ابو یوسف بیان کرتے ہیں: ایک دفعہ ایک شخص سے اسکی بیوی کا جھگڑا ہوا۔ شوہر یہ قسم کھا بیٹھا کہ جب تک تو نہیں بولے گی میں بھی نہیں بولوں گا بیوی کیوں پیچھے رہتی ۔ اس نے بھی برابر کی قسم کھائی جب تک تو نہیں بولے گا میں بھی نہیں بولوں گی۔ جب غصہ ٹھنڈا ہوا تو اب دونوں پریشان۔ شوہر حضرت سفیان ثوری کے پاس گیا کہ اس کا حل کیا ہے، فرمایا کہ بیوی سے بات کرو وہ تم سے کرے اور قسم کا کفارہ دیدو۔ شوہر حضرت امام اعظم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے فرمایا۔ جاؤ تم دونوں ایک دوسرے سے باتیں کرو۔ کفارہ کی ضرورت نہیں۔ جب سفیان ثوری کو یہ معلوم ہوا تو بہت خفا ہوئے۔ امام اعظم کے پاس جا کر یہاں تک کہہ دیا کہ تم

لوگوں کو غلط مسئلہ بتاتے ہو۔امام صاحب نے اسے بلوایا اوراس۔ سے دوبارہ پورا بیان کرنے کو کہا ۔جب وہ بیان کر چکا توامام صاحب نے حضرت سفیان ثوری سے کہا۔جب شوہر کےقسم کے بعد عورت نے شوہر کو مخاطب کر کے وہ جملہ کہا تو عورت کی طرف سے بولنے کی ابتداء ہوگئی۔اب قسم کہاں رہی۔اس پر حضرت سفیان ثوری نے کہا۔واقعی عین موقع پرآپ کی فہم وہاں تک پہونچ جاتی ہے جہاں ہم لوگوں کا خیال نہیں جاتا۔

## امام اعظم پر مظالم اور وصال:

بنوامیہ کے آخری حکمراں مروان الحمار نے یزید بن عمر وبن ھبیر ہ کو عراق کا والی بنادیا تھا،عراق میں جب بنومروان کے خلاف فتنہ اٹھا توابن ھبیر ہ نے علماء کو جمع کر کے مختلف کاموں پر متعین کیا۔ابن ابی لیلی ،ابن شبرمہ اور داؤد بن ابی ہند بھی اس میں شامل تھے۔

امام اعظم کے پاس قاصد بھیج کرآپ کو بلوایا اورابن ھبیر ہ نے یہاں تک کہا کہ یہ حکومت کی مہر ہے،آپکے حکم کے بغیر سلطنت میں کوئی کام نہیں ہوگا،بیت المال پر سارااختیار آپ کا رہے گا۔لہذا آپ یہ عہدہ قبول کریں،آپ نے انکار کیا۔ابن ھبیر ہ نے قسم کھائی کہ یہ عہدہ آپ کو قبول کرنا ہوگا ورنہ سخت سزادی جائے گی۔آپ نے بھی قسم کھائی کہ ہرگز قبول نہیں کرونگا۔یہ سنکر بولا آپ میرے مقابلہ میں قسم کھاتے ہیں۔لہذا آپ کے سر پر کوڑوں کی بوچھار شروع کردی گئی۔بیس کوڑے مارے گئے اور دس دن تک کوڑے لگوائے جاتے رہے۔امام اعظم نے فرمایا :اے ابن ھبیر ہ!یادرکھوکل بروز قیامت خدا کو منہ دکھانا ہے۔تم کوکل اللہ کے حضور کھڑاہونا ہوگا اور میرے مقابلہ میں تمہیں نہایت ذلیل کیا جائے گا،یہ سنکرابن ھبیر ہ نے کوڑے تورکوادیئے لیکن قید خانہ میں بھیج دیا۔

رات کوخواب میں ابن ھبیر ہ نے دیکھا کہ حضوراقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرمارہے ہیں ۔اے ابن ھبیر ہ ! میری امت کے لوگوں کو بغیر کسی جرم کے سزائیں دیتااورستاتا ہے ،خدا سے ڈراورانجام کی فکر کر۔

یہ خواب دیکھ کر نہایت بے چین ہوااورصبح اٹھکرآپ کوقید خانے سے رہا کردیا۔اس

طرح آپکی قسم پورہوگئی۔ یہ پہلی ابتلاءوآزمائش تھی۔

بعد کے واقعات شارح بخاری حضرت مفتی شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ کی زبانی ملاحظہ کریں۔

خلافت بنوامیہ کے خاتمہ کے بعد سفاح پھر منصور نے اپنی حکومت جمانے اورلوگوں کے دلوں میں اپنی ہیبت بٹھانے کیلئے وہ وہ مظالم کئے جوتاریخ کے خونی اوراق میں کسی سے کم نہیں ۔منصور نے خصوصیت کے ساتھ سادات پر جومظالم ڈھائے ہیں وہ سلاطین عباسیہ کی پیشانی کا بہت بڑابدنماداغ ہیں۔اسی خونخوار نے حضرت محمد بن ابراہیم دیباج کودیوار میں زندہ چنوادیا۔آخر تنگ آمد بجنگ آمد۔ان مظلوموں میں سے حضرت محمد نفس ذکیہ نے مدینہ طیبہ میں خروج کیا۔ابتداء ان کے ساتھ بہت تھوڑے لوگ تھے۔بعد میں بہت بڑی فوج تیار کرلی۔ حضرت امام مالک نے بھی ان کی حمایت کافتوی دیدیا۔نفس ذکیہ بہت شجاع فن جنگ کے ماہر قوی طاقتور تھے۔مگر اللہ عزوجل کی شان بے نیاز کہ جب منصور سے مقابلہ ہواتو ۱۴۵ھ میں دادمردانگی دیتے ہوئے شہید ہوگئے۔

انکے بعدان کے بھائی ابراہیم نے خلافت کادعوی کیا۔ہرطرف سے انکی حمایت ہوئی ۔ خاص کوفے میں لگ بھگ لاکھ آدمی انکے جھنڈے کے نیچے جمع ہوگئے۔بڑے بڑے ائمہ علماءفقہاءنے ان کا ساتھ دیا۔حتی کہ حضرت امام اعظم نے بھی انکی حمایت کی بعض مجبوریوں کی وجہ سے جنگ میں شریک نہ ہوسکے جس کاان کومرتے دم تک افسوس رہا۔مگر مالی امداد کی۔لیکن نوشتۂ تقدیرکون بدلے۔ابراہیم کوبھی منصور کے مقابلے میں شکست ہوئی اورابراہیم بھی شہید ہوگئے۔

ابراہیم سے فارغ ہوکر منصور نے ان لوگوں کی طرف توجہ کی جن لوگوں نے ان کا ساتھ دیاتھا۔۱۴۶ھ میں بغدادکودارالسلطنت بنانے کے بعدمنصور نے حضرت امام اعظم کوبغداد بلوایا۔منصورانہیں شہید کرناچاہتاتھا۔مگر جوازقتل کیلئے بہانہ کی تلاش تھی۔اسے معلوم تھاکہ حضرت امام میری حکومت کے کسی عہدے کوقبول نہ کریں گے۔اس نے حضرت امام کی خدمت میں عہدہ

قضا پیش کیا۔ امام صاحب نے یہ کہہ کر انکار فرمادیا کہ میں اس کے لائق نہیں۔ منصور نے جھنجھلا کر کہا تم جھوٹے ہو۔ امام صاحب نے فرمایا کہ اگر میں سچا ہوں تو ثابت کہ میں عہدۂ قضا کے لائق نہیں۔ جھوٹا ہوں تو بھی عہدۂ قضا کے لائق نہیں، اس لئے کہ جھوٹے کو قاضی بنانا جائز نہیں۔ اس پر بھی نہ مانا اور قسم کھا کر کہا تم کو قبول کرنا پڑے گا۔ امام صاحب نے بھی قسم کھائی کہ ہرگز نہیں قبول کروں گا۔ ربیع نے غصے سے کہا ابوحنیفہ تم امیر المومنین کے مقابلے میں قسم کھاتے ہو۔ امام صاحب نے فرمایا۔ ہاں یہ اس لئے کہ امیر المومنین کو قسم کا کفارہ ادا کرنا بہ نسبت میرے زیادہ آسان ہے۔ اس پر منصور نے جز بز ہوکر حضرت امام کو قید خانے میں بھیج دیا۔ اس مدت میں منصور حضرت امام کو بلا کر اکثر علمی مذکرات کرتا رہتا تھا، منصور نے حضرت امام کو قید تو کر دیا مگر وہ ان کی طرف سے مطمئن ہرگز نہ تھا۔ بغداد چونکہ دار السلطنت تھا۔ اس لئے تمام دنیائے اسلام کے علماء، فقہاء، امراء، تجار، عوام، خواص بغداد آتے تھے۔ حضرت امام کا غلغلہ پوری دنیا میں گھر گھر پہنچ چکا تھا۔ قید نے انکی عظمت اور اثر کو بجائے کم کرنے اور زیادہ بڑھا دیا۔ جیل خانے ہی میں لوگ جاتے اور ان سے فیض حاصل کرتے۔ حضرت امام محمد اخیر وقت تک قید خانے میں تعلیم حاصل کرتے رہے۔ منصور نے جب دیکھا کہ یوں کام نہیں بنا تو خفیہ زہر دلوادیا۔ جب حضرت امام کو زہر کا اثر محسوس ہوا تو خالق بے نیاز کی بارگاہ میں سجدہ کیا سجدے ہی کی حالت میں روح پرواز کرگئی۔ ع

جتنی ہو قضا ایک ہی سجدے میں ادا ہو

## تجہیز و تدفین:

وصال کی خبر بجلی کی طرح پورے بغداد میں پھیل گئی۔ جو سنتا بھاگا ہوا چلا آتا۔ قاضی بغداد عمارہ بن حسن نے غسل دیا۔ غسل دیتے جاتے اور یہ کہتے جاتے تھے واللہ! تم سب سے بڑے فقیہ، سب سے بڑے عابد، سب سے بڑے زاہد تھے۔ تم میں تمام خوبیاں جمع تھیں۔ تم نے اپنے جانشینوں کو مایوس کر دیا ہے کہ وہ تمہارے مرتبے کو پہنچ سکیں۔ غسل سے فارغ ہوتے ہوتے جم غفیر اکٹھا ہو گیا۔ پہلی بار نماز جنازے میں پچاس ہزار کا مجمع شریک تھا۔ اس پر بھی آنے والوں

کا تانتا بندھا ہوا تھا۔ چھ بار نماز جنازہ ہوئی۔ اخیر میں حضرت امام۔ کے صاحبزادے، حضرت حماد نے نماز جنازہ پڑھائی۔ عصر کے قریب دفن کی نوبت آئی۔

حضرت امام نے وصیت کی تھی کہ انہیں خیزران کے قبرستان میں دفن کیا جائے۔ اس لئے کہ یہ جگہ غصب کردہ نہیں تھی۔ اسی کے مطابق اس کے مشرقی حصے میں مدفون ہوئے۔ دفن کے بعد بھی بیس دن تک لوگ حضرت امام کی نماز جنازہ پڑھتے رہے۔ ایسے قبول عام کی مثال پیش کرنے سے دنیا عاجز ہے۔

اس وقت وہ ائمہ محدثین وفقہاء موجود تھے جن میں بعض حضرات امام کے استاذ بھی تھے، سب کو حضرت امام کے وصال کا بے اندازہ غم ہوا۔ مکہ معظمہ میں ابن جریج تھے۔ انہوں نے وصال کی خبر سنکر، انا للہ پڑھا اور کہا۔ بہت بڑا عالم چلا گیا۔ بصرہ کے امام اور خود حضرت امام کے استاذ امام شعبہ نے بہت افسوس کیا اور فرمایا کوفہ میں اندھیرا ہو گیا۔ امیر المومنین فی الحدیث حضرت عبداللہ بن مبارک وصال کی خبر سنکر بغداد حاضر ہوئے۔ جب امام کے مزار پر پہونچے۔ روتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے۔ ابو حنیفہ! اللہ عزوجل تم پر رحمت برسائے۔ ابراہیم گئے تو اپنا جانشین چھوڑ گئے۔ حماد نے وصال کیا تو تمہیں اپنا جانشین چھوڑا۔ تم گئے تو پوری دنیا میں کسی کو اپنا جانشین نہیں چھوڑا۔

حضرت امام کا مزار پر انوار اس وقت سے لے کر آج تک مرجع عوام وخواص ہے۔

حضرت امام شافعی نے فرمایا:

میں حضرت امام ابو حنیفہ کے توسل سے برکت حاصل کرتا ہوں۔ روزانہ ان کے مزار کی زیارت کو جاتا ہوں۔ جب کوئی حاجت پیش آتی ان کے مزار کے پاس دو رکعت نماز پڑھ کر دعا کرتا ہوں تو مراد پوری ہونے میں دیر نہیں لگتی۔ جیسا کہ شیخ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

اعلم انہ لم یزل العلماء وذوالحاجات یزورون قبرہ ویتوسلون عندہ فی قضاء حوائجھم ویرون نجح ذلک منھم الا مام الشافعی رحمۃ اللہ علیہ انتھی۔

یعنی جان لے کہ علماء واصحاب حاجات امام صاحب کی قبر کی زیارت کرتے رہے ہے اور قضاء حاجات کیلئے آپ کو وسیلہ پکڑتے رہے اور ان حاجتوں کا پورا ہوتا دیکھتے رہے ہیں۔ان علماء میں سے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں۔

سلطان الپ ارسلاں سلجوقی نے ۴۵۹ھ میں مزار پاک پر ایک عالیشان قبہ بنوایا اور اسکے قریب ہی ایک مدرسہ بھی بنوایا۔یہ بغداد کا پہلا مدرسہ تھا۔نہایت شاندار لاجواب عمارت بنوائی۔اس کے افتتاح کے موقع پر بغداد کے تمام علماء وعمائد کو مدعو کیا۔یہ مدرسہ ''مشہد ابوحنیفہ'' کے نام سے مشہور ہے۔مدت تک قائم رہا۔اس مدرسہ سے متعلق ایک مسافر خانہ بھی تھا،جس میں قیام کرنے والوں کو علاوہ اور سہولتوں کے کھانا بھی ملتا تھا۔بغداد کا مشہور دارالعلوم نظامیہ اس کے بعد قائم ہوا۔حضرت امام کا وصال نوے سال کی عمر میں شعبان کی دوسری تاریخ کو ۱۵۰ھ میں ہوا۔

# امام المسلمین ابوحنیفہ

از: حضرت امام عبداللہ بن مبارک رضی اللہ تعالیٰ عنہ

لقد زان البلاد و من علیها ☆ امام المسلمین ابو حنیفه

با حکام و آ ثار و فقه ☆ کا یات الزبور علی صحیفه

فما فی المشرقین له نظیر ☆ ولا فی المغربین ولا بکوفه

یبیت مشمرا سهر اللیالی ☆ وصام نهاره لله خیفه

وصان لسانه عن کل افك ☆ وما زانت جوارحه عفیفه

یعف عن المحارم والملاهی ☆ ومرضاة الا له له وظیفه

رأیت العاتبین له سفاها ☆ خلاف الحق مع حجج ضعیفه

و کیف یحل ان یوذی فقیه ☆ له فی الارض آثار شریفه

وقد قال بن ادریس مقالا ☆ صحیح النقل فی حکم لطیفه

بان الناس فی فقه عیال ☆ علی فقه الامام ابی حنیفه

فلعنة ربنا اعداد رمل ☆ علی من رد قول ابی حنیفه

☆ امام المسلمین ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شہروں اور شہریوں کو زینت بخشی،

☆ احکام قرآن، آثار حدیث اور فقہ سے، جیسے صحیفہ میں زبور کی آیات نے۔

☆ کوفہ بلکہ مشرق و مغرب میں ان کی نظیر نہیں ملتی، یعنی روئے زمین میں ان جیسا کوئی نہیں۔

☆ آپ عبادت کے لئے مستعد ہو کر بیداری میں راتیں بسر کرتے اور خوف خدا کی وجہ سے دن کو روزہ رکھتے۔

☆ انہوں نے اپنی زبان ہر بہتان طرازی سے محفوظ رکھی، اور انکے اعضا ہر گناہ سے پاک رہے۔

☆ آپ لہو ولعب اور حرام کاموں سے بچے رہے، رضائے الٰہی کا حصول آپ کا وظیفہ تھا۔

☆ امام اعظم کے نکتہ چیں بے وقوف، مخالف حق اور کمزور دلائل والے ہیں۔

☆ ایسے فقیہ کو کسی بھی وجہ سے تکلیف دینا کیونکر جائز ہے، جسکے علمی فیوض تمام دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں۔

☆ حالانکہ صحیح روایت میں لطیف حکمتوں کے ضمن میں امام شافعی نے فرمایا: کہ

☆ تمام لوگ فقہ میں امام ابوحنیفہ کی فقہ کے محتاج ہیں۔

☆ ریت کے ذروں کے برابر اس شخص پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو جو امام ابوحنیفہ کے قول کو مردود قرار دے۔

ترجمہ: علامہ مولانا عبدالحکیم صاحب شرف قادری برکاتی

# مآخذ و مراجع


۱۔ تاریخ بغداد للخطیب۔ ۳۲۶/۱۲

۲۔ مشکل الآثار للطحاوی۔ ۵۴/۴

۳۔ مقدمہ ابن صلاح

۴۔ سوانح امام اعظم ابوحنیفہ۔ مولانا ابوالحسن زید فاروقی۔ ۶۰

۵۔ الجامع الصحیح للبخاری ۔ تفسیر سورۃ الجمعۃ ۷۲۷/۲

۶۔ تذکرۃ المحدثین۔ مولانا غلام رسول سعیدی ۴۸

۷۔ اتحاف النبلاء ۲۲۴

۸۔ مناقب امام اعظم ۵۹/۱

۹۔ تاریخ بغداد للخطیب ۲۳۲/۱۳

۱۰۔ نزہۃ القاری۔ شارح بخاری مفتی محمد شریف الحق صاحب امجدی ۱۱/۱

۱۱۔ تاریخ بغداد للخطیب ۳۳۴/۳

۱۲۔ کتاب بیان العلم ۴۵/۱

۱۳۔ الخیرات الحسان لابن حجر مکی ۲۲

۱۴۔ عمدۃ القاری شرح البخاری للعینی ۷۹۸/۱

۱۵۔ شرح مسند الامام للقاری ۲۸۵

۱۶۔ المغنی للعراقی ۸۰

۱۷۔ سوانح بے بہائے امام اعظم ابوحنیفہ ۶۴

۱۸۔ 〃 〃 〃 〃 〃 ۶۴

۱۹ 〃 〃 〃 〃 〃 ۶۴

۲۰۔ 〃 〃 〃 〃 〃 ۶۶

۲۱۔ 〃 〃 〃 〃 〃 ۶۵

۲۲۔ تذکرۃ المحدثین۔ مولانا غلام رسول سعیدی ۷۶ تا ۷۸

۲۳۔ سوانح بے بہائے امام اعظم ابوحنیفہ ۳۴۸

۲۴۔ میزان الشریعۃ الکبریٰ ۶۸/۱

# اصحاب امام اعظم ابوحنیفہ قدست اسرا ہم

## امام حماد بن نعمان

حضرت امام حماد بن امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بلند پایہ فقیہ، تقوی و پرہیز گاری، فضل وکمال، علم و دانش اور جودسخا میں اپنے والد ماجد کا عکس جمیل تھے۔ حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کی تعلیم و تربیت نہایت اہتمام سے فرمائی، مشہور ہے کہ الحمد کے ختم پر آپ کے معلم کو ایک ہزار درہم عنایت فرمائے۔

ابتدائی تعلیم کے بعد حضرت امام حماد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حدیث وفقہ کی تحصیل والد ماجد سے کی، اور اس میں کمال مہارت پیدا کی۔ جب امام اعظم نے اپنے اس لائق اور ہونہار لخت جگر کو علوم وفنون میں کامل پایا تو مسند افتاء پر متمکن ہونے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ آپ نے نہ صرف فتوی نویسی کے اہم فریضہ کو بڑی خوش اسلوبی سے سرانجام دیا بلکہ تدوین کتب فقہ میں بھی آپ نے نمایاں کردار ادا کیا، اور حضرت امام ابویوسف، حضرت امام محمد، حضرت امام زفر، حضرت امام حسن بن زیاد وغیرہ ارشد تلامذہ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے طبقہ میں شمار ہوئے۔

آپ نہایت متقی ومتورع انسان تھے، جب حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وصال فرمایا تو گھر میں لوگوں کی بہت سی امانتیں ایسی بھی تھیں جن کے مالک مفقود الخبر تھے، آپ نے وہ تمام مال واسباب امانتوں کی صورت میں قاضی وقت کے سامنے پیش کردیا۔

قاضی صاحب نے بہت اصرار کیا کہ ابھی اپنے پاس رہنے دیجئے، آپ امین مشہور ہیں

اور بہتر طریقے سے اس کی حفاظت کر سکتے ہیں، مگر آپ نے قاضی سے اعتذار کرتے ہوئے تمام مال واسباب کی فہرست پیش کردی اور ساتھ ہی فوری عمل درآمد کے لئے کہہ دیا تا کہ ان کے والد ماجد بری الذمہ ہوں، کہتے ہیں کہ جب تک وہ امانتیں قاضی نے کسی اور کے اہتمام میں نہیں دیں، آپ نظر نہیں آئے۔

حضرت امام حماد نے اپنی عمر تعلیم و تعلم میں صرف فرمائی، آپ سے آپ کے بیٹے اسمعیل نے تفقہ کیا جن سے عمرو بن ذر، مالک بن مغول، ابن ابی ذئب، اور قاسم بن معین وغیرہ جلیل القدر فقہا و محدثین فیض یاب ہوئے۔ حضرت امام اسماعیل بن حماد بن امام اعظم پہلے بغداد بعدہ بصرہ اور پھر رقہ کے قاضی مقرر ہوئے۔ احکام قضا، وقائع و نوازل میں ماہر باہر اور عارف بصیر تھے۔ محمد بن عبد اللہ انصاری کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے سے آج تک کوئی قاضی اسمعیل بن حماد سے اعلم نہیں ہوا۔ آپ بہ عہد خلیفہ مامون الرشید ۲۱۲ھ میں جوانی کے عالم میں فوت ہوئے، اسی فرزند ارجمند کے نام سے حضرت امام حماد نے ابو اسمعیل کنیت پائی۔ حضرت امام حماد حضرت قاسم بن معین کی وفات کے بعد کوفہ کے قاضی مقرر ہوئے۔ ماہ ذی القعدہ ۱۷۶ھ میں انتقال فرمایا۔ قطب دنیا ۱۷۶ھ آپ کی تاریخ وفات ہے، آپ نے عمر، اسماعیل ابو حبان و عثمان چار صاحبزادے چھوڑے جو علم و فضل میں یگانہ روزگار تھے۔ تصانیف میں مسند الامام الاعظم آپ کی یادگار ہے۔ (۱)

۞۞۞۞۞۞۞۞۞۞۞۞

# امام ابی یوسف

نام ونسب :۔ نام، یعقوب۔ کنیت، ابو یوسف۔ اور لقب قاضی القضاۃ ہے۔ ولادت ۱۱۳ھ/ ۷۳۱ء علوم ومعارف کے شہر کوفہ میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم کے بعد آپ نے فقہ کو پسند کیا، پہلے حضرت عبد الرحمٰن بن ابی یعلی کی شاگردی اختیار کی ، پھر حضرت امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حلقۂ درس میں آئے اور مستقل طور پر انہیں سے وابستہ ہو گئے۔

والدین نہایت غریب تھے جو آپکی تعلیم کو جاری نہیں رکھنا چاہتے تھے، جب حضرت امام اعظم کو حالات کا علم ہوا تو انہوں نے نہ صرف آپ کے تعلیمی مصارف بلکہ تمام گھر والوں کے اخراجات کی کفالت اپنے ذمہ لے لی۔ حضرت امام ابو یوسف فرمایا کرتے تھے، مجھے امام اعظم سے اپنی ضروریات بیان کرنے کی کبھی حاجت نہیں ہوئی۔ وقتاً فوقتاً خود ہی اتنا روپیہ بھیجتے رہتے تھے کہ میں فکر معاش سے بالکل آزاد ہو گیا۔

## قوت حافظہ اور علم وفضل :

آپ ذہانت کے بحر ذخار تھے، آپکی ذہانت وفطانت بڑے بڑے فضلائے روزگار کے دلوں میں گھر کر گئی تھی۔

ملا جیون صاحب نور الانوار میں فرماتے ہیں:

امام ابو یوسف کو بیس ہزار موضوع احادیث یاد تھیں، پھر صحیح احادیث کے بارے میں تجھے کیا گمان ہے

حافظ ابن عبد البر لکھتے ہیں:

آپ محدثین کے پاس حاضر ہوتے تو ایک ایک جلسہ میں پچاس پچاس اور ساٹھ ساٹھ حدیثیں سن کر یاد کر لیتے تھے۔

امام یحیی ابن معین، امام احمد بن حنبل، اور شیخ علی بن المدینی فرماتے ہیں:

امام اعظم ابوحنیفہ کے شاگردوں میں آپ کا ہم سر نہ تھا۔

طلیحہ ابن محمد کہتے ہیں:

وہ اپنے زمانہ کے سب سے بڑے فقیہ تھے، کوئی ان سے بڑھ کر نہ تھا۔

داؤد بن رشد کا قول ہے:

امام ابوحنیفہ نے صرف یہ ہی ایک شاگرد پیدا کیا ہوتا تو انکے فخر کے لئے کافی تھا۔

امام ابو یوسف کو نہ صرف نقد حدیث پر عبور حاصل تھا بلکہ تفسیر، مغازی، تاریخ عرب، لغت، ادب، اور علم کلام وغیرہ علوم وفنون میں بھی کامل دستگاہ رکھتے تھے۔ یہ ہی وہ فطری ذہانت تھی جس نے چند سال میں آپ کو سارے ہم عصروں میں ممتاز کر دیا تھا اور علماء وقت آپکے تبحر علمی اور جلالت فقہی کے قائل تھے۔ خود امام اعظم آپ کی بڑی قدر ومنزلت فرماتے اور فرمایا کرتے تھے کہ میرے شاگردوں میں سب سے زیادہ جس نے علم حاصل کیا وہ ابو یوسف ہیں۔

**قاضی القضاۃ:** ۱۶۶ھ/۷۸۳ء میں آپ جب بغداد تشریف لائے تو خلیفہ محمد المہدی بن منصور نے آپکو بصرہ کا قاضی مقرر کر دیا۔

ہادی بن مہدی بن منصور کے زمانہ میں بھی آپ اسی عہدہ پر فائز رہے۔ جب ہارون الرشید نے ۱۹۳ھ/ ۸۰۸ء میں عنان حکومت سنبھالی تو اس نے آپ کو تمام سلطنت عباسیہ کا قاضی القضاۃ (چیف جسٹس) مقرر کر دیا۔

موجودہ زمانے کے تصور کے مطابق یہ عہدہ محض عدالت عالیہ کے حاکم اعلی کا نہ تھا بلکہ اس کے ساتھ وزیر قانون کے فرائض بھی اس میں شامل تھے۔ اور سلطنت کے تمام داخلی وخارجی معاملات میں قانونی رہنمائی کرنا بھی آپ کا کام تھا۔ مملکت اسلامیہ میں یہ پہلا موقع تھا کہ یہ منصب قائم ہوا۔ اس سے پہلے کوئی شخص خلافت راشدہ، اموی یا عباسی سلطنتوں میں اس عہدہ پر

فائز نہ ہوا۔ بلکہ زمانہ مابعد میں بھی بجز قاضی داؤد کے اور کسی کو یہ عہدہ تفویض نہ ہوا۔

**عبادت وریاضت:**۔آپ عہدہ قضا اور علمی مشاغل کے باوجود عبادت وریاضت میں بھی بلند مقام رکھتے تھے، آپ خود فرمایا کرتے تھے کہ میں امام اعظم کی خدمت میں انتیس سال رہا اور میری صبح کی نماز با جماعت فوت نہیں ہوئی۔

بشیر بن ولید کا بیان ہے کہ:

امام ابو یوسف کے زہد و ورع اور عبادت وتقوی کا یہ عالم تھا کہ زمانہ قضاء و وزارت میں بھی دوسو رکعتیں نوافل ادا کرتے۔

**تلامذہ:**۔آپ کے شاگردوں میں محمد بن حسن شیبانی، شفیق بن ابراہیم بلخی، امام احمد بن حنبل، بشر بن الولید کندی، محمد بن سماعہ، معلیٰ بن منصور، بشر بن غیاث، علی بن جعدہ، یحیی بن معین، احمد بن منیع، وغیرہ محدثین کبار وفقہائے کرام آفتاب و ماہتاب کی طرح درخشاں تاباں نظر آتے ہیں۔

**وصال:** ۵/ربیع الاول ۱۸۷ھ جمعرات کے روز ظہر کے وقت بغداد شریف میں علم وعرفان کا یہ آفتاب غروب ہو گیا۔ مزار شریف احاطۂ حضرت امام موسیٰ کاظم کے شمالی گوشہ میں زیارت گاہ خاص وعام ہے۔(۲)
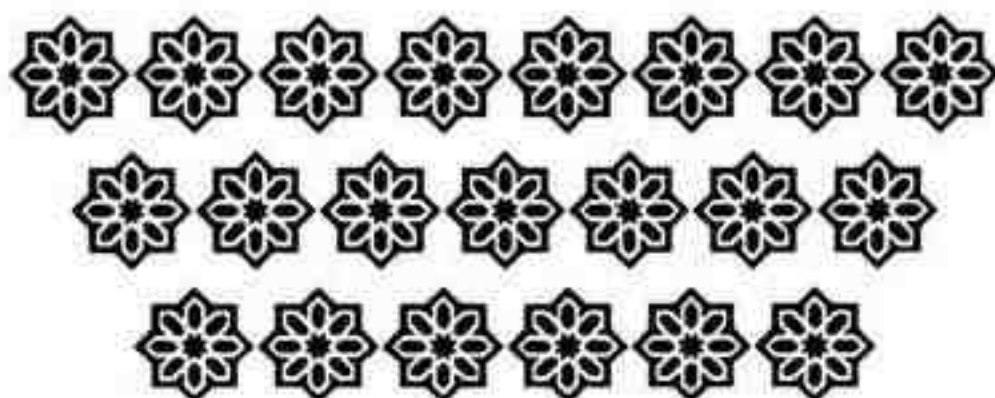
# امام زفر

**نام ونسب :** نام، زفر۔ اور والد کا نام ہذیل ہے، عربی النسل ہیں۔ کوفہ آپ کا وطن تھا۔ والد ماجد اصفہان کے رہنے والے تھے۔ آپ کی ولادت ۱۱۰ھ میں بمقام کوفہ ہوئی۔

**تعلیم وتربیت:**

ابتدائی تعلیم کے بعد حدیث کی تحصیل میں مشغول ہوئے، پھر طبیعت کا میلان فقہ کی طرف ہوا اور فقہ کی عظیم درسگاہ جامع کوفہ میں امام اعظم کی خدمت میں حاضر ہو گئے اور آخر عمر تک یہ ہی مشغلہ رہا۔

فقہ میں صاحبین یعنی امام ابو یوسف اور امام محمد کے ہم پلہ قرار دیئے گئے ہیں اور امام اعظم کے ان دس اصحاب میں ہیں جنہوں نے فقہ کی تدوین میں امام اعظم کی معاونت کی۔

آپ امام اعظم کے محبوب ترین تلامذہ میں تھے۔ یہ آپکی خصوصیت ہے کہ آپ کا نکاح امام اعظم نے پڑھایا۔ آپ پر امام اعظم کو بہت اعتماد تھا۔

حسن بن زیاد کہتے ہیں:

امام زفر مجلس امام اعظم ابو حنیفہ میں سب سے آگے بیٹھتے تھے۔

امام زفر اور امام داؤد طائی ایک ساتھ امام ابو حنیفہ کی خدمت میں حدیث وفقہ کا درس لیتے، دونوں میں بھائی چارہ تھا، پھر امام داؤد طائی علمی مشغلہ سے تصوف کی راہ پر گامزن ہو گئے جبکہ امام زفر علم وعبادت دونوں کے جامع بنے۔

**زہد وریاضت :۔** حدیث وفقہ میں امامت کا درجہ رکھنے کے ساتھ ساتھ زہد وتقوی اور عبادت

وریاضت میں بھی بے مثال تھے، زہد وورع ہی کے پیش نظر آپ نے عہدہ قضا کو قبول نہ کیا جبکہ دو مرتبہ آپ کو اس کام کے لئے مجبور کیا گیا، آپ نے انکار کیا اور وطن چھوڑ کر روپوش ہو گئے۔ حکومت وقت نے انتقاماً آپ کا گھر جلا دیا، چنانچہ آپ کو اپنا مکان دو مرتبہ تعمیر کرنا پڑا۔

**وصال:** آپ اصل کوفہ کے باشندے تھے، مگر بھائی کی میراث کے سلسلہ میں بصرہ چلے گئے، اہل بصرہ نے بصد اصرار یہاں ہی اقامت کا مشورہ دیا اور آپ انکی درخواست پر یہیں مقیم ہو گئے۔

آپ نے ۱۷۸ھ خلیفہ محمد المھدی کے عہد میں یہیں وفات پائی اور یہیں مدفون ہوئے۔(۳)
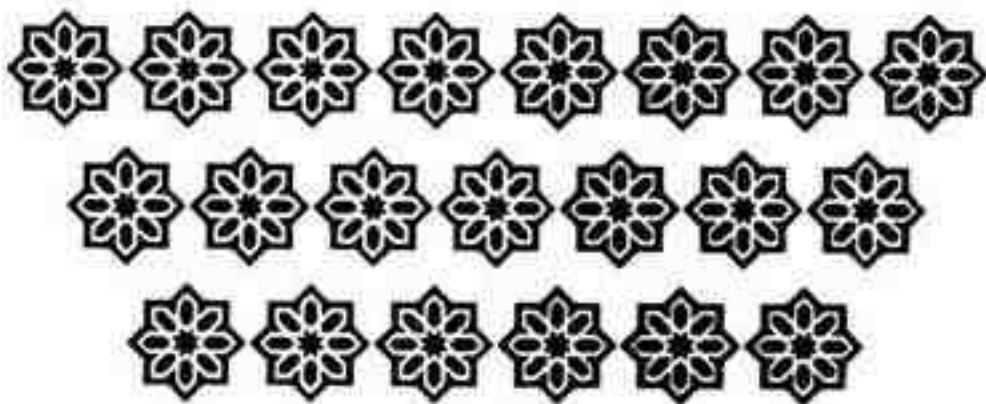
# امام عبداللہ بن مبارک

نام ونسب: نام، عبداللہ۔ والد کا نام مبارک۔ کنیت، ابوعبدالرحمٰن ہے۔ حنظلی تمیمی ہیں، آپکے والد ترکی النسل تھے، اور قبیلہ نبو حنظلہ جو اہل ہمدان سے تعلق رکھتا تھا اسکے آزاد کردہ غلام، آپ کی والدہ خوارزمیہ تھیں۔

والد محترم نے تجارت کا پیشہ اختیار کیا اور اس میدان میں خوب شہرت حاصل کی۔

ولادت وتعلیم: آپ کی ولادت ۱۱۸ھ مرو میں ہوئی، والدین نے اپنے اس ہونہار فرزند کی بڑے اہتمام سے تعلیم وتربیت کی۔

سب سے پہلے حضرت امام اعظم ابوحنیفہ قدس سرہ کے حلقۂ درس میں شامل ہوئے اور فقہ میں عبور حاصل کیا۔

اس کے بعد طلب علم حدیث میں دور دراز مقامات کی سیر کی اور بے شمار ائمہ حدیث سے اکتساب علم کیا۔ آپ کے ذوق علمی میں یہ واقعہ مشہور ہے۔

ایک مرتبہ والد ماجد نے آپ کو پچاس ہزار درہم تجارت کے لئے دیئے تو تمام رقم طلب حدیث میں خرچ کر کے واپس آئے، والد ماجد نے درہموں کی بابت دریافت کیا تو آپ نے جس قدر حدیث کے دفتر لکھے تھے والد کے حضور پیش کر دیئے اور عرض کیا: میں نے ایسی تجارت کی ہے جس سے ہم دونوں کو دونوں جہان کا نفع حاصل ہوگا۔ والد ماجد بہت خوش ہوئے، تیس ہزار درہم اور عنایت کر کے فرمایا: جاؤ علم حدیث اور فقہ کی طلب میں خرچ کر کے اپنی تجارت کامل کرلو۔

## علم وفضل:

ایک مرتبہ بزرگوں کی ایک جماعت کسی مقام پر اکٹھی ہوئی، کسی نے کہا: آؤ حضرت عبداللہ بن مبارک کے کمالات شمار کریں، انہوں نے جواب دیا: بے شمار خوبیوں کے مالک تھے۔ علم فقہ، حدیث، ادب اور نحو، میں ید طولی رکھتے تھے۔ زہد وشجاعت میں لاجواب تھے، نعت گو شاعر اور ادیب تھے۔ شب بیداری، عبادت، حج، جہاد، اور شہسواری میں اپنی نظیر آپ تھے۔ لایعنی باتوں سے اپنا وقت ضائع نہیں کرتے تھے، نہایت منصف مزاج اور رحم دل تھے۔

امام سفیان ثوری فرماتے ہیں:
میں کتنی ہی کوشش کروں کہ سال بھر میں ایک دن حضرت عبداللہ بن مبارک کی طرح گزاروں تو نہیں گزار سکتا۔

شعیب بن حرب کہتے ہیں:
ایک سال یا تین دن بھی پورے سال میں حضرت عبداللہ کی طرح نہیں گزار سکتا۔

نیز فرماتے ہیں:
ابن مبارک جس سے بھی ملے اس سے افضل ہی ثابت ہوئے۔

امام سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں:
صحابہ کرام کو بلا شبہ فضل صحابیت حاصل تھا ورنہ دوسرے خصائل میں آپ کا مقام نہایت بلند ہے۔

سلام بن ابی مطیع کہتے ہیں: مشرق میں ان جیسا پھر کوئی نظر نہ آیا۔

امام ابن معین فرماتے ہیں:
آپ احادیث صحاح کے حافظ تھے، بیس ہزار یا اکیس ہزار احادیث روایت فرماتے ہیں۔

اسمعیل بن عیاش کہتے ہیں:
ابن مبارک جیسا روئے زمین پر کوئی دوسرا نہیں، اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ ہر خوبی کے جامع تھے، فقراء پر جب خرچ فرماتے تو ایک سال میں ایک لاکھ درہم تک خرچ کردیتے تھے۔

ایک مرتبہ حج کے لئے تشریف لئے جارہے تھے، قافلہ والوں کا ایک پرند مر گیا، ایک بستی کے کوڑا خانہ میں لوگوں نے اسے پھینک دیا پھر قافلہ تو آگے بڑھ گیا۔ آپ کچھ دیر سے چلے، دیکھا کہ ایک لڑکی اس مردار پرند کو اٹھا کر لے گئی اور تیز قدم چل کر ایک مکان میں داخل ہو گئی۔ آپ اس کے گھر کی طرف تشریف لے گئے، حال معلوم ہوا اور مردار پرند کو لانے کا سبب پوچھا، اس لڑکی نے کہا: میں اور میرا بھائی یہاں رہتے ہیں، ہمارے پاس کچھ نہیں فقط ستر پوشی کے لئے یہ تہبند ہے، اور اب ہماری خوراک صرف یہ ہی رہ گئی ہے کہ ان گھوروں سے جو چیز بھی مل جائے۔ ہمارے لئے ان حالات میں یہ مردار بقدر ضرورت حلال ہیں، ہمارے والد مالدار تھے، ان پر ظلم ہوا اور قتل کر دیئے گئے اور سارا مال ظالم لے گئے۔

امام ابن مبارک یہ سن کر نہایت متاثر ہوئے، اپنے خازن سے فرمایا: فی الحال زادراہ میں کیا باقی رہا ہے، اس نے عرض کیا: ایک ہزار دینار۔ آپ نے فرمایا: بیس دینار لے لو کہ اپنے وطن مرو تک پہونچنے کے لئے کافی ہیں اور باقی ۹۸۰ دینار اس مظلومہ کو دو۔ اس سال ہمیں حج کے مقابلہ میں یہ اعانت وامداد بہتر ہے اور وہیں سے واپس وطن تشریف لے آئے۔

جب حج کا موسم آتا تو اپنے ساتھیوں سے کہتے: تم میں امسال کون حج کو جانا چاہتا ہے، جو ارادہ رکھتا ہو وہ اپنا زادراہ میرے پاس لاکر جمع کرلے تاکہ میں راستہ میں اس پر خرچ کرتا چلوں، لہذا سب سے دراہم و دنانیر کی تھیلیاں جمع کرتے، ہر تھیلی پر اسکا نام لکھتے اور ایک صندوق میں رکھتے جاتے۔

پھر سب کو ساتھ لیکر نکلتے اور انکے زادراہ کی نسبت زیادہ خرچ کرتے ہوئے انکو ساتھ لیجاتے، جب حج بیت اللہ سے فارغ ہوتے تو پوچھتے: تمہارے گھر والوں نے کچھ یہاں کے تحائف کی فرمائش کی ہے، جسکو جیسی خواہش ہوتی انکو مکی اور یمنی تحائف دلواتے، پھر مدینہ منورہ حاضری دیتے اور وہاں بھی ایسا ہی کرتے۔

جب تمام حجاج کرام واپس ہوتے تو انکو انکے گھر واپس فرماتے اور خود اپنے گھر پہونچ کر سب کی دعوت کرتے، جب دعوت سے فارغ ہوتے تو وہ صندوق منگاتے اور سب کو انکی

تھیلیاں واپس فرماتے، یہ لوگ گھر والوں کو اس حال میں واپس ہوتے کہ سب کی زبانوں پر ہدیہ تشکر ہوتا اور ہمیشہ آپ کے مدح خواں رہتے۔

آپ کی نوازشات کا یہ عالم ہوتا، طرح طرح کے لذیذ کھانے اور حلوے ساتھ رہتے لیکن خود تیز دھوپ اور شدید گرمی میں روزہ دار ہوتے اور لوگوں کو کھلاتے پلاتے ساتھ لیجاتے تھے۔

خلوص نیت پر بہت زور دیتے تھے، آپ کے محامد ومحاسن سے کتابیں بھری پڑی ہیں۔

۱۸۱ھ میں آپ جہاد کے لئے روانہ ہوئے، فتح وکامرانی کے بعد واپس آ رہے تھے کہ قصبہ سوس میں آکر علیل ہوگئے اور چند ایام کی علالت کے بعد وصال ہوگیا۔

دریائے فرات کے کنارے ایک گاؤں ''ہیت'' میں مدفون ہوئے، آپ کا مزار مرجع انام ہے۔

**اساتذہ:** آپ کے اساتذہ کی فہرست نہایت طویل ہے، ان میں سے چند مشاہیر یہ ہیں۔

امام اعظم ابو حنیفہ، سلیمان تیمی، حمید الطّویل، یحیی بن سعید انصاری، سعد بن سعید انصاری، ابراہیم بن علیہ، خالد بن دینار، عاصم الاحول، ابن عون، عیسی بن طہمان، ہشام بن عروہ، سلیمان اعمش، سفیان ثوری، شعبہ بن الحجاج، اوزاعی، ابن جریج، امام مالک، لیث بن سعد، حیوہ بن شریح، خالد بن سعید اموی، سعید بن عروبہ، سعید بن ابی ایوب، عمرو بن میمون، معمر بن راشد، وغیرہم۔

**تلامذہ:** سفیان ثوری، معمر بن راشد، ابو اسحاق فزاری، جعفر بن سلیمان ضبعی، بقیہ بن ولید، داؤد بن عبدالرحمٰن عطار، سفیان بن عیینہ، ابوالاحوص، فضیل بن عیاض، معتمر بن سلیمان، ولید بن مسلم، ابوبکر بن عیاش، مسلم بن ابراہیم، ابواسامہ، نعیم بن حماد، ابن مہدی، قطان، اسحاق بن راہویہ، یحیی بن معین، ابراہیم بن اسحاق طالقانی، احمد بن محمد مردویہ، اسمٰعیل بن ابان وراق، بشر بن محمد سختیانی، حبان بن موسی، حکم بن موسی، سعید بن سلیمان، سلمہ بن سلیمان مروزی۔ (۴)

# امام محمد

**نام ونسب:** نام، محمد۔ کنیت، ابوعبداللہ۔ والد کا نام، حسن ہے اور سلسلہ نسب یوں ہے۔

ابوعبداللہ محمد بن حسن بن فرقد شیبانی۔ شیبانی آپکے قبیلہ کی طرف منسوب ہے۔ بعض محققین کے نزدیک یہ نسبت ولائی ہے کہ آپکے والد بنوشیبان کے غلام تھے۔

آپکے والد کا اصل مسکن جزیرہ شام تھا، دمشق کے قریب حرسا کے رہنے والے تھے، بعد میں ترک وطن کر کے شہر واسط آگئے تھے۔

**ولادت وتعلیم:** آپکی ولادت ۱۳۲ھ میں بمقام شہر واسط (عراق) میں ہوئی پھر آپکے والد نے کوفہ کو اپنا مسکن بنایا اور آپکی تعلیم وتربیت کا آغاز یہاں ہی ہوا۔

چودہ سال کی عمر میں امام اعظم کی خدمت میں حاضر ہوئے مجلس میں آکر امام اعظم کے بارے میں سوال کیا، امام ابویوسف نے آپکی رہنمائی کی آپ نے امام اعظم سے دریافت کیا کہ ایک نابالغ لڑکا عشاء کی نماز پڑھ کر سوجائے اور اسی رات فجر سے پہلے وہ بالغ ہوجائے تو وہ نماز دہرائے گا یا نہیں، امام اعظم نے فرمایا دہرائے گا۔ امام محمد نے اسی وقت اٹھ کر ایک گوشہ میں نماز پڑھی۔ امام اعظم نے یہ دیکھ کر بے ساختہ فرمایا انشاء اللہ یہ لڑکا رجل رشید ثابت ہوگا۔ اس واقعہ کے بعد امام محمد گاہے گاہے امام اعظم کی مجلس میں حاضر ہوتے رہے، کم سن تھے اور بے حد خوبصورت، جب باقاعدہ تلمذ کی درخواست کی تو امام اعظم نے فرمایا پہلے قرآن حفظ کرو پھر آنا۔

سات دن بعد پھر حاضر ہوگئے، امام اعظم نے فرمایا: میں نے کہا تھا کہ قرآن مجید حفظ کر کے پھر آنا عرض کیا: میں نے قرآن کریم حفظ کرلیا ہے۔ امام اعظم نے ان کے والد سے کہا اس کے سر کے بال منڈوادو لیکن بال منڈوانے کے بعد ان کا حسن اور دمکنے لگا۔ ابونواس نے

اس موقع پر یہ اشعار کہے:۔

حلقوا راسه ليكسوه قبحا ☆ غيرة منهم عليه و شحا

كان في وجهه صباح و ليل ☆ نزعوا ليله و ابقوه صبحا

لوگوں نے ان کا سر مونڈ دیا تا کہ ان کی خوبصورتی کم ہو، ان کے چہرہ میں صبح بھی تھی اور رات بھی، رات کو انہوں نے ہٹا دیا صبح تو پھر بھی باقی رہی۔

آپ مسلسل چار سال خدمت میں رہے، پھر امام ابو یوسف سے تکمیل کی۔ انکے علاوہ مسعر بن کدام، اوزاعی، سفیان ثوری اور امام مالک وغیرہ سے علم حدیث میں خوب استفادہ کیا اور کمال حاصل کیا۔

خود فرماتے تھے: مجھے آبائی ترکہ سے تیس ہزار درہم یا دینار ملے تھے جن میں سے آدھے میں نے لغت و شعر کی تحصیل میں خرچ کر ڈالے اور نصف فقہ و حدیث کیلئے۔

**اساتذہ:** آپ نے طلب علم میں کوفہ کے علاوہ مدینہ، مکہ، بصرہ، واسط، شام، خراسان اور یمامہ وغیرہ کے سیکڑوں مشائخ سے علم حاصل کیا، چند مشاہیر کے نام یہ ہیں۔

امام اعظم ابوحنیفہ، امام ابو یوسف، امام زفر، سفیان ثوری، مسعر بن کدام، مالک بن مغول، حسن بن عمارہ، امام مالک، ابراہیم، ضحاک بن عثمان، سفیان بن عیینہ، طلحہ بن عمرو، شعبہ بن الحجاج، ابوا[illegible]ام، امام اوزاعی، عبداللہ بن مبارک، زمعہ بن صالح،

**تلامذہ:** آپکے تلامذہ کی تعداد نہایت وسیع ہے۔ چند یہ ہیں۔

ابو حفص کبیر احمد بن حفص عجلی استاذ امام بخاری۔ موسیٰ بن نصیر رازی، ہشام بن عبیداللہ رازی، ابوسلیمان جوز جانی، ابوعبید القاسم بن سلام، محمد بن سماعہ، معلّٰی بن منصور، محمد بن مقاتل رازی، شیخ ابن جریر، یحییٰ بن معین، ابوزکریا یحییٰ بن صالح، حاظی حمصی، یہ امام بخاری کے شیوخ شام سے ہیں۔ عیسیٰ بن ابان، شداد بن حکیم، امام شافعی جنکو آپ نے اپنا تمام علمی سرمایہ سونپ دیا تھا جو ایک اونٹ کا بوجھ تھا۔

ابوعبید کہتے ہیں: میں نے امام شافعی کو دیکھا کہ امام محمد نے انکو پچاس اشرفیاں دیں

اوراس سے پہلے پچاس روپے دے چکے تھے۔

ابن سماعہ کا بیان ہے: امام محمد نے امام شافعی کیلئے کئی بار اپنے اصحاب سے ایک ایک لاکھ روپے جمع کر کے دیئے۔

امام مزنی فرماتے تھے: امام شافعی سے منقول ہے کہ ایک دفعہ میں عراق میں قرضہ کی وجہ سے محبوس ہو گیا، امام محمد کو معلوم ہوا تو مجھے چھڑالیا۔

یہ ہی وجہ تھی کہ امام شافعی امام محمد کی نہایت تعظیم وتوقیر کرتے اور واضح الفاظ میں احسانات کا اظہار کرتے تھے، فرماتے۔

فقہ کے بارے میں مجھ پر زیادہ احسان محمد بن حسن کا ہے۔

حافظ سمعانی نے امام شافعی کا یہ قول نقل کیا۔

اللہ تعالیٰ نے دو شخصوں کے ذریعہ میری معاونت فرمائی۔ سفیان بن عیینہ کے ذریعہ حدیث میں اور امام محمد کے ذریعہ فقہ میں۔

علامہ کردری نے امام شافعی کا یہ قول نقل کیا کہ:

علم اور اسباب دنیوی کے اعتبار سے مجھ پر کسی کا بھی اتنا بڑا احسان نہیں جس قدر امام محمد کا ہے۔

آپکے دوسرے عظیم شاگرد اسد بن الفرات ہیں، خصوصی اوقات میں آپ نے انکی تعلیم وتربیت کی۔ ساری ساری رات انکو تنہا لیکر بیٹھتے، پڑھاتے اور مالی امداد بھی کرتے تھے، جب پڑھ لکھ کر فاضل ہو گئے تو امام محمد کی روایت سے امام اعظم کے مسائل، اور ابن قاسم کی روایت سے امام مالک کے مسائل پر مشتمل ٦٠ کتابوں کا ایک مجموعہ مرتب کیا جس کا نام اسدیہ رکھا۔ علماء مصر نے اس مجموعہ کی نقل لینا چاہی اور قاضی مصر کے ذریعہ سفارش کی، آپ نے اسکی اجازت دیدی اور چمڑے کے تین سو ٹکڑوں پر اسکی نقل کرائی گئی جو ابن القاسم کے پاس رہی۔ بعد کے مدونہ نسخوں کی اصل بھی یہ ہی اسدیہ ہے۔

امام محمد کے پاس مال کی اتنی فراوانی تھی کہ تین سو منیم مال کی نگرانی کیلئے مقرر تھے۔ لیکن

آپ نے اپنا تمام مال و متاع محتاج طلبہ پر خرچ کردیا یہاں تک کہ آپکے پاس لباس بھی معمولی رہ گیا تھا۔

## معمولات زندگی:

آپ راتوں کونہیں سوتے تھے، کتابوں کے ڈھیر لگے رہتے۔ جب ایک فن کی کتابوں سے طبیعت گھبراتی تو دوسرے فن کا مطالعہ شروع کردیتے تھے، جب راتوں کو جاگتے اور کوئی مسئلہ حل ہوجاتا تو فرماتے، بھلا شاہزادوں کو یہ لذت کہاں نصیب ہوسکتی۔

امام شافعی فرماتے ہیں: ایک مرتبہ میں نے آپکے یہاں قیام کیا، اور صبح تک نماز پڑھتا رہا، لیکن امام محمد رات بھر پہلو پر لیٹے رہے اور صبح ہونے پر یونہی نماز میں شریک ہوگئے۔ مجھے یہ بات کھٹکی تو میں نے عرض کیا، آپ نے فرمایا: کیا آپ یہ سمجھ رہے ہیں کہ میں سوگیا تھا، نہیں میں نے کتاب اللہ سے تقریباً ایک ہزار مسائل کا استنباط کیا ہے۔ تو آپ نے رات بھراپنے لئے کام کیا اور میں نے پوری امت کیلئے۔

محمد بن مسلمہ کا بیان ہے، کہ آپ نے عموماًرات کے تین حصے کردیئے تھے، ایک سونے کیلئے، ایک درس کیلئے اور ایک عبادت کیلئے۔

کسی نے آپ سے کہا: آپ سوتے کیوں نہیں ہیں۔ فرمایا: میں کس طرح سوجاؤں جبکہ مسلمانوں کی آنکھیں ہم لوگوں پر بھروسہ کرکے سوئی ہوئی ہیں۔

## فضل وکمال:

امام شافعی فرماتے ہیں: اگر میں کہنا چاہوں کہ قرآن مجید محمد بن حسن کی لغت پر اترا ہے تو میں یہ بات امام محمد کی فصاحت کی بنیاد پر کہہ سکتا ہوں۔ نیز یہود و نصاریٰ امام محمد کی کتابوں کا مطالعہ کرلیں تو ایمان لے آئیں۔ فرماتے ہیں: میں نے جس شخص سے بھی کوئی مسئلہ پوچھا تو اس کی تیوری پر بل آگئے مگر امام محمد سے جب بھی کوئی مسئلہ پوچھا تو آپ نے نہایت خندہ پیشانی سے وہ مسئلہ سمجھایا۔

امام احمد بن حنبل سے کسی نے پوچھا۔

یہ مسائل دقیقہ آپ نے کہاں سے سیکھے تو فرمایا: امام محمد کی کتابوں سے۔

ابن اثم نے یحیی بن صالح سے کہا، تم امام مالک اور امام محمد دونوں کی خدمت میں رہے ہو، بتاؤ ان دونوں میں کون زیادہ فقیہ تھا، تو آپ نے بلاتردد جواب دیا، امام محمد۔

ربیع بن سلیمان کہتے ہیں۔

میں نے محمد بن حسن سے زیادہ کوئی صاحب عقل نہیں دیکھا۔

**جرأت واستقلال:** امام محمد بے حد غیور اور مستقل مزاج تھے، اقتدار وقت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر گفتگو کرتے اور اظہار حق کے راستے میں کوئی چیز ان کیلئے رکاوٹ نہیں بنتی تھی۔ ایک دفعہ خلیفہ ہارون رشید کی آمد پر سب لوگ کھڑے ہوگئے محمد بن حسن بیٹھے رہے۔ کچھ دیر بعد خلیفہ کے نقیب نے محمد بن حسن کو بلایا ان کے شاگرد اور احباب سب پریشان ہوگئے کہ نہ جانے شاہی عتاب سے کس طرح خلاصی ہوگی۔ جب آپ خلیفہ کے سامنے پہنچے تو اس نے پوچھا کہ فلاں موقع پر تم کھڑے کیوں نہیں ہوئے، فرمایا کہ جس طبقہ میں خلیفہ نے مجھے قائم کیا ہے میں نے اس سے نکلنا پسند نہیں کیا۔ آپ کی تعظیم کیلئے قیام کر کے اہل علم کے طبقہ سے نکل کر اہل خدمت کے طبقہ میں داخل ہونا مجھے مناسب نہیں تھا۔ پھر کہا: آپ کے ابن عم یعنی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اس بات کو پسند کرتا ہو کہ آدمی اس کی تعظیم کیلئے کھڑے رہیں وہ اپنا مقام جہنم میں بنائے۔ حضور کی مراد اس سے گروہ علماء ہے پس جو لوگ حق خدمت اور اعزاز شاہی کے خیال سے کھڑے رہے انہوں نے دشمن کیلئے ہیبت کا سامان مہیا کیا اور جو بیٹھے رہے انہوں نے سنت اور شریعت پر عمل کیا جو آپ ہی کے خاندان سے لی گئی ہے اور جس پر عمل کرنا آپ کی عزت اور کرامت ہے۔ ہارون رشید نے سن کر کہا سچ کہتے ہو۔

**عہدہ قضاء:** امام ابو یوسف کو فقہ حنفی کی ترویج اور اشاعت کا بے حد شوق تھا وہ چاہتے تھے کہ ملک کا آئین فقہ حنفی کے مطابق ہو۔ اس لئے انہوں نے ہارون رشید کی درخواست پر قاضی القضاء (چیف جسٹس) کا عہدہ قبول کرلیا تھا، کچھ عرصہ بعد ہارون رشید نے شام کے علاقہ کیلئے امام محمد کا بحیثیت قاضی تقرر کیا، امام محمد کو علم ہوا تو وہ امام ابو یوسف کے پاس گئے اور اعتذار کیا

اور درخواست کی کہ مجھے اس آزمائش سے بچایئے، امام ابو یوسف نے مسلک حنفی کی اشاعت کے پیش نظر ان سے اتفاق نہیں کیا۔ وہ ان کو یحییٰ برمکی کے پاس لے گئے یحییٰ نے ان کو ہارون رشید کے پاس بھیج دیا۔ اس طرح مجبور ہو کر ان کو عہدہ قضاء قبول کرنا پڑا۔

## حق گوئی و بے باکی:

امام محمد اپنے احباب اور ارکان دولت کے اصرار کی بناء پر عہدہ قضاء پر متمکن ہوئے۔ جتنا عرصہ قاضی رہے بے لاگ فیصلے کرتے رہے لیکن قدرت کو ان کی آزمائش مقصود تھی۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ یحییٰ بن عبداللہ نامی ایک شخص کو خلیفہ پہلے امان دے چکا تھا۔ بعد میں کسی وجہ سے خلیفہ اس پر غضب ناک ہوا اور اس کو قتل کرنا چاہا۔ اپنے اس مذموم فعل پر خلیفہ قضاۃ کی تائید چاہتا تھا تا کہ اسکے فعل کو شرعی جواز کا تحفظ حاصل ہو جائے۔ خلیفہ نے تمام قاضیوں کو دربار میں طلب کیا سب نے خلیفہ کے حسب منشاء نقض امان کی اجازت دیدی لیکن امام محمد نے اس سے اختلاف کیا اور برملا فرمایا: یحییٰ کو جو امان دی جا چکی ہے وہ صحیح ہے اور اس امان کو توڑنے اور یحییٰ کے خون کی اباحت پر کوئی شرعی دلیل نہیں ہے لہذا اس کو قتل کرنا کسی طرح جائز نہیں ہے۔ انکی حق گوئی سے مزاج شاہی برہم ہو گیا لیکن جن کی نظر میں منشا الوہیت ہوتا ہے وہ کسی اور مزاج کی پرواہ نہیں کرتے، دلوں میں اس قہار حقیقی کا خوف رکھتے ہیں وہ مخلوق کی ناراضگی کو کبھی خاطر میں نہیں لاتے۔ امام محمد اپنے اس فیصلہ کے ردعمل کو قبول کرنے کیلئے تیار تھے۔ چنانچہ اس اظہار حق کی پاداش میں نہ صرف یہ کہ آپ کہ عہدۂ قضاء سے ہٹایا گیا اور افتاء سے روکا گیا بلکہ کچھ عرصہ کیلئے آپ کو قید میں بھی محبوس کیا گیا۔

**عہدۂ قضاء پر بحالی:** امام محمد کے عہدہ قضاء سے سبکدوش ہونے کے کچھ عرصہ بعد ہارون رشید کی بیوی ام جعفر کو کسی جائیداد کے وقف کرنے کا خیال آیا اس نے امام محمد سے وقف نامہ تحریر کرنے کی درخواست کی آپ نے فرمایا مجھے افتاء سے روک دیا گیا ہے اس لئے معذور ہوں۔ ام جعفر نے اس سلسلہ میں ہارون رشید سے گفتگو کی جس کے بعد اس نے نہ صرف آپ کو افتاء کی اجازت دی بلکہ انتہائی اعزاز واکرام کے ساتھ آپ کو قاضی القضاۃ کا عہدہ پیش کر دیا۔

**تصانیف**: امام محمد کی تمام زندگی علمی مشاغل میں گذری۔ آئمہ حنفیہ میں انہوں نے سب سے زیادہ کتابیں تصنیف کیں، مولانا عبدالحی لکھنوی اور مولانا فقیر محمد جہلمی نے لکھا ہے کہ انہوں نے نوسو ننانوے کتابیں لکھی ہیں اور اگر ان کی عمر وفا کرتی تو وہ ہزار کا عدد پورا کر دیتے۔ بعض محققین کا یہ بھی خیال ہے کسی موضوع پر جو کتاب لکھی جاتی ہے اس میں متعدد مسائل کو مختلف عنوانات پر تقسیم کر دیا جاتا ہے، جیسے کتاب الطہارۃ، کتاب الصلوۃ، کتاب الصوم وغیرہ پس جن لوگوں نے ۹۹۹ کا عدد لکھا ہے وہ ان کی تصانیف کے تمام عنوانوں کے مجموعہ کے اعتبار سے لکھا ہے، بہر حال ان کی تصانیف کی جو تفصیل دستیاب ہو سکی وہ اس طرح ہے۔

**مؤطا امام محمد**: حدیث میں یہ امام محمد کی سب سے پہلی تصنیف ہے۔ اس کتاب میں انہوں نے زیادہ تر امام مالک سے سنی ہوئی روایات کو جمع کیا ہے۔ بستان المحدثین میں شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے مؤطا کے سولہ نسخے ذکر کئے ہیں لیکن آج دنیا میں صرف دو نسخے مشہور ہیں۔ ایک امام محمد کی روایت کا مجموعہ جس کو مؤطا امام محمد کہتے ہیں اور دوسرا یحیی بن یحیی مصمودی کا نسخہ جو مؤطا امام مالک کے نام سے مشہور ہے۔ لیکن مؤطا امام محمد، مؤطا امام مالک سے چند وجوہ پر فوقیت رکھتی ہے۔

اولاً یہ کہ امام محمد یحیی بن یحیی سے علم حدیث میں زیادہ بصیرت اور فقہ میں ان سے بڑھ کر مہارت رکھتے تھے۔

ثانیاً:۔ مؤطا کی روایت میں یحیی بن یحیی سے متعدد جگہ غلطیاں واقع ہوئیں۔ چنانچہ خود مالکی محدث شیخ محمد عبدالباقی زرقانی نے انکے بارے میں لکھا ہے۔ قلیل الحدیث له اوھام، 'انکو اکثر وہم لاحق ہوئے تھے اور حدیث میں وہ بہت کم معرفت رکھتے تھے۔ اور امام محمد کے بارے میں ذہبی جیسے شخص کو بھی اعتراف کرنا پڑا، وکان من بحور العلم و الفقه قویا فی ماروی عن مالك ' امام محمد علم کے سمندر تھے اور امام مالک سے روایت کرنے میں وہ بہت قوی تھے۔

ثالثاً: یحیی بن یحیی کو امام مالک سے پوری مؤطا کے سماع کا موقع نہ مل سکا۔ کیونکہ جس

سال وہ امام کی خدمت میں حاضر ہوئے اسی سال امام مالک کا وصال ہو گیا۔اسی وجہ سے وہ موطا امام مالک میں احادیث "عن مالك" کے صیغہ سے روایت کرتے ہیں۔ برخلاف امام محمد کے کہ وہ تین سال سے زیادہ عرصہ امام مالک کی خدمت میں رہے اور موطا کی تمام روایات کا انہوں نے امام مالک سے براہ راست سماع کیا ہے، اسی وجہ سے وہ "اخبرنا مالك" کے صیغہ کے ساتھ موطا میں احادیث روایت کرتے ہیں۔اس کتاب میں امام محمد ترجمۃ الباب کے بعد سب سے پہلے امام مالک کی روایت کا ذکر کرتے ہیں۔اور اگر مسلک حنفی اس روایت کے مطابق ہو تو اس کے بعد "به ناخذ" فرماتے ہیں اور اگر اس روایت کا ظاہر مسلک حنفی کے خلاف ہو تو اس کی توجیہ ذکر کر کے مسلک حنفی کے تائید میں احادیث اور آثار وارد کرتے ہیں اور بسا اوقات دوسرے آئمہ فتوی کے اقوال بھی ذکر کرتے ہیں۔چونکہ اس کتاب میں امام محمد نے امام مالک کے علاوہ دوسرے مشائخ کی روایات بھی ذکر کی ہیں۔اسی لئے یہ کتاب امام مالک کی طرف منسوب ہونے کے بجائے امام محمد کی طرف منسوب ہوگئی۔موطا امام محمد میں کل ایک ہزار ایک سو اسی احادیث ہیں جن میں ایک ہزار پانچ احادیث امام مالک سے مروی ہیں اور ایک سو پچھتر دوسرے شیوخ سے۔ سترہ امام ابوحنیفہ سے اور چار امام ابو یوسف سے مروی ہیں۔اس کتاب کی بعض احادیث کے طرق اور اسانید پر اگرچہ جرح کی گئی ہے لیکن ان کی تائید اور تقویت دوسری اسانید سے ہو جاتی ہے۔

**کتاب الآثار:** حدیث میں یہ امام محمد کی دوسری تصنیف ہے۔اس کتاب میں امام محمد نے احادیث سے زیادہ آثار کو جمع کیا ہے۔غالباً اسی وجہ سے انکی یہ تصنیف کتاب الآثار کے نام مشہور ہوگئی۔اس کتاب میں ایک سو چھ احادیث اور سات سو اٹھارہ آثار ہیں۔ان کے علاوہ اس میں انہوں نے امام اعظم کے اقوال کا بھی ذکر کیا ہے۔

**کتاب الحج:**

اس کتاب میں بھی امام محمد نے احادیث کو جمع کیا ہے۔امام مالک اور بعض دوسرے علماء مدینہ سے امام محمد کو فقہی اختلاف تھا۔انہوں نے اپنے مؤقف کو احادیث اور آثار کی روشنی

میں ثابت کرنے کیلئے اس کتاب کوتالیف کیا۔اس کتاب کے متعدد قلمی نسخے مدینہ منورہ کے کتب خانوں میں موجود ہیں۔

حدیث میں بھی اگر چہ امام محمد نے چند کتابیں تالیف فرمائی ہیں لیکن ان کا اصل موضوع فقہ ہے، اوراس سلسلے میں انہوں نے اہم خدمات انجام دی ہیں۔امام محمد کی فقہی تصنیفات کی دو قسمیں کی جاتی ہیں۔ایک ظاہر الروایۃ اور دوسری نوادر۔ظاہر الروایۃ امام محمد کی ان کتابوں کو کہا جاتا ہے جن کے بارے میں تواتر سے ثابت ہے کہ امام محمد کی تصانیف میں یہ چھ کتابیں ہیں ۔مبسوط، زیادات، جامع صغیر، جامع کبیر، سیر صغیر اور سیر کبیر۔اور نوادر امام محمد کی ان تصانیف کو کہا جاتا ہے جن کا امام محمد کی طرف منسوب ہونا تواتر سے ثابت نہیں۔

مبسوط۔علم فقہ میں امام محمد کی سب سے ضخیم تصنیف ہے، یہ کتاب چھ جلدوں میں تین ہزار صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔اس میں دس ہزار سے زیادہ مسائل مذکور ہیں۔اس کتاب کے متعدد نسخے ہیں، مشہور نسخہ وہ ہے جو ابوسلیمان جوزجانی سے مروی ہے۔امام شافعی نے اس کو حفظ کرلیا تھا ۔ایک غیر مسلم اہل کتاب اس کو پڑھ کر مسلمان ہوگیا اور کہنے لگا کہ جب محمد اصغر کی کتاب ایسی ہے تو محمد اکبر کی کتاب کی کیا شان ہوگی۔( کشف الظنون ج ۲ ص ۱۰۸۱) مصر اور اسنبول کے کتب خانوں میں اس کے متعدد قلمی نسخے موجود ہیں۔

**الجامع الکبیر:** فقہ کے موضوع پر یہ امام محمد کی دوسری کتاب ہے، اس میں مسائل فقہیہ کو دلائل عقلیہ سے ثابت کیا ہے۔نیز اس کتاب کی عربی بھی بے حد بلیغ ہے۔جس طرح یہ کتاب فقہی طور پر حجت تسلیم کی جاتی ہے اسی طرح اسکی عربیت بھی زبان وبیان کے اعتبار سے حجت مانی جاتی ہے۔اس کتاب کی متعدد شروح لکھی گئی ہیں حاجی خلیفہ نے پچاس سے زیادہ اس کی شروح کا ذکر کیا ہے۔اس کتاب کے متعدد راوی ہیں۔اور اس کے قلمی نسخے استنبول کے کتب خانوں میں موجود ہیں۔

**الجامع الصغیر:** فقہ میں امام محمد کی یہ تیسری تصنیف ہے اس کتاب میں ۱۵۳۶ مسائل ہیں جن میں سے دو کے سوا باقی تمام مسائل کی بنیاد احادیث اور آثار پر رکھی ہے باقی دو مسئلوں کو قیاس

سے ثابت کیا ہے۔اس کتاب کی وجہ تالیف یہ ہے کہ امام ابو یوسف نے امام محمد سے فرمائش کی کہ وہ امام اعظم کے ان مسائل کو جمع کریں جو امام محمد نے امام ابو یوسف کی وساطت سے سماع کئے ہیں۔جب یہ کتاب امام محمد نے لکھ کر امام ابو یوسف پر پیش کی تو وہ بے حد خوش ہوئے اور باوجود اپنی جلالت علمی کے سفر وحضر میں ہر جگہ اس کو اپنے ساتھ رکھتے تھے۔اس کتاب کے مسائل کی تین قسمیں ہیں۔پہلی قسم میں وہ مسائل ہیں جن کا ذکر امام محمد کی دوسری کتب میں نہیں ہے ۔دوسری قسم میں وہ مسائل ہیں جن کا ذکر دوسری کتب میں ہے لیکن یہ تصریح نہیں ہے کہ امام ابو حنیفہ کا قول ہے یا نہیں، یہاں پر اس بات کی تصریح کر دی ہے۔تیسری قسم میں وہ مسائل ہیں جن کا محض اعادہ کیا ہے مگر وہ بھی تغییر عبارت کی وجہ سے افادہ سے خالی نہیں۔عہدۂ قضاء کیلئے اس کتاب کا مطالعہ ضروری خیال کیا جاتا تھا۔اس کی تیس سے زیادہ شروح لکھی گئی ہیں (کشف الظنون ج ا ص ۵۶۱) متاخرین میں سے ایک شرح مولانا عبدالحی لکھنوی نے لکھی ہے اور اس کے شروع میں مبسوط مقدمہ "النافع الکبیر لمن یطالع الجامع الصغیر" کے نام سے تحریر کیا ہے۔جس میں اس کتاب کی تمام خصوصیات اور اس کی شروح کا ذکر کیا ہے۔

**السیر الصغیر**: علم فقہ میں امام محمد کی یہ چوتھی تصنیف ہے۔امام اعظم نے اپنے تلامذہ کو سیر ومغازی کے باب میں جو کچھ املا کرایا یہ اس کا مجموعہ ہے۔

**السیر الکبیر**۔فقہ کے موضوع پر یہ امام محمد کی پانچویں تصنیف ہے۔امام اوزاعی نے سیر صغیر کا تعاقب کیا اور اس کے جواب میں امام محمد نے سیر کبیر کو تالیف کیا، سیر ومغازی کے موضوع پر یہ ایک انتہائی مفید کتاب شمار کی جاتی ہے۔اس کتاب میں جہاد وقتال اور امن وصلح کے مواقع اور طرق بیان کئے ہیں۔غیر مسلم اقوام سے مسلمانوں کے تعلقات ان کے حقوق وفرائض اور تجارتی اور عام معاملات پر سیر حاصل بحث کی ہے۔اسلام کے بین الاقوامی نقطۂ نظر کو سمجھنے کیلئے اس کتاب کا مطالعہ بہت ضروری ہے۔

یہ کتاب امام محمد کی انتہائی اہم اور ادق کتاب شمار جاتی ہے، قوت استدلال اور دقت بیان کے اعتبار سے یہ کتاب انکی دیگر تمام کتب میں ممتاز ہے۔ہارون الرشید کو اس کتاب سے

اس درجہ دلچسپی تھی کہ اس نے اپنے دونوں لڑکوں امین اور مامون کو اس کا سماع کرایا۔ اس کتاب کی متعدد شروح لکھی جا چکی ہیں جن میں سب سے زیادہ شہرت امام سرخسی کی شرح کو حاصل ہوئی ، یہ شرح مع متن کے حیدر آباد دکن سے چھپ چکی ہے۔

**زیادات:** ظاہر الروایۃ میں امام محمد کی یہ چھٹی تصنیف ہے جو کہ سیر صغیر سیر کبیر کے تتمہ کے حکم میں ہے۔ کیونکہ سیر اور مواضع کہ جو مسائل ان دو کتابوں میں رہ گئے تھے ان کا اس کتاب میں ذکر کر دیا گیا ہے۔ اس کے قلمی نسخے استنبول کی لائبریریوں میں موجود ہیں۔

فقہ سے متعلق امام محمد کی ان چھ کتابوں کو ظاہرہ الروایہ کہا جاتا ہے۔ امام محمد بن محمد حاکم شہید متوفی ۳۳۴ھ نے مبسوط جامع صغیر اور جامع کبیر سے مکرر مسائل اور مطول عبارات کو حذف کر کے ایک مختصر متن تیار کیا اور اسکا نام "الکافی فی فروع الحنفیہ" رکھا۔ ایک مرتبہ انہیں خواب میں امام محمد کی زیارت ہوئی فرمایا تم نے میری کتابوں کے ساتھ کیا کیا ہے؟ انہوں نے کہا: میں نے فقہاء کو متساہل اور کسل مند پایا اس لئے مطول اور مکرر امور کو حذف کر دیا۔ امام محمد نے جلال میں آکر فرمایا جس طرح تم نے میری کتابوں میں کانٹ چھانٹ کی ہے اللہ تعالیٰ تمہاری بھی ایسی ہی کانٹ چھانٹ کریگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا مرد کے لشکر نے آپ کو قتل کر دیا پھر آپ کے جسم کے دو ٹکڑے کر کے درخت پر لٹکا دیا۔ حدائق حنفیہ ص ۱۷۰

امام حاکم شہید کی الکافی کی متعدد علماء نے شروح لکھیں لیکن سب سے زیادہ شہرت شمس الائمہ محمد بن احمد سرخسی متوفی ۴۸۳ھ کی شرح مبسوط کو حاصل ہوئی۔ یہ کتاب تیس اجزاء پر مشتمل ہے اور مصنف نے اس شرح کو قید خانے میں بغیر کسی مطالعہ کے فی البدیہہ املا کرایا ہے۔ فقہ حنفی میں یہ کتاب اصول کا درجہ رکھتی ہے اور ہدایہ وغیرہ میں جب مطلقاً مبسوط کا لفظ آتا ہے تو اس سے مراد یہی مبسوط سرخسی ہوتی ہے۔

**دیگر کتب:**

ظاہر الروایۃ کے علاوہ امام محمد نے فقہ کے موضوع پر متعدد کتب تصنیف فرمائی ہیں جن کا احصاء مشکل ہے۔ چند کتابوں کا ذکر ہم ہدایۃ العارفین کے حوالے سے کر رہے ہیں۔ (۱)

الاحتجاج علی مالک (۲) الاکتساب فی الرزق المستطاب (۳) الجرجانیات (۴) الرقیات فی المسائل (۵) عقائد الشیبانیہ (۶) کتاب الاصل فی الفروع (۷) کتاب الاکراہ (۸) کتاب الحیل (۹) کتاب السجلات (۱۰) کتاب الشروط (۱۱) کتاب الکسب (۱۲) کتاب النوادر (۱۳) الکیسانیات (۱۴) مناسک الحج (۱۵) انوار الصیام (۱۶) الہارونیات اور بہت سی کتابیں۔

**سانحہ وصال:** امام محمد نے اٹھاون سال عمر گزاری اور عمر کا بیشتر حصہ فقہی تحقیقات اور مسائل کے استنباط اور اجتہاد میں گذارا۔ جب دوبارہ عہدۂ قضا پر بحال ہوئے اور قاضی القضاۃ مقرر ہوئے تو ان کو ایک مرتبہ ہارون الرشید اپنے ساتھ سفر پر لے گیا، وہاں رے کے اندر نبویہ نامی ایک بستی میں آپ کا وصال ہوگیا۔ اسی سفر میں ہارون کے ساتھ نحو کے مشہور امام کسائی بھی تھے اور اتفاق سے اسی دن یا دو دن بعد ان کا بھی انتقال ہوگیا۔ ہارون الرشید کو ان دونوں ائمہ فن کے وصال کا بے حد ملال ہوا اور اس نے افسوس سے کہا آج میں نے فقہ اور نحو دونوں کو ''رے'' میں دفن کر دیا۔

روایت ہے کہ بعد وصال کسی نے خواب میں دیکھ کر پوچھا کہ آپ کا نزع کے وقت کیا حال تھا۔ آپ نے فرمایا میں اس وقت مکاتب کے مسائل میں سے ایک مسئلہ پر غور کر رہا تھا مجھ کو روح نکلنے کی کچھ خبر نہیں ہوئی۔

خطیب بغدادی نے امام محمد کے تذکرہ کے اخیر میں محمویہ نامی ایک بہت بڑے بزرگ جن کا شمار ابدال میں کیا جاتا ہے، سے ایک روایت نقل ہے وہ فرماتے ہیں: میں نے محمد بن حسن کو ان کے وصال کے بعد خواب میں دیکھا تو پوچھا اے ابو عبداللہ! آپ کا کیا حال ہے؟ کہا اللہ نے مجھ سے فرمایا اگر تمہیں عذاب دینے کا ارادہ ہوتا تو میں تمہیں یہ علم نہ عطا کرتا، میں نے پوچھا اور ابو یوسف کا کیا حال ہے فرمایا مجھ سے بلند درجہ میں ہیں۔ پوچھا اور ابو حنیفہ؟ کہا وہ ہم سے بہت زیادہ بلند درجوں پر فائز ہیں۔ (۵)

# امام داؤد طائی

**نام ونسب:** نام، داؤد۔ کنیت، ابوسفیان۔ والد کا نام نصیر ہے۔ طائی کوفی ہیں اور فقیہ زاہد کے لقب سے مشہور ہیں۔

**تعلیم وتربیت:**

ابتدائی تعلیم کے بعد سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ کی درسگاہ میں داخل ہوئے اور بیس سال تک اکتساب علم میں مشغول رہے۔ ارشد تلامذہ میں شمار ہوتے تھے۔

**عبادت وریاضت:** حدیث وفقہ حاصل کرنے کے بعد تارک الدنیا ہو گئے تھے، اہل تصوف میں سید السادات اور بے مثل صوفی مانے گئے ہیں۔ حضرت حبیب بن سلیم راعی سے بیعت ہوئے، پوری زندگی نہایت سادگی کے ساتھ بے سروسامانی کے عالم میں گزاری، زہد وقناعت کا یہ عالم تھا کہ وراثت میں بیس دینار ملے تھے جنکو بیس سال میں خرچ کیا۔

عطا بن مسلم کہتے ہیں:

ہم جب آپ کے مکان پر آپ سے ملاقات کے لئے گئے تو انکے یہاں بچھانے کے لئے ایک چٹائی، تکیہ کے لئے ایک اینٹ، ایک تھیلا جس میں خشک روٹی کے چند ٹکڑے اور وضو کے لئے ایک لوٹا تھا۔

**اساتذہ:** امام اعظم ابوحنیفہ، عبدالملک بن عمیر، اسمعیل بن خالد، حمید الطویل، سعد بن سعید انصاری، ابن ابی لیلی، امام اعمش۔

**تلامذہ:** عبداللہ بن ادریس، سفیان بن عیینہ، ابن علیہ، مصعب بن مقدام، اسحاق بن منصور

سلولی، امام وکیع، ابونعیم، وغیرہم، ۔

**وصال:** ایک دن ایک صالح شخص نے خواب دیکھا کہ آپ دوڑ رہے ہیں۔ پوچھا کیا بات ہے؟ جواب میں ارشاد فرمایا: ابھی ابھی قید خانہ سے چھٹکارا پا کر آ رہا ہوں، وہ صالح شخص بیدار ہوا تو اسے پتہ چلا کہ حضرت امام داؤد طائی وصال فرما چکے ہیں۔

ابونعیم نے آپ کا سنہ وصال ۱۶۰ ہجری بیان کیا ہے۔لیکن ابن نمیر نے کہا کہ آپ کا وصال ۱۶۵ھ میں ہوا۔

زیب عالم (۱۶۵) مادۂ تاریخ سے اس قول کی تصدیق ہوتی ہے۔(۲)
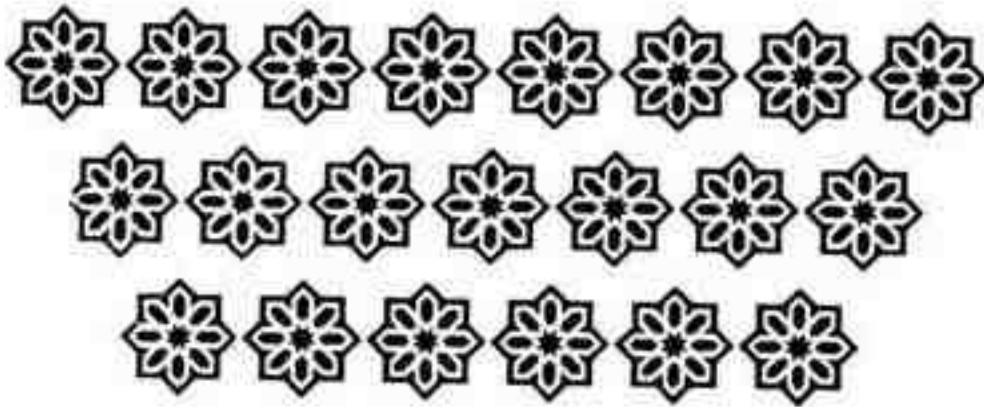
# فضیل بن عیاض

**نام ونسب:** نام، فضیل۔ والد کا نام، عیاض۔ کنیت ابو علی ہے تیمی یر بوعی خراسانی ہیں۔

**تعلیم وتربیت:**۔ ابتدائی تعلیم کے بعد کچھ عرصہ یونہی گزرا اور پھر جوانی کے عالم میں امام اعظم ابوحنیفہ کی خدمت میں حاضر ہو کر تعلیم پائی۔ دیگر محدثین سے علم حدیث حاصل کیا اور مسند حدیث بند کر کے مکہ مکرمہ چلے گئے اور بیت اللہ شریف کی مجاورت اختیار فرمائی۔

**واقعہ توبہ:** فضل بن موسی آپکی نوجوانی کا واقعہ یوں بیان کرتے ہیں کہ آپ ابیورد اور سرخس کے درمیان راستہ میں ڈاکہ زنی کرتے تھے، جس سے لوگوں میں نہایت خوف وہراس کا ماحول پیدا ہو گیا تھا۔

کسی لڑکی پر اسی دوران عاشق ہو گئے، رات کو دیوار پر چڑھ کر اسکے گھر میں داخل ہونا چاہتے تھے کہ کسی طرف سے تلاوت قرآن کی آواز آئی، اتفاق سے اس وقت کوئی شخص اس آیت کی تلاوت کرر ہا تھا۔

الم یأن للذین آمنوا ان تخشع قلوبهم لذکر الله ۔

کیا ابھی ایمان والوں کے لئے وہ وقت نہیں آیا کہ انکے دل خشیت ربانی اور ذکر الٰہی سے معمور ہوں۔

یہ آیت سنتے ہی اتر آئے اور بارگاہ خداوند قدوس میں عرض کیا:

یا رب! قدان۔

اے رب! اب وہ وقت آگیا۔

رات ایک ویرانہ میں گزاردی، وہاں آپنے ایک قافلہ کے لوگوں کی گفتگو سنی، کوئی کہہ

رہا تھا، ابھی یہاں سے کوچ کرنا چاہیے، دوسرا بولا؛ نہیں صبح تک یہیں ٹھہرو، اس علاقہ میں فضیل ڈاکو پھرتا ہے۔

خود واقعہ بیان کر کے فرماتے تھے، میں نے دل میں کہا لوگ مجھ سے اتنے خوف زدہ ہیں اور میں راتوں کو معاصی میں مبتلا رہتا ہوں۔ فوراً تائب ہوا اور واپس آیا۔

اسکے بعد شب بیداری، گریہ وزاری آپ کا محبوب مشغلہ بن گیا۔ بدن پر دو کپڑوں کے علاوہ سامان دنیا نہیں رکھتے تھے، آپ کے فضائل ومناقب سے یہ بھی ہے کہ اصحاب صحاح ستہ نے آپ سے احادیث روایت کی ہیں۔ ثقہ صدوق صالح اور حجت تھے، محدثین آپ کی جلالت شان پر متفق ہیں۔

**اساتذہ:** امام اعظم ابوحنیفہ، امام اعمش، منصور، عبیداللہ بن عمر، ہشام بن حسان، یحیی بن سعید انصاری، محمد بن اسحاق، لیث بن ابی سلیم، امام جعفر بن محمد صادق، اسمعیل بن خالد، سفیان بن عیینہ، بیان بن بشر، وغیرہم۔

**تلامذہ:** امام سفیان ثوری، یہ استاذ بھی ہیں۔ سفیان بن عیینہ، عبداللہ بن مبارک، یحیی بن سعید قطان، عبدالرزاق، حسین بن علی الجعفی، وغیرہم۔

**فضائل:** عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں:

آپ لوگوں میں سب سے زیادہ پرہیزگار تھے۔ میرے نزدیک آپ سے زیادہ فضیلت والا اب روے زمین پر کوئی دوسرا نہیں۔

عبیداللہ بن عمر قواریری نے کہا:

جن مشائخ کو میں نے دیکھا آپ کو سب سے افضل پایا۔

خلیفہ ہارون رشید کہتے ہیں:۔

امام مالک سے زیادخشیت الہی والا، اور فضیل بن عیاض سے زیادہ تقوی والا میں نے علماء میں نہیں دیکھا۔

**وصال:** ۱۸۷ھ میں آپ نے مکہ مکرمہ میں وصال فرمایا، امام عادل (۱۸۷) مادۂ تاریخ ہے۔ (۷)

# ابراہیم بن ادہم

**نام ونسب:** نام،ابراہیم۔والد کا نام،ادہم۔اوردادا کا نام منصور ہے۔

**تعلیم وتربیت:**

ابتدائی تعلیم کے بعد امام اعظم ابوحنیفہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حدیث وفقہ کی تعلیم حاصل کی۔ساتھ ہی دوسرے محدثین وفقہاء کی خدمت میں بھی حاضر رہےاور پھر مسند درس وتدریس کوزینت بخشی۔

شیخ المشائخ حضرت داتا گنج بخش ہجویری فرماتے ہیں:

آپ اپنے زمانہ کے یگانہ عارف باللہ اور سید اقران گزرے ہیں،آپ کی بیعت حضرت خضر علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والتسلیم سے تھی۔آخرعمر میں درس وتدریس سے کنارہ کش ہوکر ہمہ تن عبادت میں مصروف ہو گئے تھے۔آپ کے دست حق پرست پر ہزاروں غیر مسلم زمرۂ اسلام میں داخل ہوئے اور سینکڑوں گناہگار مسلمان آپ کے ہاتھ پر تائب ہوکر مرتبہ ولایت پر فائز ہوئے۔آپ نہایت صابروشاکراور متقی وسخی تھے۔

**وصال:** آپ مجاہدین اسلام کے ساتھ لشکر میں شامل ہوکر جہاد کے لئے بلاد روم میں تشریف لے گئے اور یہاں ہی ۱۶۲ھ میں وصال فرمایا۔

**اساتذہ:** امام اعظم ابوحنیفہ،یحیی بن سعید انصاری،سعید بن مرزبان، مقاتل بن حبان، وغیرہم۔

**تلامذہ:** امام سفیان ثوری،ابراہیم بن بشار،بقیہ بن ولید،شفیق بلخی،اوزاعی،وغیرہ۔محدثین آپ کوثقہ ومامون کہتے ہیں۔(۸)

# بشر بن الحارث

**نام ونسب:** نام، بشر۔ کنیت ابونصر، والد کا نام، حارث۔ اور دادا کا نام عبدالرحمٰن بن عطا بن ہلال مروزی ہے۔ زاہد وعارف باللہ تھے اور حافی لقب سے مشہور ہوئے۔

**تعلیم وتربیت:**

اصل وطن آپ کا مرو ہے، ابتدائی تعلیم کے بعد امام اعظم ابوحنیفہ کی بارگاہ میں زانوئے تلمذ کیا، پھر دوسرے محدثین وفقہاء سے اکتساب علم کرنے کے بعد زہد وتصوف کی طرف مائل ہوئے، مجاہدات وریاضات میں بلند شان کے حامل تھے۔ اعمال واخلاص میں حظ تام رکھتے تھے۔

حضرت فضیل بن عیاض کے خاص صحبت یافتہ تھے، اپنے ماموں علی بن خشرم سے مرید تھے، اور علم اصول وفروغ میں یکتا وبے مثال تھے۔ علوم وفنون کی تحصیل کے بعد مستقل بغداد میں سکونت اختیار کرلی تھی۔

**اساتذہ:** امام اعظم ابوحنیفہ، حماد بن زید، ابراہیم بن سعد، فضیل بن عیاض امام مالک، ابوبکر بن عیاش، عبدالرحمٰن بن مہدی وغیرہم،

**تلامذہ:** امام احمد بن حنبل، ابراہیم حربی، ابراہیم بن ہانی، محمد بن حاتم، ابوخیثمہ وغیرہم۔

**وصال:**۔ ۲۲۷ھ کو بغداد میں وصال ہوا۔ (۹)

# شفیق بلخی

**نام ونسب:** نام، شفیق۔کنیت، ابوعلی، والدکا نام، ابراہیم ہے۔ازدی بلخی ہیں۔

**اساتذہ:**۔امام اعظم ابوحنیفہ کی بارگاہ میں حدیث وفقہ کی تعلیم حاصل کی اور امام ابو یوسف وامام زفر کی صحبت حاصل رہی۔

حضرت اسرائیل بن یونس اور عباد بن کثیر سے بھی علم حدیث حاصل کیا۔انکے علاوہ خودآپ نے اپنے اساتذہ کی تعداد (۱۷۰۰) بتائی ہے۔

**تلامذہ:** حضرت حاتم اصم، محمد بن ابان بلخی اور ابن مردویہ آپکے مشہور تلامذہ میں سے ہیں **زہد و ریاضت:** آپ نے جس وقت توکل وقناعت کے میدان میں قدم رکھا تو آپکے پاس تین سو گاؤں کی زمینداری تھی، لہذا سب فقراء میں تقسیم کردیئے حتی کی بوقت وصال کفن کیلئے بھی کچھ نہ تھا۔ایک مدت تک حضرت ابراہیم بن ادہم کی صحبت میں رہے اور طریقت کاعلم حاصل کیا۔

**وصال:** ختلان، ترکستان جہاد کے لئے تشریف لے گئے اور ۱۹۴ میں یہاں شہادت پائی۔نجم اہل دنیا ۱۹۴، آپکی تاریخ وفات ہے۔(۱۰)
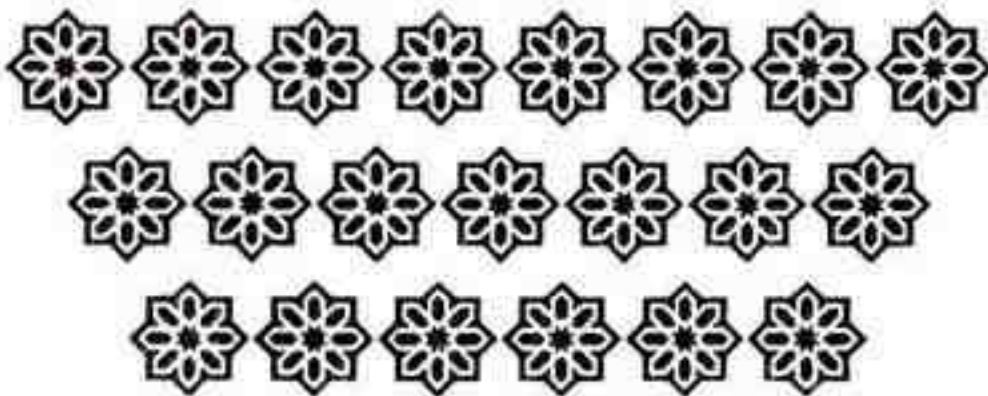
# اسد بن عمرو

**نام ونسب:** نام، اسد۔ اور والد کا نام۔ عمرو ہے آپ امام اعظم ابوحنیفہ کے ان چالیس تلامذہ میں سے ہیں جو کتب وقواعد فقہ کی تدوین میں مشغول رہے، امام ابو یوسف، امام محمد امام زفر اور امام داؤد طائی وغیرہم کی طرح اکابر میں شمار ہوتے ہیں۔

تیس سال تک امام اعظم کے لئے کتابت کی خدمت انجام دیتے رہے۔

**عہدہ قضا:** امام ابو یوسف کے وصال کے بعد ہارون الرشید نے بغداد اور واسط کا قاضی مقرر کیا اور پنی بیٹی کے ساتھ آپ کا نکاح کر دیا۔

کچھ مدت کے بعد آپ اپنی اہلیہ کے ساتھ حج کے لئے مکہ مکرمہ روانہ ہوئے، آنکھوں سے معذور ہو جانے کی وجہ سے عہدہ قضا چھوڑ دیا تھا۔

**تلامذہ:۔** امام احمد بن حنبل، محمد بن بکار، اور احمد بن منیع آپ کے مشہور تلامذہ میں ہیں۔ ۱۹۰ھ یا ۱۸۸ھ میں وصال ہوا۔ (۱۱)
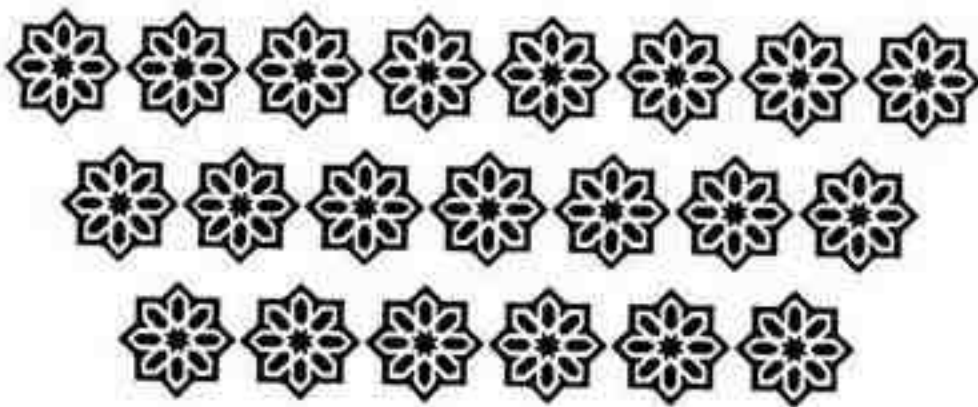
# وکیع بن الجراح

**نام ونسب:** نام، وکیع۔ کنیت، ابوسفیان۔ والد کا نام، جراح بن ملیح ہے۔ کوفی اور حافظ حدیث ہیں۔

**تعلیم وتربیت:**

ابتدائی تعلیم کے بعد امام اعظم کی بارگاہ میں حدیث وفقہ کی تعلیم حاصل کی اور اعلی مقام حاصل کیا۔

دوسرے محدثین وفقہاء سے بھی اکتساب علم کیا، آپکے شیوخ واساتذہ کی فہرست نہایت طویل ہے۔

چند مشاہیر یہ ہیں:

**اساتذہ:** آپکے والد جراح بن ملیح، اسمٰعیل بن ابی خالد، عکرمہ بن عمار، ہشام بن عروہ، سلیمان بن اعمش، جریر بن حازم، عبداللہ بن سعید بن ابی ہند، معروف بن خربوذ، ابن عون، عیسی بن طہان، مصعب بن سلیم، مسعر بن حبیب، بدر بن عثمان، ابن جریج، امام اوزاعی، امام مالک، اسامہ بن زید لیثی، سفیان ثوری، شعبہ، ابن ابی لیلی، حماد بن سلمہ، وغیرہم۔

**تلامذہ:** تلامذہ کی تعداد بھی بہت ہے، چند یہ ہیں:۔

امام شافعی، امام احمد بن حنبل، ابن ابی شیبہ، ابوخیثمہ حمیدی، قعنبی، علی بن خشرم، مسدد، محمد بن سلام، یحیی بن یحیی نیشاپوری، محمد بن صباح دولابی، وغیرہم۔

## علم و فضل:

محدثین آپکی جلالت علمی پر متفق ہیں، امام احمد بن حنبل کا ایک مرتبہ امام دوری سے کسی حدیث پر مذکراہ ہورہا ہے تھا، امام احمد نے پوچھا؟ آپ یہ حدیث کس سے روایت کرتے ہیں، بولے: شبابہ سے، فرمایا: میں یہ حدیث اس امام عالی شان سے روایت کرتا ہوں کہ آپ کی آنکھوں نے ان کا مثل نہ دیکھا ہوگا۔ یعنی امام وکیع سے۔ آپ اپنے دور میں امام المسلمین تھے۔
یحیی بن معین کہتے ہیں:

میں نے وکیع سے افضل کسی کو نہ دیکھا۔

نوح بن حبیب کہتے ہیں:

میں نے ثوری، معمر اور امام مالک کو دیکھا ہے لیکن امام وکیع کی طرح میں نے کسی کو نہ پایا۔

یحیی بن اکثم نے کہا:۔

میں نے امام وکیع کو سفر وحضر میں دیکھا، آپ ہمیشہ روزہ دار رہتے اور رات میں پورا قرآن پڑھ لیتے۔

**وصال:** آپ نے ۷۰ سال کی عمر پاکر ۱۹۷ھ میں وصال فرمایا۔ کعبۂ اہل دین مادہ تاریخ وصال ہے۔ (۱۲)
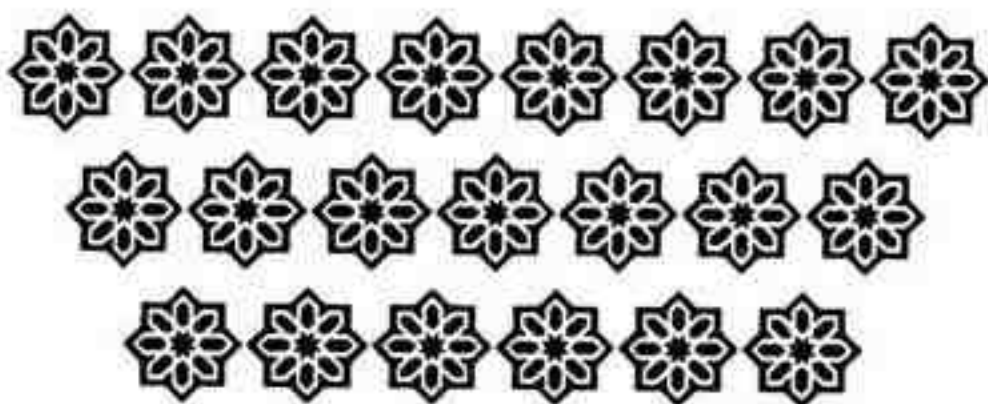
# یحییٰ بن سعید قطان

**نام ونسب:** نام، یحییٰ۔ کنیت، ابوسعید۔ والد کا نام، سعید بن فروخ ہے۔ تیمی بصری ہیں اور قطان سے مشہور ہیں۔

**تعلیم وتربیت:**

ابتدائی تعلیم کے بعد امام اعظم ابوحنیفہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، حدیث وفقہ کی تعلیم حاصل کی، اور تدوین فقہ کی مجلس میں رکن رکین کی حیثیت کے حامل رہے، نقد رجال حدیث میں خوب نام کمایا اور مشہور نقادان رجال کے استاد ہوئے۔

آپ کے درس حدیث کا وقت عصر سے مغرب تک تھا، نماز عصر کے بعد منارہ مسجد سے تکیہ لگا کر بیٹھ جاتے اور سامنے امام احمد بن حنبل، علی بن مدینی، یحییٰ بن معین، اور عمرو بن خالد جیسے ائمہ فن کھڑے ہو کر درس حدیث لیتے، مغرب تک نہ وہ کسی سے بیٹھنے کو کہتے اور نہ کسی کی جرأت ہوتی۔

فن رجال میں سب سے پہلے انہوں نے لکھا، پھر انکے تلامذہ نے، اور پھر انکے تلامذہ امام بخاری وامام مسلم وغیرہ نے قلم اٹھایا۔

ائمہ حدیث کا قول ہے کہ جسکو یحییٰ قطان چھوڑ دینگے اسکو ہم بھی چھوڑ دیں گے۔ اس فضل وکمال کے باوجود ہمیشہ امام اعظم کی شاگردی پر فخر فرماتے۔

امام احمد فرماتے ہیں:

میں نے یحییٰ بن سعید قطان کا مثل نہیں دیکھا۔

علی بن مدینی فرماتے ہیں:۔

فن رجال میں یحیی قطان جیسا میں نے کوئی نہ دیکھا،

بندار کہتے ہیں:

میں بیس سال تک آپکی خدمت میں آتا جاتا رہا، میں نے کبھی آپکو گناہ کرتے نہیں دیکھا۔

کثیر محدثین آپکی مدح وستائش میں رطب اللسان ہیں اور آپکو ثقہ، ثبت حجت، اور مامون کہتے ہیں۔

**اساتذہ:** امام اعظم ابوحنیفہ، سلیمان تیمی، حمید الطویل، اسمعیل بن ابی خالد، عبید اللہ بن عمرو، ہشام بن عروہ، بہز بن حکیم، امام مالک، امام اوزاعی، امام شعبہ، امام سفیان ثوری، عثمان بن غیاث، فضیل بن غزوان، قرہ بن خالد، وغیرہم۔

**وصال:**۔ اٹہتر (۷۸) برس کی عمر پاکر ۱۹۸ھ میں وصال ہوا۔ (۱۳)
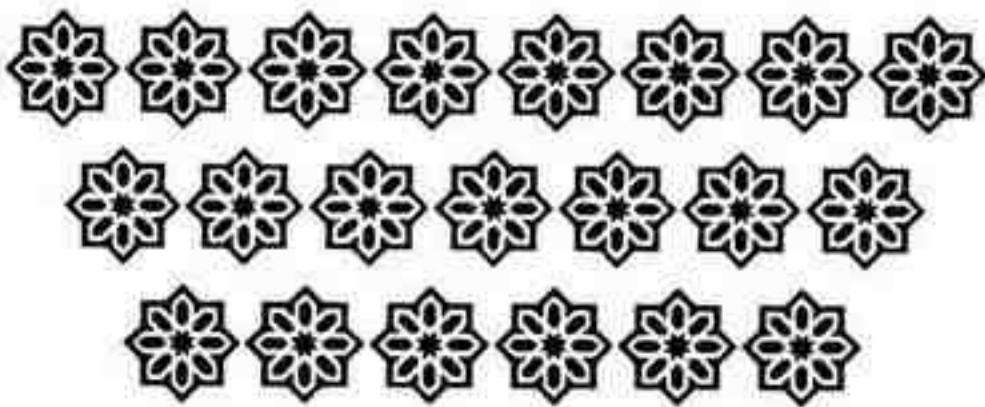
# حفص بن غیاث

**نام و نسب:** نام، حفص۔ کنیت، ابو عمر۔ والد کا نام غیاث بن طلق بن معاوہ بن مالک بن حارث بن ثعلب ہے۔ نخعی کوفی ہیں۔

**تعلیم و تربیت:**

ابتدائی تعلیم کے بعد امام اعظم ابوحنیفہ کے حلقہ درس میں داخل ہوئے، ممتاز فضلاء اصحاب میں شمار ہوتے ہیں اور تسوید فقہ حنفی میں نمایاں رول ادا کیا۔ امام اعظم سے مسانید امام میں بکثرت احادیث روایت کرتے ہیں۔

امام اعظم نے جن اصحاب کو وجہ سرور اور دافع غم فرمایا تھا یہ بھی انہیں میں سے ایک ہیں۔

محدثین آپ کو ثقہ مانتے ہیں، زہد و ریاضت کا یہ عالم تھا کہ جس دن آپ کا وصال ہوا تو آپکی ملکیت میں ایک درہم بھی نہ تھا۔ آپ کوفہ اور بغداد کے قاضی رہے۔

**وصال:** آپ کی ولادت ۱۱۷ھ میں ہوئی اور ۱۹۴ھ میں وصال ہوا۔

**اساتذہ:** آپکے دادا طلق بن معاویہ، امام اعظم ابوحنیفہ، اسمعیل بن ابی خالد، ابو مالک اشجعی، سلیمان تیمی، عاصم احول، یحیی بن سعید انصاری، ہشام بن عروہ، امام اعمش، امام ثوری، امام جعفر صادق، ابن جریج، وغیرہم۔

**تلامذہ:** امام احمد بن حنبل، اسحاق، ابن ابی شیبہ، یحیی بن معین، ابونعیم، علی بن مدینی، یحیی قطان، وغیرہم۔

# امام مالک بن انس

**نام و نسب:** نام، مالک۔ کنیت، ابو عبداللہ۔ لقب امام دار الہجرۃ۔ والد کا نام، انس ہے اور سلسلہ نسب یوں ہے۔ مالک بن انس بن مالک بن انس ابی عامر بن عمرو بن الحارث بن غیمان بن خثیل الاصبحی۔

امام مالک کے پر دادا ابو عامر انس بن عمرو جلیل القدر صحابی تھے، غزوۂ بدر کے سوا تمام مشاہد میں شریک رہے۔ بزرگوں کا وطن یمن تھا۔ سب سے پہلے آپکے پر دادا ابو عامر ہی نے مدینۃ النبی میں سکونت اختیار کی، چونکہ یمن کے شاہی خاندان حمیر کی شاخ اصبح سے تعلق رکھتے تھے اور آپکے مورث اعلی حارث اس خاندان کے شیخ تھے، اس لئے ان کا لقب ذو اصبح تھا، اسی وجہ سے امام مالک اصبحی کہلاتے ہیں۔

**ولادت و تعلیم:** ۹۳ھ میں ولادت ہوئی، خلاف معمول شکم مادر میں تین سال رہے۔ بعض نے دو سال بیان کیا ہے۔ جائے مولد مدینۃ الرسول ہے۔

آپ نے جب آنکھ کھولی تو مدینہ منورہ میں ابن شہاب زہری، یحیی بن سعید انصاری، زید بن اسلم، ربیعہ اور ابو الزناد وغیرہم تابعین اور تبع تابعین کا آفتاب علم و فضل نصف النہار پر چمک رہا تھا۔

آپ نے قرآن مجید کی قرأت و سند مدینہ منورہ کے امام القراء نافع بن عبدالرحمن متوفی ۱۶۹ھ سے حاصل کی۔ دیگر علوم کی خواہش کے جذبات غیر معمولی طور پر ودیعت تھے، زمانہ طالب علمی میں آپ کے پاس سرمایہ کچھ نہ تھا، مکان کی چھت توڑ کر اس کی کڑیوں کو فروخت کر کے بھی کتب وغیرہ خریدی تھیں۔ اسکے بعد دولت کا دروازہ کھل گیا، حافظہ نہایت اعلی درجہ کا تھا، فرماتے تھے کہ جس چیز کو میں نے محفوظ کرلیا اسکو پھر کبھی نہیں بھولا۔

**اساتذہ:** آپکے اساتذہ میں زیادہ تر مدینہ کے بزرگان دین شامل ہیں ،امام زرقانی فرماتے ہیں،آپ نے نوسوسے زیادہ مشائخ سے علم حاصل کیا۔ چند حضرات کے اسماء یہ ہیں۔

زید بن اسلم ،نافع مولی ابن عمر ،صالح بن کیسان ،عبداللہ بن دینار، یحیی بن سعید، ہشام بن عروہ،ایوب السختیانی،عبداللہ بن ابی بکر بن حزم،جعفر صادق بن محمد باقر،حمید بن قیس مکی،سہل بن ابی صالح ،ابوالزبیر مکی ابوالزناد،ابوحازم،عامر بن عبداللہ بن العوام وغیرہم

**تلامذہ:** تلامذہ میں انکے مشائخ معاصرین وغیرہم سب شامل ہیں،اس لئے کہ آپ نے مستقل مسکن مدینہ منورہ کو بنالیا تھا،لہذا اطراف واکناف سے لوگ یہاں آتے اور آپ سے اکتساب فیض کرتے،مستفیدین کی فہرست طویل ہے چند یہ ہیں۔

ابن شہاب زہری، یحیی بن سعید انصاری،اور یزید بن عبداللہ بن الھاد، یہ مشائخ میں بھی ہیں۔

معاصرین میں سے امام اوزاعی ،امام ثوری ،ورقاء بن عمر ،شعبہ بن الحجاج،ابن جریج، ابراہیم بن طھمان،لیث بن سعد،اور ابن عیینہ وغیرہم۔

یحیی بن سعید القطان ،ابواسحاق فزاری،عبدالرحمٰن بن مہدی، حسین بن ولید نیشاپوری امام شافعی،امام ابن مبارک ،ابن وہب ،ابن قاسم ،خالد بن مخلد،سعید بن منصور، یحیی بن ایوب مصری،قتیبہ بن سعید،ابومصعب زہری،امام محمد۔

**علم وفضل:۔** آپکے علم وفضل کی شہادت معاصرین وتلامذہ وغیرہم نے دی ہے۔

ابومصعب زہری فرماتے تھے:

امام مالک ثقہ، مامون،ثبت،عالم،فقیہ،حجت وورع ہیں

یحیی بن معین اور یحیی بن سعید القطان نے فرمایا:۔

آپ امیر المومنین فی الحدیث ہیں۔

عبدالرحمٰن بن مہدی کا قول ہے۔

روئے زمین پر امام مالک سے بڑھکر حدیث نبوی کا کوئی امانت دار نہیں۔ سفیان ثوری

امام حدیث ہیں امام سنت نہیں، اوزاعی امام سنت ہیں امام حدیث نہیں، اورامام مالک دونوں۔ کے جامع۔

امام اعظم فرماتے ہیں:

میں نے امام مالک سے زیادہ جلد اور صحیح جواب دینے والا اوراچھی پرکھ والانہیں دیکھا۔

امام شافعی فرماتے ہیں:۔

تابعین کے بعد امام مالک مخلوق خدا کی حجت تھے،اورعلم تین آدمیوں میں دائر ہے۔ مالک بن انس،سفیان بن عیینہ،لیث بن سعد۔

امام احمد بن حنبل سے کسی نے پوچھا کہ اگر کسی کی حدیث زبانی یاد کرنا چاہے تو کس کی کرے،فرمایا: مالک بن انس کی۔

امام بخاری نے اصح الاسانید کے سلسلہ میں فرمایا:۔

مالک عن نافع عن ابن عمر۔

بشارت عظمیٰ۔امت مسلمہ کے لئے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بشارت آپکی ذات گرامی تھی۔

حضور نے فرمایا:

یوشك ان یضرب الناس اکباد الابل یطلبون العلم فلایجدون عالما اعلم من عالم المدینة ۔

قریب ہے کہ لوگ اونٹوں پرسوار ہوکر آئیں گے اورعالم مدینہ سے بڑھکر کوئی عالم نہ پائیں گے۔

امام عبدالرزاق اورامام سفیان بن عیینہ نے فرمایا: اس حدیث کے مصداق امام مالک ہیں۔

عشق رسول۔آپکی شخصیت عشق رسالت سے معمور تھی،مدینہ کے ذرہ ذرہ سے انہیں پیارتھا،اس

مقدس شہر کی سرزمین پر کبھی کسی سواری پر نہ بیٹھے اس خیال سے کہ کبھی اس جگہ حضور پیادہ چلے ہوں۔

درس حدیث کا نہایت اہتمام فرماتے، غسل کر کے عمدہ اور صاف لباس زیب تن کرتے پھر خوشبو لگا کر مسند درس پر بیٹھ جاتے اور اسی طرح بیٹھے رہتے تھے، ایک دفعہ دوران درس بچھو انہیں پیہم ڈنگ لگاتا رہا مگر اس پیکر عشق ومحبت کے جسم میں کوئی اضطراب نہیں آیا، پورے انہماک واستغراق کے ساتھ اپنے محبوب کی دلکش روایات اور دلنشیں احادیث بیان کرتے رہے۔ جب تک درس جاری رہتا انگیٹھی میں عود اور لوبان ڈالا جاتا رہتا۔

**ابتلاء:** امام مالک کا مسلک تھا کہ طلاق مکرہ واقع نہیں ہوتی۔ انکے زمانہ کے حاکم نے اس مسئلہ میں اختلاف کیا اور ان کو زدوکوب کیا، اونٹ پر سوار کر کے شہر میں گشت بھی کرایا لیکن آپ اس حال میں بھی بلند آواز سے یہ ہی کہتے جاتے تھے:

جو شخص مجھے جانتا ہے جانتا ہے اور جو نہیں جانتا ہے وہ جان لے کہ میں مالک بن انس اصبحی ہوں، اور میرا مسلک یہ ہے کہ طلاق مکرہ واقع نہیں ہوتی۔ جعفر بن سلیمان تک جب یہ خبر پہونچی تو اس نے حکم دیا کہ اونٹ سے اتار لیا جائے۔

بعض نے قصہ یوں بیان کیا ہے کہ جعفر بن سلیمان والی مدینہ سے کسی نے شکایت کردی کہ امام مالک آپ لوگوں کی بیعت کو صحیح نہیں سمجھتے ،اس پر اسکو غصہ آیا اور آپ کو بلوا کر کوڑے لگوائے، آپکو کھینچا گیا اور دونوں ہاتھوں کو مونڈھوں سے اتروادیا۔ ان چیزوں سے آپکی عزت ووقعت اور شہرت زیادہ ہی ہوئی۔

**حلم وبردباری:** خلیفہ منصور جب حج کیلئے حرمین حاضر ہوا تو اس نے جعفر سے امام مالک کا قصاص لینا چاہا تھا مگر آپ نے روک دیا اور فرمایا:

واللہ! جب مجھ پر کوڑا پڑتا تھا میں اسکو اسی وقت حلال اور جائز کر دیتا تھا کہ اسکو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے قرابت ہے۔

**وصال:** یحیی بن یحیی مصمودی بیان کرتے ہیں کہ جب امام مالک کا مرض وصال طویل ہوا اور

وقت آخر آپہونچا تو مدینہ منورہ اور دوسرے شہروں سے علماء و فضلاء آپکے مکان میں جمع ہو گئے تا کہ امام مالک کی آخری ملاقات سے فیض یاب ہوں۔ میں بار بار امام کے پاس جاتا اور سلام عرض کرتا تھا۔ کہ اس آخری وقت میں امام کی نظر مجھ پر پڑ جائے اور وہ نظر میری سعادت اخروی کا سبب بن جائے۔ میں اسی کیفیت میں تھا کہ امام نے آنکھیں کھولیں اور ہماری طرف متوجہ ہو کر فرمایا:۔

اللہ تعالیٰ کا شکر جس نے ہم کو کبھی ہنسایا اور کبھی رلایا، اسکے حکم سے زندہ رہے اور اسی کے حکم سے جان دیتے ہیں۔ اسکے بعد فرمایا: موت آگئی، خدائے تعالیٰ سے ملاقات کا وقت قریب ہے۔

حاضرین نے عرض کیا: اس وقت آپکے باطن کا کیا حال ہے؟ فرمایا: میں اس وقت اولیاء اللہ کی مجلس کی وجہ سے بہت خوش ہوں، کیونکہ میں اہل علم کو اولیاء اللہ شمار کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کو حضرات انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کے بعد علماء سے زیادہ کوئی شخص پسند نہیں۔ نیز میں اس لئے بھی خوش ہوں کہ میری تمام زندگی علم کی تحصیل اور اسکی تعلیم میں گذری ہے۔ اور میں اس سلسلہ میں اپنی تمام مساعی کو مستجاب اور مشکور گمان کرتا ہوں۔ اس لئے کہ تمام فرائض اور سنن اور انکے ثواب کی تفصیلات ہم کو زبان رسالت سے معلوم ہوئیں۔ مثلاً حج کا اتنا ثواب ہے اور زکوۃ کا اتنا، اور ان تمام معلومات کو سوا حدیث کے طالب علم کے اور کوئی شخص نہیں جان سکتا۔ اور یہ ہی علم اصل میں نبوت کی میراث ہے۔

یحیی بن یحیی مصمودی کہتے ہیں: اسکے بعد امام مالک نے حضرت ربیعہ کی روایت بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ میں نے اب تک یہ روایت نہیں بیان کی ہے۔

حضرت ربیعہ فرماتے ہیں کہ قسم بخدا! کسی شخص کو نماز کے مسائل بتلانا روئے زمین کی تمام دولت صدقہ کرنے سے بہتر ہے اور کسی شخص کی دینی الجھن دور کر دینا سوحج کرنے سے افضل ہے۔ اور ابن شہاب زہری کی روایات سے بتلایا کہ کسی شخص کو دینی مشورہ دینا سو غزوات میں جہاد کرنے سے بہتر ہے۔ اس گفتگو کے بعد امام مالک نے کوئی بات نہیں کی اور اپنی جان

جاں، آفریں کے سپرد کر دی۔

۱۱ ریا ۱۴ ربیع الاول ۱۷۹ھ کو آپ نے مدینہ طیبہ میں وصال فرمایا اور جنت البقیع میں مدفون ہوئے۔ اولاد امجاد میں تین صاحبزادے یحیی، محمد، اور احمد چھوڑے، کسی نے آپکی سنہ ولادت اور سنہ وصال کو یوں نظم کیا ہے۔

فخر الائمه مالك ۔ نعم الامام السالك

مولده نجم هدى ۔ وفاته فازمالك

۹۳ ۱۷۹

# مؤطا امام مالک

آپ نے متعدد کتب تصنیف فرمائیں لیکن مؤطا آپکی مشہورترین کتاب جو کتب خانہ اسلام کی فقہی ترتیب پر دوسری کتاب سمجھی جاتی ہے۔ اس کی تالیف وترتیب مدینہ طیبہ ہی میں ہوئی، کیونکہ آپ کا قیام ہمیشہ مدینہ منورہ ہی میں رہا، آپ نے حج بھی صرف ایک مرتبہ ہی کیا باقی پوری حیات مبارکہ مدینہ پاک ہی میں گذاردی۔

امام شافعی نے اس کتاب کو دیکھ کر فرمایا تھا: کہ کتاب اللہ کے بعد روئے زمین پر اس سے زیادہ صحیح کوئی کتاب نہیں۔

امام ابو زرعہ رازی فن جرح وتعدیل کے امام فرماتے ہیں: اگر کوئی شخص قسم کھالے کہ مؤطا کی تمام احادیث صحیح ہیں تو وہ حانث نہیں ہوگا۔

امام مالک نے ایک لاکھ احادیث میں سے مؤطا کا انتخاب کیا، پہلے اس میں دس ہزار احادیث جمع کی تھیں، پھر مسلسل غور کرتے رہے یہاں تک کہ اس میں چھ سو احادیث باقی رہ گئیں۔ بعدہ مراسیل وموقوف اور اقوال تابعین کا اضافہ ہے۔ یعنی کل روایات کی تعداد ایک ہزار سات سو بیس ہے۔

لفظ موطا ''توطیہ'' کا اسم مفعول ہے جسکے معنی ہیں، روندا ہوا، تیار کیا ہوا، نرم وسہل بنایا ہوا۔ یہاں یہ سب معانی بطور استعارہ مراد لئے ہیں۔

امام مالک خود فرماتے ہیں: میں نے اس کتاب کولکھ کرفقہاء مدینہ میں ستر حضرات کے سامنے پیش کیا تو ان سب نے مجھ سے اتفاق کیا یعنی انظار دقیقہ سے روندا، لہذا میں نے اسکا نام مؤطا رکھا۔ دوسرے ائمہ نے وجہ تسمیہ میں یہ بھی فرمایا ہے کہ امام مالک نے اس کتاب کو مرتب کر کے لوگوں کیلئے سہل اور آسان بنادیا ہے اس لئے اسکو مؤطا امام مالک کہتے ہیں۔

مؤطا امام مالک کے تیس سے زیادہ نسخے ہیں، بستان المحدثین میں سولہ کا ذکر بالتفصیل ہے۔لیکن اس وقت امت کے ہاتھوں میں دو نسخے موجود ہیں۔ایک یحیی بن یحیی مصمودی کا جومؤطا امام مالک سے مشہور ہے۔اور دوسرا امام محمد بن حسن کا جومؤطا امام محمد سے شہرت یافتہ اور عام طور پر داخل نصاب ہے۔(۱۵)
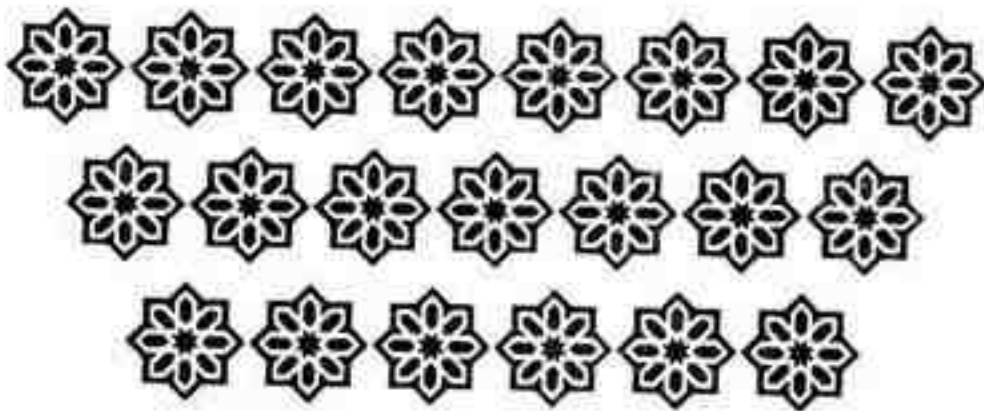
# امام شافعی

**نام ونسب:** نام، محمد۔ کنیت، ابوعبداللہ۔ والد کا نام، ادریس ہے، سلسلہ نسب یوں ہے، ابو عبداللہ محمد بن ادریس بن العباس بن عثمان بن شافع بن السائب بن عبید بن عبد یزید بن ہاشم بن مطلب بن عبد مناف۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دادا حضرت ہاشم پر آپ کا سلسلہ نسب ملتا ہے لہذا آپ قرشی ہیں اور یوں ائمہ اربعہ میں آپکو امتیازی حیثیت حاصل ہے۔

آپ کے دادا 'العباس' کے دادا شافع تھے جو صغار صحابہ سے ہیں اور انکے والد حضرت سائب غزوۂ بدر کے موقع پر اسلام لائے اور یہ حضور کے چچازاد بھائی تھے۔

**ولادت وتعلیم:**

غزہ کے مقام پر ۱۵۰ھ میں آپکی ولادت ہوئی، کہتے ہیں خاص اس دن جس دن امام اعظم کا وصال ہوا۔

آپکی والدہ حضرت فاطمہ بنت عبداللہ محض ہیں حضرت حسن مثنیٰ کی پوتی اور سیدنا امام حسن کی پرپوتی تھیں۔

آپکے والد کا انتقال دو سال کی عمر ہی میں ہو گیا تھا۔ لہذا والدہ ماجدہ آپ کو صغر سنی میں ہی وہاں سے مکہ لے آئیں اور آپ نے وہیں پرورش پائی۔

سن تمیز سے ہی علوم وفنون کی طرف توجہ شروع کر دی تھی، ابتداء شعر، لغت اور تاریخ عرب کی طرف توجہ تھی، اسکے بعد تجوید قرأت اور حدیث وفقہ کی تحصیل شروع کی۔

بارہ سال کی عمر تک پہونچنے سے پہلے مؤطا کو حفظ کرلیا تھا اور اسکے بعد امام مالک کی خدمت میں پہونچے اور ان پر مؤطا کی قرأت کی۔ آپ علوم دینیہ کی طرف اپنے رجحان کا واقعہ خود اس طرح بیان فرماتے تھے۔

**علم فقہ کی طرف توجہ:** ایک دن میں ذوق وشوق سے لبید کے اشعار پڑھ رہا تھا کہ ناگاہ نصیحت آمیز غیبی آواز آئی، اشعار میں پڑکر کیوں وقت ضائع کرتے ہو، جاؤ جاکر فقہ کا علم حاصل کرو۔ فرماتے ہیں: میرے دل پر اس بات کا بڑا اثر ہوا اور میں نے مکہ جاکر سفیان بن عیینہ کی درسگاہ میں حاضری دی، انکے بعد مسلم بن خالد زنجی اور پھر مدینہ طیبہ حضرت امام مالک کی خدمت میں پہونچا۔

**اساتذہ:** امام شافعی کا زمانہ حدیث وفقہ کے ائمہ کا نادر المثال دور ہے۔ لہذا آپ نے اس زمانہ کے جلیل القدر محدثین وفقہاء سے اکتساب علم کیا، بعض کے اسماء یہ ہیں۔

امام سفیان بن عیینہ، امام مالک، مسلم بن خالد زنجی، ابراہیم بن سعد۔ اسمعیل بن جعفر، محمد بن خالد جندی، ہشام بن یوسف صنعانی، امام محمد وغیرہم۔

آپ کے اساتذہ میں جن کا رنگ آپ پر غالب نظر آتا ہے وہ آخر الذکر امام اعظم ابوحنیفہ قدس سرہ کے شاگرد رشید امام محمد بن حسن شیبانی ہیں۔ کیونکہ امام شافعی کی والدہ سے آپ نے نکاح کرلیا تھا اور اپنا تمام مال اور کتابیں امام شافعی کے حوالہ کردی تھیں۔ امام محمد کی تصانیف کے مطالعہ سے ہی آپ میں فقاہت کا ملکہ پیدا ہوا۔ اسی فیضان سے متاثر ہوکر امام شافعی نے فرمایا: جوشخص فقہ میں نام کمانا چاہتا ہے وہ امام ابوحنیفہ کے اصحاب سے استفادہ کرے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے استنباط مسائل اور استخراج احکام کی راہیں ان لوگوں پر کشادہ کردی ہیں۔

نیز فرماتے ہیں:

قسم بخدا! مجھے فقاہت ہرگز نصیب نہ ہوتی اگر میں امام محمد کی کتب کا مطالعہ نہ کرتا۔ جس شخص کا فقہ میں مجھ پر سب سے زیادہ احسان ہے وہ امام محمد بن حسن شیبانی ہیں۔

**تلامذہ:** حدیث وفقہ میں آپکے تلامذہ کی فہرست کا احاطہ نہیں کیا جاسکتا۔ چند حضرات یہ ہیں۔

امام احمد بن حنبل، امام حمیدی، سلیمان بن داؤد ہاشمی، ابراہیم بن منذر جزامی، ابراہیم بن خالد ، ابوثور ابراہیم بن خالد، ربیع بن سلیمان جنیدی، حسن بن محمد بن صباح زعفرانی۔

**مبارک خواب:** امام شافعی فرماتے ہیں:

میں نے خواب میں حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کو دیکھا کہ آپ نے مجھے سلام کیا اور مصافحہ فرما کر ایک انگشتری میرے ہاتھ میں پہنائی۔ میرے عم محترم نے اسکی تعبیر یوں بیان فرمائی کہ:

مصافحہ کرنے کا مطلب ہے کہ تم عذاب سے مامون رہو گے اور انگوٹھی پہنانے کی تعبیر یہ ہے کہ جہاں تک مولی علی کے نام کی شہرت ہے وہاں تک تمہارا نام بھی مشہور ہوگا۔

**بشارت عظمی:**

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حدیث پاک ہے:

اللهم اهد قريشا، فان عالمها يملأ طباق الارض علما الحديث ۔

الہی قریش کو سیدھی راہ پر چلا، ان میں ایک عالم ایسا ہوگا جو طبقات زمین کو علم وعرفان سے بھر دیگا۔

حافظ ابونعیم عبدالملک بن محمد کہتے ہیں: اس حدیث کے مصداق حضرت امام شافعی ہیں۔

**علم وفضل:** امام احمد بن حنبل نے فرمایا:۔

امام شافعی دوسری صدی کے مجدد ہیں جس طرح خلیفۂ راشد حضرت عمر بن عبدالعزیز پہلی صدی کے۔

نیز فرماتے ہیں:

تیس سال سے میری کوئی رات ایسی نہیں گذری جس رات میں امام شافعی کیلئے میں نے دعا نہ کی۔

حسن بن محمد زعفرانی کہتے ہیں:

جس طرح علماء یہود میں حضرتِ عبداللہ بن سلام منفرد تھے اسی طرح علماء اسلام میں امام شافعی منفرد ہیں۔

**شمائل وخصائل**: امام شافعی طبعا فیاض تھے، اپنی ضرورت پر دوسروں کی ضروریات کو ترجیح دیتے، بے حد غیور اور خود دار تھے، اہل جاہ وحشم اورارباب ثروت واقتدار سے کبھی کسی چیز کی طمع اور توقع نہ رکھتے، اسکے ساتھ بے حد خلیق اور بامروت تھے۔ اگر کوئی شخص کبھی محبت اور عقیدت سے کوئی نذرانہ پیش کرتا تو اسکو رد نہیں کرتے، تاہم فیاضی طبع کی بنیاد پر اسکو پاس رکھتے بھی نہیں تھے، بارہا ایسا ہوا کہ آپ خلیفہ ہارون رشید کی دعوت پر دربار میں گئے، اس نے اشرفیوں کی تھیلیاں نذرانہ کیں اور آپ واپسی میں دونوں ہاتھوں سے ان اشرفیوں کو تقسیم کرتے ہوئے چلے گئے، یہاں تک کہ جب گھر پہونچے تو آپ کے پاس اس نذرانے میں سے ایک درہم بھی نہیں تھا۔

امام حمیدی فرماتے ہیں:

امام شافعی جب صنعاء سے مکہ مکرمہ آئے تو آپ کے پاس دس ہزار دینار تھے۔ آپ نے ایک جگہ خیمہ نصب کر کے قیام فرمایا۔ لوگوں کو پتہ چلا تو مختلف اطراف سے بے شمار لوگ ملاقات کیلئے حاضر ہوئے جن میں بہت سے لوگ ضرورت مند بھی تھے، جب آپ لوگوں کی ملاقات سے فارغ ہوئے تو آپ کے پاس ایک دینار بھی باقی نہیں تھا۔

مزنی کہتے ہیں:

میں نے امام شافعی سے بڑھکر کوئی فیاض شخص نہیں دیکھا، ایک شب میں ان کے ساتھ مسجد سے انکے گھر تک آیا، میں کسی شرعی مسئلہ میں ان سے گفتگو کر رہا تھا کہ اتنے میں ایک غلام آیا اور کہنے لگا: میرے آقا نے آپ کو سلام کہا ہے اور یہ تھیلی نذر کی ہے، آپ نے تھیلی رکھ لی، تھوڑی دیر بعد ایک شخص آیا اور اس نے کہا: میری بیوی کے ہاں بچہ پیدا ہوا ہے اور ہمارے پاس کچھ نہیں، آپ نے وہ تھیلی اٹھا کر اسے دیدی۔

**زھد وتقوی**: علمی وجاہت اور فقہی متانت کے ساتھ عبادت وریاضت اور زھد وتقوی میں بھی

امتیاز حاصل تھا۔بعض واقعات تو خرق عادت اور کرامت معلوم ہوتے ہیں۔

ربیع بن سلیمان کہتے ہیں:

امام شافعی رمضان کے نوافل میں ساٹھ مرتبہ قرآن عظیم پڑھتے تھے، عام ایام میں وہ رات کے تین حصہ کرتے، پہلے حصہ میں تصنیف وتالیف، دوسرے میں نوافل اور تیسرے میں آرام فرماتے۔

ابراہیم بن محمد کا قول ہے:

میں نے امام شافعی سے عمدہ کسی شخص کو نماز پڑھتے نہیں دیکھا۔آپکی نماز مسلم بن خالد کی نماز کے مشابہ تھی، اور انکی مسلم بن جریج کی نماز کے مماثل، اور انکی عطاء بن ابی رباح، اور انکی عبداللہ بن زبیر، اور انکی ابوبکر صدیق، اور انکی حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نماز کے مماثل تھی۔

خوف الہی اور خشیت ربانی سے لرزہ براندام ہوجاتے تھے۔

**تصنیف وتالیف:** امام شافعی کی زندگی کا اکثر حصہ درس وتدریس، علمی مباحث، مسائل کے استنباط اور افتاء وغیرہ میں گذرا، اسکے باوجود آپ نے مختلف موضوعات پر تصنیف وتالیف کی گراں قدر خدمات انجام دی ہیں۔

عبدالرحمٰن بن مہدی نے امام شافعی سے عرض کیا کہ میرے لئے کوئی ایسی کتاب تصنیف فرمادیں جس میں قرآن عظیم کے معانی معتبرہ ، احادیث اور ان کے ساتھ اجماع اور ناسخ ومنسوخ کا بھی بیان ہو۔آپ نے عنفوان شباب میں کتاب الرسالہ کے نام سے ایک کتاب لکھی جو مذکورہ بالا تمام مقاصد پر مشتمل تھی۔

فن حدیث میں امام شافعی کی روایات کو کتاب الام اور کتاب المبسوط میں ان کے تلامذہ نے جمع کیا ہے، لیکن جو کتاب امام شافعی کی روایات کی جامع ہے وہ مسند شافعی ہے۔

یہ کتاب ان احادیث مرفوعہ کا مجموعہ ہے جنہیں امام شافعی خود اپنے تلامذہ کے سامنے بیان کرتے تھے۔امام شافعی کی بعض روایات کا ابوالعباس محمد بن یعقوب اصم نے ربیع بن

سلیمان مرادی سے سماع کر۔کے ان کو کتاب الام اور مبسوط کے ضمن میں جمع کر دیا تھا۔ابو العباس اصم نے ان تمام روایت کو ایک جگہ جمع کر کے مجموعہ کا نام مسند شافعی رکھ دیا ہے۔

**وصال:** مزنی کہتے ہیں جب امام شافعی کے وصال کا وقت قریب آیا تو میں ان کی خدمت میں حاضر تھا، میں نے عرض کیا: کیا حال ہے؟ فرمایا: دنیا سے کوچ اور احباب سے جدائی کا وقت ہے ،موت کا پیالہ پیش ہوا چاہتا ہے اور نتیجہ اعمال نکلنے والا ہے،عنقریب اللہ رب العزت کے دربار میں حاضری ہوگی،کون جانے کہ میری روح کدھر لیجائی جائے گی۔

آپ اس وقت وجد کی حالت میں یہ شعر پڑھ رہے تھے۔

تعاظمنی ذنبی فلما قرنته ☆ بعفوك ربی كان عفوك اعظما۔

میرے گناہ بہت بڑے ہیں لیکن میں تیری رحمت کی طرف نظر کرتا ہوں تو وہ میرے گناہوں کی نسبت کہیں زیادہ معلوم ہوتی ہے۔

آپ کا وصال ۳۰/رجب ۲۰۴ھ شب جمعہ بعد نماز مغرب ہوا اور مزار مبارک مصر کے شہر قرافہ میں ہے۔(۱۶)
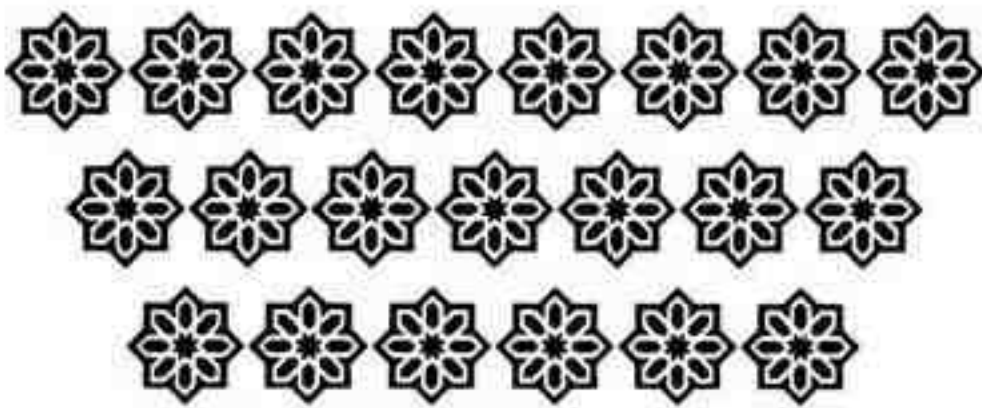
# امام احمد بن حنبل

**نام ونسب**: نام، احمد۔ کنیت، ابوعبداللہ۔ والد کا نام، محمد ہے۔ سلسلہ نسب اس طرح ہے۔ ابو عبداللہ احمد بن محمد بن حنبل بن ہلالی بن اسد بن ادریس بن عبداللہ الذہلی الشیبانی ثم المروزی ثم البغدادی۔

**ولادت و تعلیم**: آپ کے والد محمد بن حنبل مرو سے بغداد آکر اقامت پذیر ہوئے اور آپ کی ولادت ماہ ربیع الاول ۲۶۴ھ بغداد میں ہوئی۔

ابتدائی تعلیم کے بعد سب سے پہلے امام ابو یوسف کی خدمت میں حاضری دیا کرتے تھے لیکن بعد میں علم حدیث کی طرف توجہ کی اور پندرہ سال کی عمر میں احادیث کا سماع کرنے کیلئے ۱۷۹ھ میں بغداد کے مشہور شیخ ہشیم کی خدمت میں حاضری دی۔ اسی سال امام عبداللہ بن مبارک بغداد میں تشریف لائے، امام احمد کو ان کا علم ہوا تو ان کی مجلس میں پہونچے، وہاں پہونچ کر معلوم ہوا کہ وہ طرطوس جاچکے ہیں۔ اس کے بعد وہ بغداد واپس نہیں آئے اور دو سال بعد ان کا وہیں وصال ہوگیا۔

امام ہشیم کی وفات کے بعد آپ نے بغداد کے علاوہ دوسرے شہروں کا رخ کیا، مکہ معظمہ، مدینہ منورہ، کوفہ، بصرہ، شام، یمن اور جزیرہ کے مشائخ وقت سے سماع حدیث کیا۔

**اساتذہ**: آپ نے علم حدیث مندرجہ ذیل مشاہیر وقت سے حاصل کیا۔

بشر بن مفصل، اسماعیل بن علیہ، سفیان بن عیینہ، جریر بن عبدالحمید، یحیی بن سعید القطان، ابو داؤد طیالسی، عبداللہ بن نمیر، عبدالرزاق علی بن عیاش حمصی، امام شافعی، معتمر بن سلیمان، ہشیم، ابراہیم بن سعد، عبادہ بن عباد اور یحیی بن زائدہ وغیرہم۔

**تلامذہ:** آپ کا زمانہ درس وتدریس نہایت ابتلاء وآزمائش کا دور ہے مگر جبر واستبداد کی زنجیریں میدان تدریس میں آپ کا راستہ نہ روک سکیں، آپ کے تلامذہ اور مستفیدین کی فہرست نہایت طویل ہے چند اسماء یہ ہیں:

امام بخاری، امام مسلم، امام ابوداؤد، اسود بن عامر، شاذان، ابن مہدی۔

ساتھ ہی آپ کے اساتذہ نے بھی آپ سے سماع حدیث کیا ہے، ان میں امام شافعی، ابوالولید، عبدالرزاق، وکیع، یحییٰ بن آدم، یزید بن ہارون نہایت مشہور ہیں۔

نیز اکابر محدثین میں قتیبہ بن سعید، داؤد بن عمرو، اور خلف بن ہشام نے بھی آپ سے سماع کیا ہے۔ اور معاصرین میں یحییٰ بن معین، علی بن مدینی، حسین بن منصور، زیاد بن ایوب، ابوقدامی سرخسی، محمد بن رافع، محمد بن یحییٰ اور احمد بن ابی حواری بھی آپ کے تلامذہ سے ہیں۔

باقی تلامذہ میں اپ کے دونوں صاحبزادے عبداللہ اور صالح اور ان کے علاوہ ابوبکر اثرم، حرب کرمانی، بقی بن مخلد، حنبل بن اسحاق اور شاہین وغیرہم کثیر محدثین شمار ہوتے ہیں۔

**ابتلا وآزمائش:** ۲۱۲ھ ائمہ مسلمین اور مقتدایان قوم کیلئے انتہائی صبر آزما سال تھا، اسی سال عباسی خلفاء کے ایک خلیفہ مامون رشید نے خلق قرآن کے مکروہ عقیدہ کا اظہار کیا اور علماء معتزلہ کی معاونت سے اس عقیدہ کو پھیلا‌تا رہا۔ ۲۱۷ھ میں اس نے بغداد میں اپنے نائب اسحاق بن ابراہیم معتزلی کو لکھا کہ اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتا ہے، انا جعلناہ قرانا عربیا، اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کو مجعول قرار دیا اور جو مجعول ہو وہ مخلوق ہے۔ لہذا جو شخص قدم قرآن کا عقیدہ رکھتا ہے اس کا عقیدہ قرآن مجید کی نص صریح کا انکار ہے۔ تم بغداد کے تمام علماء اور مقتدر لوگوں کو جمع کرو اور ان پر یہ عقیدہ پیش کرو جو مان لے اس کو امان دو اور جو نہ مانے ان کے جوابات لکھ کر مجھے بھیج دو۔ بہت سے سرکردہ لوگ اس فتنہ میں مبتلا ہو گئے اور کتنے ہی لوگوں نے جان بچانے کی خاطر خلق قرآن کا عقیدہ قبول کرلیا۔ امام احمد بن حنبل سے جب پوچھا گیا تو انہوں نے کہا میں اس کے سوا اور کچھ نہیں کہتا کہ قرآن اللہ کا کلام ہے۔ قاضی اسحاق بن ابراہیم نے یہ جواب مامون رشید کو لکھ کر بھیجا، مامون رشید نے جواب لکھا، جو شخص عقیدہ خلق قرآن سے

موافقت نہ کرے اس کو درس اور افتاء سے روک دو۔

کچھ عرصہ بعد مامون رشید نے قاضی بغداد کو لکھا جو لوگ عقیدہ خلق قرآن سے موافقت نہ کریں ان کو قید کر کے فوج کے حوالے کر دو۔ اگر خلق قرآن کا اقرار کر لیں تو ٹھیک ورنہ ان کو قتل کر دیا جائے۔ اس دھمکی سے مرعوب ہو کر احمد بن حنبل، محمد بن نوح اور قواریری کے سوا بغداد کے تمام علماء نے خلق قرآن کا اقرار کر لیا۔ قاضی کے حکم سے امام احمد وغیرہ کو قید کر کے مامون کی طرف بھجوا دیا گیا لیکن اس سے پہلے کہ مامون ان مردان خدا پر تلوار اٹھاتا، سیف قضا نے خود اس کا کام تمام کر دیا۔

امام احمد کے شاگرد احمد بن غسان کہتے ہیں کہ خلیفہ کے حکم پر مجھے اور امام احمد بن حنبل کو گرفتار کر کے اسکے پاس لے جایا جا رہا تھا، راستہ میں امام احمد بن حنبل کو یہ خبر پہونچی کہ خلیفہ مامون رشید نے قسم کھائی ہے کہ اگر احمد بن حنبل نے خلق قرآن کا قول نہ کیا تو وہ انکو اور انکے شاگرد کو مار مار کر ہلاک کر دے گا۔ اس وقت امام احمد نے آسمان کی طرف سر اٹھا کر کہا۔ اے اللہ آج اس فاجر کو یہاں تک جرأت ہو گئی ہے کہ یہ تیرے اولیاء کو للکارتا ہے۔ اگر تیرا قرآن غیر مخلوق ہے تو تو ہم سے اس مشقت کو دور فرما۔ ابھی رات کا ایک تہائی حصہ بھی نہیں گزرا تھا کہ سپاہی دوڑتے ہوئے آئے اور کہا اے ابوعبداللہ تم واقعی سچے ہو اور قرآن غیر مخلوق ہے۔ قسم بخدا خلیفہ ہلاک ہو گیا۔

۲۱۸ھ میں مامون رشید ہلاک ہوا اور اس کا بھائی معتصم باللہ بن ہارون رشید تخت حکومت پر قابض ہوا۔ مامون کی طرح معتصم بھی اعتزال کا حامی تھا۔ اس نے حکومت سنبھالنے کے بعد عقیدہ اعتزال کی ترویج کی پہلے مختلف حیلوں سے امام احمد کو اعتزال کی طرف مائل کرنے کی کوشش کرتا رہا۔ بالآخر ۲۲۰ھ میں اس نے امام احمد بن حنبل کو دربار خلافت میں طلب کیا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب امام احمد کی عمر ۵۶ سال کی ہو چکی تھی۔ شباب رخصت ہو چکا تھا اور ان کا جسم بڑھاپے کی سرحد میں داخل اور نحیف و نزار تھا لیکن اعصاب فولاد کی طرح مضبوط اور قوت ارادی چٹان سے کہیں زیادہ راسخ تھی۔

خلیفہ کے سامنے ایک طویل مناظرہ ہوا۔امام احمد کا بنیادی نکتہ یہ تھا کہ قرآن کلام اللہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اگر یہ حادث ہو تو اللہ تعالیٰ کی ذات محل حوادث بن جائے گی اور یہ محال ہے۔خلیفہ سے امام احمد کی اس دلیل کا کوئی جواب نہ بن سکا۔بالآخر معتزلی قاضی اور اس کے حواری معتزلی علماء نے کہا کہ ہم فتوی دیتے ہیں کہ اس شخص کا خون آپ پر مباح ہے۔آپ اس کو قتل کر دیں۔خلیفہ نے جلاد کو بلایا اور اس سے کہا کہ احمد بن حنبل کے جسم پر کوڑے مارو۔

ایک جلاد جب کوڑے مارتے مارتے شل ہو جاتا تو دوسرا جلاد آجاتا اس طرح بار بار جلاد بدلتے رہے اور امام احمد بن حنبل صبر و استقامت سے کوڑے کھاتے رہے۔

اس فتنہ میں چار علماء ثابت قدم رہے اور آپ سب کے سردار ہیں۔دوسرے محمد بن نوح بن میمون کہ انکا انتقال راستہ ہی میں ہو گیا تھا۔تیسرے نعیم بن حماد خزاعی،ان کا انتقال قید خانہ میں ہوا۔ابو یعقوب بویطی،انکا وصال بھی قید خانہ میں ہوا،چوتھے احمد بن نصر خزاعی۔

امام احمد بن حنبل کو جب کوڑے مارے جارہے تھے تو اسی اثنا میں ضرب شدید کی وجہ سے آپ کا ازار بند ٹوٹ گیا،قریب تھا کہ بے ستری ہو جاتی،آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی، یا غیاث المستغثین،یا الہ العالمین،تو خوب جانتا ہے اگر میں حق پر ہوں تو میری پردہ پوشی فرما۔فوراً آپ کا پاجامہ اپنی جگہ رک گیا۔

دار الخلافت سے اسحاق بن ابراہیم معتزلی کے مکان پر لائے گئے تو آپ روزہ دار تھے۔کمزوری بہت تھی،لہذا کھانے کیلئے ستو وغیرہ لائے گئے لیکن آپ نے روزہ مکمل فرمایا۔ظہر کی نماز وہیں ادا فرمائی،قاضی ابن سماعہ نے کہا آپ نے نماز خون آلود جسم و کپڑوں میں پڑھ لی؟ فرمایا:حضرت عمر نے بھی اسی حالت میں نماز پڑھی تھی۔یہ سنکر قاضی صاحب خاموش ہو گئے۔

## فضل وکمال:

آپکے علم وفضل،زھد وتقوی،اور ابتلاء وامتحان میں استقامت پر ان کے زمانہ کے اکابر،معاصرین اور معتقدین نے بے پناہ خراج تحسین پیش کیا ہے۔

امام ابوداؤد فرماتے ہیں:

میں نے دو سو ماہرین علم سے استفادہ کیا لیکن ان میں امام احمد کے مثل کوئی نہ تھا۔ وہ کبھی عام دنیاوی کلام نہیں کرتے، جب گفتگو کرتے تو موضوع سخن کوئی علمی مسئلہ ہوتا۔

حافظ ابوزرعہ کہتے ہیں: امام احمد علم وفن میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔

قتیبہ بن سعید کہتے ہیں: اگر امام احمد بن حنبل کا زمانہ امام مالک، سفیان ثوری اور اوزاعی کا زمانہ ہوتا علم وفضل میں ان پر مقدم ہوتے۔ اور امام احمد نہ ہوتے تو دنیا سے تقوی اٹھ جاتا۔

اسحاق بن راھویہ کہتے تھے، اگر اسلام کی خاطر امام احمد کی قربانیاں نہ ہوتیں تو آج ہمارے سینوں میں اسلام نہ ہوتا۔

ابوعبداللہ بجستانی بیان کرتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ خواب میں حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوا، پوچھا حضور ہم اس زمانہ میں کس کی اقتداء کریں، فرمایا: احمد بن حنبل کی۔ امام مزنی کہتے ہیں، آپ کی ذات خلفائے راشدین کے اسوۂ حسنہ کا نمونہ تھی ہلال بن معافی کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے اس امت پر چار عظیم شخصیتوں کے ذریعہ احسان فرمایا: امام شافعی، ابوعبید، یحیی بن معین، احمد بن حنبل۔

آپکے استاد یحیی بن سعید قطان فرماتے تھے۔ بغداد میں جولوگ آئے سب میں مجھے احمد بن حنبل زیادہ محبوب ہیں۔

**زہد وتقوی:** آپکے زہد وتقوی کی متعدد مثالیں گذریں، شان استغناء کا یہ عالم تھا کہ آپکے استاذ امام عبدالرزاق نے کچھ رقم آپکی ناداری کے زمانہ میں بھیجی تو آپ کے غیور ضمیر نے لینا گوارہ نہ کی اور خود محنت ومشقت کر کے اپنی ضرورت پوری فرمائی۔

حسن بن عبدالعزیز کو ایک لاکھ دینار وراثت سے ملے، اس نے ان میں سے تین ہزار دینار آپکی خدمت میں پیش کئے اور عرض کیا کہ یہ مال حلال ہے آپ اس سے فائدہ اٹھائیں اور اپنے عیال پر خرچ کریں، لیکن آپ نے یہ کہکر دینار واپس فرمادیئے کہ مجھے انکی ضرورت نہیں۔

علمی اور نظری مصروفیات کے باوجود آپ عبادت میں قدم راسخ رکھتے تھے، آپ کے صاحبزادے بیان کرتے ہیں کہ آپ دن اور رات میں تین سو نوافل پڑھا کرتے تھے۔ آپ نوافل میں قرآن پڑھتے اور سات راتوں میں ایک قرآن مجید ختم فرماتے۔

آپ کو کبھی تلاش کیا جاتا تو آپ یا تو مسجد میں ملتے، یا نماز جنازہ میں، یا کسی مریض کے یہاں عیادت میں۔

محبت رسول سے قلب وسینہ معمور تھا، آپ کے صاحبزادے عبداللہ بیان کرتے ہیں، کہ آپکے پاس حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ایک موئے مبارک تھا، اس مقدس بال کو ہونٹوں پر رکھ کر چومتے اور کبھی آنکھوں سے لگاتے، جب کبھی بیمار ہوتے اس کو پانی میں ڈال کر اس کا غسالہ پیتے جس سے شفا حاصل ہوتی۔

آپ مستجاب الدعوات تھے، لوگ کثرت سے دعا کیلئے آپکی خدمت میں حاضر ہوتے اور آپ خوبصورتی سے ٹال بھی دیتے تھے۔

علی بن حرارہ کا بیان ہے کہ میں اپنی اپاہج ماں کیلئے دعا کرانے حاضر ہوا، فرمایا، ہم خود دعا کے محتاج ہیں ان سے کہنا ہمارے لئے دعا کیا کریں، میں گھر واپس آیا تو دیکھا والدہ گھر میں ٹھیک ٹھاک چل پھر رہی ہیں۔

**وصال:** آپ ابتلاء وآزمائش کے بعد اکیس سال تک زندہ رہے، خلق خدا کو فیض پہونچاتے رہے، کوڑوں کی تکلیف آخر عمر تک محسوس کرتے تھے، لیکن عبادت وریاضت میں مستقیم اور درس وتدریس میں ہمہ تن مصروف رہے۔

۱۲ ربیع الاول ۲۴۱ھ بروز جمعہ آپ نے وصال فرمایا: یہ معتصم کے بیٹے واثق باللہ کا زمانہ تھا۔ محمد بن طاہر نے اپنے دربان کے ہاتھ کفن کیلئے مختلف چیزیں بھیجیں اور کہا: یہ خلیفہ کی طرف سے سمجھو کہ اگر وہ خود یہاں ہوتا تو یہ چیزیں بھیجتا۔

صاحبزادگان نے کہا: آپکی حیات ظاہری میں خلیفہ نے آپکی ناپسندیدہ چیزوں سے آپکو معذور رکھا تھا لہذا ہم بھی یہ کفن نہیں لیں گے اور آپ کو ان کپڑوں میں کفن دیا گیا جو آپ کی

باندی نے بن کر تیار کیا تھا۔ آپکے غسل میں دارالخلافہ کے تقریباً سو خاندان بنو ہاشم کے شہزادگان تھےاور سب آپکی پیشانی کو چومتے تھے۔

بیشمار لوگ نماز جنازہ میں حاضر ہوئے۔ کئی مرتبہ نماز جنازہ ہوئی، لوگوں کی بھیڑ میں خلیفہ کا نائب بھی عام لوگوں کی طرح حاضر رہا۔ اسکے حکم سے تعداد کا اندازہ کیا گیا تو دس لاکھ سے بیس لاکھ تک کی روایتیں منقول ہیں۔ اس کثرت ازدحام اور مقبولیت انام سے متاثر ہوکر بیس ہزار یہود ونصاری اور مجوس نے اسلام قبول کیا۔

عبدالوہاب وراق کہتے ہیں:

جاہلیت اور اسلام میں کبھی کسی کے جنازہ پر اتنے لوگ جمع نہیں ہوئے جتنے آپکے جنازہ میں تھے۔

امام احمد بن حنبل نے جس طرح خدمت دین انجام دی اور امتحان میں صبر واستقامت سے کام لیا اس پر اللہ تعالیٰ نے انہیں بیحد انعام واکرام سے نوازا، حشیش بن ورد کہتے ہیں کہ میں خواب میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوا میں نے پوچھا، حضور احمد بن حنبل کا کیا حال ہے؟ فرمایا عنقریب حضرت موسیٰ تشریف لاتے ہیں ان سے پوچھنا۔ جب حضرت موسیٰ تشریف لائے تو میں نے پوچھا اے اللہ کے نبی! احمد بن حنبل کا کیا حال ہے؟ فرمایا انہیں عیش وراحت اور تنگی وتکلیف میں کیا گیا لیکن ہر حال میں ان کو صدیق پایا گیا پس ان کو صدیقین کے ساتھ لاحق کردیا گیا۔

مروزی کہتے ہیں: میں نے وصال کے بعد امام احمد بن حنبل کو خواب میں دیکھا انہوں نے سبز رنگ کے دو حلے پہنے ہوئے تھے اور پیروں میں چمکتے ہوئے سونے کی دو نعلین تھیں۔ جن کے تسمے سبز زمرد کے تھے اور سر پر جواہر سے مرصع ایک تاج تھا اور وہ بڑے ناز سے چل رہے تھے میں نے پوچھا اے ابوعبداللہ یہ کیسی چال ہے؟ فرمایا یہ جنت کے خدام کی چال ہے پھر میں نے پوچھا اے اللہ کے حبیب! یہ آپ کے سر پر تاج کیسا ہے؟ فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھے بخش دیا اور مجھے اپنی جنت میں داخل کرلیا میرے سر پر تاج رکھا اور اپنا دیدار مجھ پر مباح کردیا اور فرمایا اے

احمد یہ تیرے کلام اللہ غیر مخلوق کہنے کا صلہ ہے۔

**تصانیف:** آپ نے متعدد کتابیں تصنیف فرمائیں، ان میں مسند احمد نہایت مشہور ہے۔آپ نے اسکو بیاض کی صورت میں جمع فرمایا تھا اور اسکی با قاعدہ ترتیب کی مہلت آپ کو نہ ملی۔آپکے بعد آپکے صاحبزادے حضرت عبداللہ اور اس مسند کے راوی حضرت ابوبکر قطیعی نے اس میں کچھ اضافے کئے اور پھر اسکی ترتیب حضرت عبداللہ نے انجام دی۔

امام احمد بن حنبل نے اس مسند کو ساڑے سات لاکھ احادیث سے منتخب فرمایا تھا، اب اس میں ستائیس ہزار ایک سو احادیث ہیں جنکو آٹھ سو صحابہ کرام سے روایت کیا گیا ہے۔رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔

امام سیوطی نے فرمایا: مسند احمد کی ہر حدیث مقبول ہے۔

اب یہ مسند الفتح الربانی کے نام سے ۱۲ مجلدات میں ترتیب فقہی پر بھی مرتب ہوگئی ہے جسکو اقسام کے تحت شیخ احمد بن عبدالرحمٰن ساعاتی نے پیش کیا ہے جو بطور حاشیہ فوائد علمیہ پر بھی مشتمل ہے۔(۱۷)
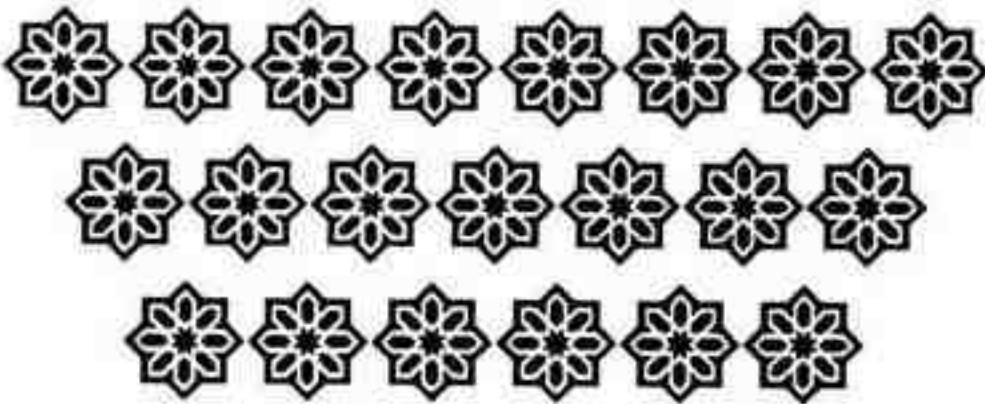
# امام بخاری

**نام ونسب :** نام، محمد۔ کنیت، ابوعبداللہ۔ والد کا نام۔ اسمعیل۔لقب، امیر المومنین فی الحدیث اور امام بخاری ہے، سلسلۂ نسب یوں ہے۔

ابوعبداللہ محمد بن اسمعیل بن ابراہیم بن مغیرہ جعفی۔ آپکے جدامجد مغیرہ بن بروزبہ جعفی مجوسی تھے۔ حاکم بخارا یمان جعفی کے ہاتھ پر مشرف باسلام ہوئے، اسی نسبت سے جعفی کہلاتے، امام بخاری کو بھی جعفی اسی وجہ سے کہا جاتا ہے۔

**ولادت وتعلیم :**

ولادت ۱۳؍شوال ۱۹۴ھ میں ماوراء النھر کے مشہور شہر بخارا میں ہوئی۔ ایام طفولیت میں والد کا انتقال ہوگیا، والدہ ماجدہ نے پرورش کی۔ آپ بچپن ہی میں نابینا ہو گئے تھے۔ اطباء ومعالجین کی کوششوں کے باوجود آپ کی بینائی واپس نہ آسکی۔

آپکی والدہ ماجدہ نہایت عابدہ زاہدہ تھیں، اور روکر رات کو دعائیں کرتیں آخر کار آپکے نالہائے شب کا ثمرہ ظاہر ہوا۔ ایک رات خواب میں دیکھا کہ حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والتسلیم تشریف لائے اور فرمایا، بشارت ہو کہ تمہارے فرزند کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے بینائی عطا کی۔ صبح کو بیدار ہوئے تو بینا تھے۔

ابتدائی تعلیم کے بعد آپ نے بخارا کے درس حدیث میں داخلہ لیا، انتہائی لگن اور محنت سے جلد ہی اپنے ساتھیوں میں امتیازی مقام حاصل کرلیا اور اساتذہ کی توجہ کا مرکز بن گئے۔

**حج وزیارت :** اٹھارہ سال کی عمر میں برادر اکبر احمد بن اسمعیل اور والدہ ماجدہ کے ساتھ سفر

حرمین کیلئے روانہ ہوئے۔ حج وزیارت سے فارغ ہوکر آپ وہیں ٹھر گئے اور حصول علم حدیث شب وروز کا مشغلہ تھا۔ اسی دوران آپ نے قضایا الصحابہ والتابعین کے نام سے ایک کتاب لکھی۔

اسی زمانہ میں اسکے بعد چاندنی راتوں میں روضۂ انور کے مواجھہ اقدس میں بیٹھ کر تاریخ کبیر تصنیف کی۔ آپکی اس تصنیف کی متعدد نقلیں وہاں کے حضرات نے لیں، یہ زمانہ آپ کی نوجوانی کا تھا۔

**قوت حافظہ:** امام بخاری کو اللہ رب العزت نے عظیم قوت حافظہ سے سرفراز فرمایا تھا۔ آپکے ساتھی حاشد بن اسمٰعیل کہتے ہیں: آپ ہمارے ساتھ بچپن میں حدیث کی سماعت کیلئے مشائخ بصرہ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے، سب لوگ احادیث سنکر لکھتے لیکن آپ صرف سماعت کرتے۔ سولہ دن کے بعد ہم نے ان سے کہا: آپ بلاوجہ وقت ضائع کررہے ہیں کہ سب طلبہ کے برخلاف آپ سماعت پر تکیہ کرلیتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: اچھا آپ سب لوگ اپنے نوشتے لاؤ اور مجھ سے سنکر مقابلہ کرو۔

ہم نے ایسا کیا، سنکر ہماری حیرت کی انتہاء نہ رہی کہ ۱۶ ایام میں حاصل شدہ پندرہ ہزار احادیث آپ نے فرفر سنادیں، گویا معلوم ہوتا تھا کہ یہ سب روایات آپ نے ہی ہمیں املا کرائی تھیں۔

## تعلیم کیلئے اسفار:

امام بخاری کے اساتذہ کی تعداد کثیر ہے، آپ نے شہر در شہر اور قریہ قریہ سفر کرکے ائمہ کرام سے احادیث سماعت کیں۔ خود فرماتے ہیں:

میں نے طلب علم میں مصر وشام کا دومرتبہ دورہ کیا۔ چار مرتبہ بصرہ گیا، چھ سال حجاز مقدس میں رہا، اور کوفہ وبغداد کا شمار نہیں کہ کتنی مرتبہ سفر کیا۔

## علم وفضل:

آپ کو اللہ رب العزت نے قوت حافظہ کے ساتھ جودت ذہن اور نکتہ رس فکر سے بھی نوازا تھا۔ معاصرین نے بارہا آپ کا امتحان لیا لیکن ہر مرتبہ آپ کامیاب وفائز المرام رہے۔ روایتوں کی طرق پر آپ کو خصوصی طور سے ملکہ تھا۔

بغدادشریف میں سواحادیث کی سندوں میں الٹ پھیر کی گئی لیکن آپ نے مجمع عام میں انکی تصحیح کر کے سب سے خراج تحسین حاصل کیا۔ سمرقند میں بھی چارسو محدثین نے آپ کو آزمانا چاہا لیکن آپ نے تمام سندوں کے برمحل جواب عنایت فرمائے۔

علل حدیث کو فنون حدیث میں نہایت اہمیت حاصل ہے اور بہت مشکل فن سمجھا جاتا ہے حتی کہ عبدالرحمٰن مہدی کا کہنا ہے کہ یہ علم بغیر الہام حاصل نہیں ہوتا۔ لیکن آپ کو اس پر ایسا عبور حاصل تھا کہ شاید وباید۔

حافظ احمد بن حمدون کہتے ہیں، امام ذہلی نے اسماء وعلل کے بارے میں جب ایک موقع پر سوالات کئے اور آپ نے جواب دینا شروع کئے تو ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ آپکے منہ سے جواب نہیں بلکہ کمان سے تیر نکل رہا ہو۔

**شمائل وخصائل:** امام بخاری کے والد نہایت دولت منداور امیر کبیر شخص تھے، وراثت میں کافی مال ملا تھا لیکن کبھی آپ نے خود تجارت نہیں کی بلکہ ہمیشہ بیع مضاربت پر رقم دیتے تھے۔ اس مال ومتاع اور تمول کے باجود آپ نے ہمیشہ سادہ زندگی گذاری اور کفایت شعاری وجفاکشی اختیار کی اور علمی انہماک ہی پوری حیات آپ کا مشغلہ رہا۔ سخاوت وفیاضی آپ کا عام شیوہ تھا۔ عیش وعشرت سے ہمیشہ کوسوں دور رہے۔ عبادت وریاضت اور شب بیداری کرتے اور کثرت سے نوافل پڑھتے۔

## فقہی مسلک:

امام بخاری کی تصانیف میں اس بات کی صراحت تو نہیں کہ آپ کا فقہی مسلک کیا تھا ،البتہ امام تاج الدین سبکی، امام قسطلانی اور آخر میں نواب صدیق حسن خاں بھوپالی نے آپ کو ائمہ شافعیہ میں شمار کیا ہے۔ لیکن یہ بات گویا طے شدہ ہے کہ آپ محض مقلد نہیں تھے بلکہ مجتہد فی المسائل تھے۔ آپ کی مثال شوافع میں ایسی ہی ہے جیسے امام ابو جعفر طحاوی کی احناف میں۔

امام بخاری کی مدح وثناء تلامذہ، معاصرین حتی کہ اساتذہ نے بھی کی ہے جو آپکے علم وفضل کا بین ثبوت ہیں۔

آپ نے پوری عمر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ کی تلاش میں گذاری ،اگر چہ آپ کو کسی جگہ سکون سے بیٹھنے اور کام کرنے کا موقع نہیں ملا ،لیکن پھر بھی آپ نے تقریباً دودرجن کتابیں تصنیف فرمائیں ،ان میں صحیح بخاری کو شہرت دوام حاصل ہے اور آج جسکو اصح الکتب بعد کتاب اللہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

**وصال:** یکم شوال ۲۵۶ھ کو باسٹھ سال کی عمر شریف میں آپ کا وصال سمرقند کے قریب خرتنگ نامی بستی میں ہوا۔آپ کی قبر انور سے ایک زمانہ تک مشک کی خوشبو آتی تھی اور دور دراز سے لوگ آکر بطور تبرک لے جاتے تھے۔

# صحیح بخاری

امام بخاری نے اس کتاب کا نام " الجامع الصحیح المسند المختصر من امور رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم وسننه وایامه " رکھا تھا ،اب یہ بخاری شریف کے نام سے مشہور و معروف ہے۔

صحیح بخاری کا اصل موضوع احادیث مرفوعہ مسندہ ہیں اور انہیں احادیث کی صحت کا آپ نے التزام کیا ہے۔انکے علاوہ جو تعلیقات ،متابعات ،شواہد ،آثار صحابہ ،اقوال تابعین اور ائمہ فتاوی کے احکام ذکر کئے ہیں وہ سب بالتبع ہیں اور اس ضمن میں جو احادیث ذکر کی ہیں وہ امام بخاری کے موضوع سے خارج ہیں اور نہ ہی انکی صحت کا التزام کیا گیا ہے۔

امام بخاری نے اپنی صحیح میں حدیث وارد کرنے کی یہ شرط مقرر کی ہے کہ انکے شیخ سے لیکر صحابی تک تمام راوی ثقہ اور متصل ہوں۔

صحیح بخاری کی تعداد مرویات میں علماء کا اختلاف ہے۔حافظ ابن صلاح کی تحقیق یہ ہے کہ کل تعداد (۷۲۷۵) ہے،اور حذف مکررات کے بعد یہ تعداد (۴۰۰۰) ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی کی تحقیق کے مطابق کل تعداد (۹۰۸۲) ہے اور حذف مکررات کے بعد احادیث مرفوعہ کی تعداد دو ہزار چھ سو تیئس (۲۶۲۳) رہ جاتی ہے۔(۱۸)

# امام مسلم

**نام ونسب:** نام، مسلم ۔کنیت ،ابوالحسین ۔لقب عسا کر الملت والدین ۔اور والد کا نام الحجاج بن مسلم ہے۔سلسلہ نسب یوں ہے، مسلم بن الحجاج بن مسلم بن درد بن کرشاد القشیری ۔آپ کا سلسلہ نسب عرب کے مشہور قبیلہ بنو قشیر سے ملتا ہے اسی لئے آپ کو قشیری کہا جاتا ہے۔

**ولادت وتعلیم:** خراسان کے مشہور اور عظیم شہر نیشاپور میں آپکی ولادت ہوئی ،سنہ ولادت ۲۰۲ھ یا ۲۰۶ھ ہے۔نیشاپور اس زمانہ کا بقول علامہ حموی معدن الفضلا ،ومنبع العلماء تھا۔وہاں سے اتنے علماء وائمہ نکلے جنکا شمار نہیں۔

امام سبکی نے فرمایا: یہ شہر اس قدر بڑے ،اور عظیم شہروں میں تھا کہ بغداد کے بعد اس کی نظیر نہ تھی۔.مورخین نے اسکو امہات البلاد کہا ہے۔

ابتدائی تعلیم نیشاپور میں حاصل کی ،اس وقت وہاں امام ذہلی اور اسحاق بن راہویہ جیسے امام فن موجود تھے۔آپ نے احادیث کی سماعت چودہ سال کی عمر شریف سے شروع کردی تھی۔ علم حدیث حاصل کرنے کے لئے آپ نے دور دراز کا سفر کیا اور مختلف مقامات کی خاک چھانی ۔عراق، حجاز، شام اور مصر وغیرہ مقامات کا متعدد مرتبہ دورہ کیا۔بغداد معلی کئی بار گئے یہاں تک کہ آپ نے ایک زمانہ میں درس بھی دیا تھا۔

**شمائل وخصائل:** آپ سرخ وسفید رنگ ،بلند قامت اور وجیہ شخصیت کے مالک تھے، سر پر عمامہ باندھتے تھے۔علم دین کو کبھی ذریعہ معاش نہیں بنایا، کپڑوں کی تجارت کر کے ضروریات پوری فرماتے۔آپ کے خصائل میں سے ہے کہ عمر بھر نہ کسی کی غیبت کی ،نہ کسی کو مارا اور نہ کسی کے ساتھ درشت کلامی کی۔

**اساتذہ**: آپکے اساتذہ کا شمار مشکل ہے چند حضرات یہ ہیں۔محمد بن یحیی ذہلی ، اسحاق بن راہویہ،محمد بن مہران ،ابوغسان ،امام احمد بن حنبل ،عبداللہ بن مسلمہ قعنبی ،احمد بن یونس یربوعی ، سعید بن منصور ،ابومصعب ،حرملہ بن یحیی ،ھیثم بن خارجہ،شیبان بن فروخ ،امام بخاری۔

**تلامذہ**: آپکے تلامذہ کا حصر واستیعاب بھی نہیں کیا جاسکتا۔چند مشاہیر کے اسماء اس طرح ہیں امام ترمذی ،امام ابوحاتم رازی ،ابن خزیمہ ،ابوعوانہ ،ابوعمرو مستملی ،عبداللہ بن الشرقی۔علی بن اسماعیل الصفار۔

## علم وفضل:

آپ فن حدیث میں عظیم صلاحیتوں کے مالک تھے ،حدیث صحیح وسقیم کی پہچان میں وہ اپنے زمانہ کے اکثر محدثین پر فوقیت رکھتے تھے حتی کہ بعض امور میں ان کو امام بخاری پر بھی فضیلت حاصل تھی ، کیونکہ امام بخاری نے اہل شام کی اکثر روایات بطریق مناولہ حاصل کی ہیں جسکے سبب کبھی غلطی واقع ہوجاتی ہے اور نام وکنیت کے تعدد سے آپ ایک راوی کو دو سمجھ لیتے ہیں ۔امام مسلم نے براہ راست سماع کیا ہے جسکی وجہ سے آپ مغالطہ نہیں کھاتے۔

امام مسلم کی خدمات ،انکے کمالات اور قوت حافظہ کی وجہ سے لوگ اس قدر گرویدہ تھے کہ اسحاق بن راہویہ جیسے امام فن کہتے ہیں۔

خدا جانتا ہے کہ یہ شخص کتنا عظیم انسان ہوگا۔

امام ابوزرعہ اور امام ابوحاتم رازی اپنے ہمعصر مشائخ پر آپکو فضیلت دیتے تھے۔

ابن اخرم نے کہا:

نیشاپور نے تین محدث پیدا کئے۔محمد بن یحیی ،ابراہیم بن ابی طالب ،امام مسلم۔

ابوبکر جارودی کہتے تھے :امام مسلم علم کے محافظ تھے۔مسلمہ بن قاسم نے کہا وہ جلیل القدر امام تھے۔

بندار نے کہا: دنیا میں صرف چار حفاظ ہیں ۔ابوزرعہ،محمد بن اسمعیل بخاری ،دارمی اور مسلم بن حجاج۔

آپکے ایک استاذ محمد بن عبد الوہاب فراد کہتے تھے۔
مسلم علم کا خزانہ ہیں میں نے ان میں خیر کے سوا کچھ نہیں پایا۔

**وصال**: آپ کے وصال کا واقعہ بھی نہایت عجیب بیان کیا جاتا ہے کہ کسی مجلس میں آپ سے ایک حدیث کے بارے میں سوال ہوا، اتفاق سے وہ حدیث یاد نہ آئی، گھر آکر اس حدیث کو کتابوں میں تلاش کرنا شروع کیا، قریب ہی کھجوروں کا ایک ٹوکرا بھی رکھا تھا، حدیث کی تلاش کے دوران ایک ایک کھجور اٹھا کر کھاتے رہے اور اس انہماک میں مقدار کی طرف توجہ نہ ہوسکی اور پورا ٹوکرا خالی ہوگیا، جب حدیث مل گئی تو مڑ کر دیکھا تو کھجوریں زیادہ کھالینے کا احساس ہوا، اس کی وجہ سے آپ بیمار ہوگئے اور ۲۴/رجب ۲۶۱ھ بروز اتوار وصال ہوگیا۔

## صحیح مسلم

آپکی تصانیف کی تعداد بیس سے متجاوز ہے لیکن صحیح مسلم کو عظیم شہرت اور قبولیت عامہ کا شرف حاصل ہے۔ حتی کہ متقدمین میں بعض مغاربہ اور محققین نے صحیح مسلم کو صحیح بخاری پر بھی فوقیت دی ہے۔

امام بخاری کا مقصد احادیث صحیحہ مرفوعہ کی تخریج اور فقہ وسیرت نیز تفسیر وغیرہ کا استنباط تھا اس لئے انہوں نے موقوف معلق، صحابہ وتابعین کے فتاوی بھی نقل کئے جسکے نتیجہ میں احادیث کے متون وطرق کے ٹکڑے کتاب میں بکھر گئے۔ اور امام مسلم کا مقصد صرف احادیث صحیحہ کو منتخب کرنا ہے، وہ استنباط وغیرہ سے تعرض نہیں کرتے بلکہ ہر حدیث کے مختلف طرق کو حسن ترتیب سے یکجا بیان کرتے ہیں جس سے متون کے اختلاف اور مختلف اسانید سے واقفیت حاصل ہوتی ہے اس لئے احادیث منقطعہ وغیرہ کی تعداد نادر ہے۔

آپ نے اپنے شیوخ سے براہ راست سماعت کی ہوئی تین لاکھ احادیث سے صحیح مسلم کا انتخاب کیا ہے، اور مختلف حیثیات سے احادیث کی تعداد چار ہزار، آٹھ ہزار اور بارہ ہزار شمار کی گئی ہے۔ کتاب کی ترتیب میں ابواب کا لحاظ تو آپ نے رکھا تھا لیکن تراجم ابواب قائم نہیں فرمائے، آپکے بعد دیگر محدثین نے یہ کام انجام دیا۔ (۱۹)

# امام ابوداؤد

**نام ونسب:** نام،سلیمان ۔کنیت ،ابوداؤد۔والد کا نام،اشعث ،اور سلسلہ نسب اس طرح ہے۔ ابوداؤدسلیمان بن اشعث بن اسحاق بن بشیر بن شداد بن عمرو بن عمران الازدی السجستانی ۔ کہتے ہیں آپکے جدامجد عمران نے جنگ صفین میں حضرت علی کا ساتھ دیا تھااوراس میں شہادت پائی۔

**ولادت وتعلیم:**

آپکی ولادت ۲۰۲ھ میں ملک سجستان (اسبستان) میں ہوئی جو سندھ اور ہرات کے درمیان ہندوستان کے پڑوس میں قندھار سے متصل واقع ہے۔

آپ نے جس زمانہ میں ہوش سنبھالا اس وقت علم حدیث کا حلقہ بہت وسیع ہو چکا تھا، آپ نے بلاد اسلامیہ کا عموما دورہ کیا اور بالخصوص مصر،شام،حجاز،عراق اور خراسان کے سفر اختیار کئے اور اس دور کے مشاہیر اساتذہ وشیوخ سے علم حدیث حاصل کیا اور متعدد بار بغداد کا سفر فرمایا ،پھر آخر میں بغداد ہی کو آپ نے وطن بنالیا۔لیکن ۲۷۱ھ میں بعض وجوہ کی بناپر بغداد کوخیر باد کہہ کر بصرہ میں مقیم ہو گئے تھے۔

**اساتذہ:** جن اساتذہ وشیوخ سے آپ نے علم حدیث وفقہ کی تعلیم حاصل کی ان کا احاطہ مشکل ہے۔علامہ ابن حجر عسقلانی نے آپکے تین سوشیوخ کی تعداد تحریر کی ہے،ان میں بلند پایہ محدثین وفقہاء شمار کئے جاتے ہیں،جیسے امام احمد بن حنبل ،اسحاق بن راہویہ،قتیبہ ،ابوالولید طیالسی ،یحیی بن معین،ابوبکر بن ابی شیبہ،عثمان بن ابی شیبہ وغیرہم۔

**تلامذہ:** آپکے حلقہ درس میں شریک ہونے والے بیشمار ہیں،بعض اوقات ہزاروں کا جم غفیر بھی

ہوتا تھا، امام احمد بن حنبل اگرچہ آپکے استاذ حدیث ہیں لیکن آپ سے روایت بھی کی ہے۔ آپ کے تلامذہ میں چار حضرات جماعت محدثین کے پیشوااور سردار ہوئے ہیں۔

آپکے صاحبزادے ابوبکر بن ابی داؤد۔ ابوعلی محمد بن احمد بن عمر لولوی۔ ابوسعید احمد بن محمد بن زیاد اعرابی۔ ابوبکر محمد بن عبدالرزاق بن داسہ۔

**علم وفضل**: حافظ محمد بن اسحاق صنعانی اور ابراہیم حربی فرماتے تھے:

امام ابوداؤد کیلئے اللہ تعالیٰ نے علم حدیث ایسا نرم کردیا تھا جیسے حضرت داؤد علیہ السلام کیلئے لوہا۔

محمد بن لیث کہتے ہیں:

امام ابوداؤد دنیا میں علم حدیث کے لئے اور آخرت میں جنت کے لئے پیدا کئے گئے

موسیٰ بن ہارون نے کہا:

میں نے ان سے افضل کسی کو نہ دیکھا۔

امام حاکم نے فرمایا:

علم حدیث میں آپکی امامت مسلم چیز ہے۔

اصحاب صحاح ستہ کی بہ نسبت آپ پر فقہی ذوق زیادہ غالب تھا، چنانچہ علامہ شیخ ابو اسحاق شیرازی نے صرف آپ کو طبقات فقہاء میں شمار کیا ہے، وجہ بھی معقول ہے کہ احادیث فقہیہ کے حصر واستیعاب کے سلسلہ میں ابوداؤد کو جو بات حاصل ہے وہ دوسرے مصنفین صحاح ستہ کو حاصل نہیں۔ علامہ یافعی نے آپ کو حدیث وفقہ دونوں کا امام کہا ہے۔

حفظ حدیث اور اتقان وروایت کے ساتھ آپ زھد وعبادت میں بھی یکتائے روزگار تھے ،یقین وتوکل میں مثالی کردار ادا فرماتے ،اس لئے آپکی مجلس میں ہر طرح کے لوگ حاضری دیتے، طلبہ وعلماء، شاہان وقت وامراء اور محدثین وصوفیاء سب نے آپکی بارگاہ میں نیازمندانہ حاضری دی ہے۔

ایک مرتبہ مشہور عارف باللہ حضرت سہل بن عبداللہ تستری آپ سے ملاقات کیلئے حاضر ہوئے، جب آپ کو معلوم ہوا تو آپ کو نہایت خوشی ہوئی اور خوش آمدید کہتے ہوئے تشریف

لائے۔ حضرت سہل نے کہا: اے امام! ذرا اپنی وہ مبارک زبان دکھائیں جس سے آپ احادیث رسول بیان کرتے ہیں تاکہ میں اس مقدس زبان کو بوسہ دوں۔ آپ نے زبان منہ سے باہر نکالی توانتہائی عقیدت سے آپ نے اسکو چوم لیا۔

**وصال** ۔ ۱۶ رشوال ۲۷۵ھ بروز جمعہ وصال فرمایا اور بصرہ میں امام سفیان ثوری کے پہلو میں مدفون ہوئے۔

## سنن ابی داوٗد

آپکی پوری زندگی طلب حدیث اور مختلف بلاد کے سفر میں گذری لیکن اسکے باوجود آپ نے تقریباً بیس کتابیں تصنیف فرمائیں۔ ان سب میں سنن ابی داوٗد کو غیر معمولی شہرت حاصل ہوئی جو آپکے نام کو قیامت تک زندہ رکھنے کیلئے کافی ہے۔ تمام طبقات فقہاء میں مسلکی اختلاف کے باوجود یہ کتاب مقبول رہی ہے۔

حسن بن محمد بن ابراہیم کہتے ہیں: ایک بار میں نے خواب میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دیدار پرانوار کیا، حضور فرمارہے تھے، جو شخص سنن کا علم حاصل کرنا چاہے وہ سنن ابی داوٗد کا علم حاصل کرے۔ حضور کے اس فرمان سے ظاہر ہوا کہ یہ کتاب بارگاہ رسالت میں مقبول ہے۔

پانچ لاکھ احادیث سے انتخاب کرکے آپ نے یہ کتاب تصنیف فرمائی جو اپنی نظیر آپ ہے، امام غزالی فرماتے ہیں:

علم حدیث میں صرف یہ ہی ایک کتاب مجتہد کیلئے کافی ہے۔

آپ نے یہ کتاب اپنے شیخ امام احمد بن حنبل کی حیات ہی میں لکھی اور مکمل کرکے پیش کی تو انہوں نے اسکو بہت پسند فرمایا اور دعائیں دیں، اس سے معلوم ہوا کہ آپ اس کتاب کی تصنیف سے جوانی ہی میں فارغ ہو چکے تھے۔

## خصائص سنن:

امام ابوداؤد نے اپنی اس کتاب میں جمع وترتیب کے لحاظ سے جن اسالیب کو اختیار کیا وہ بہت خوبیوں اور نکات پر مشتمل ہیں۔آپ نے اہل مکہ کے نام جو مکتوب رسالہ مکیہ کے نام سے ارسال کیا تھا اس میں بہت سے شرائط ونکات کی طرف رہنمائی کی ہے۔فرماتے ہیں:

آپ لوگوں نے مجھ سے احادیث سنن کے بارے میں سوال کیا ہے کہ میں آپ کو بتاؤں کہ اس میں درج شدہ کیا میرے نزدیک صحیح ترین احادیث ہیں۔تو سن لیجئے یہ تمام احادیث ایسی ہی ہیں۔البتہ وہ احادیث جو دو صحیح طریقوں سے مروی ہوں اور ایک کا راوی اسناد میں مقدم ہو کہ اسکی سند عالی اور واسطے کم ہوں اور دوسرے کا راوی حفظ میں بڑھا ہوا ہو ایسی صورت میں اول الذکر طریقہ کو لکھ دیتا ہوں۔حالانکہ ایسی احادیث کی تعداد بمشکل دس ہوگی۔

باقی مراسیل کا جہاں تک تعلق ہے تو پہلے زمانہ میں امام مالک، سفیان ثوری اور امام اوزاعی وغیرہ ان سے استدلال کرتے تھے، یہانتک کہ امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کا زمانہ آیا اور انہوں نے اس میں کلام کرنا شروع کیا، اللہ تعالیٰ ان سب کو اپنی رضا نصیب فرمائے۔

میرا مسلک یہ ہے کہ جب کوئی مسند روایت مرسل روایت کے خلاف موجود نہ ہو یا مسند روایت نہ پائی جائے تو ایسی صورت میں مرسل روایت سے استدلال درست ہے اگر چہ وہ متصل کی طرح قوی نہیں ہوتی۔میں نے اپنی سنن میں متروک راوی کی روایت نہیں لی ہے، اور اگر کوئی منکر حدیث آئی ہے تو میں نے اسکو بیان کردیا ہے۔اس میں کوئی اور علت ہو تو اسکو بھی بیان کردیا ہے۔جس حدیث کے بعد میں نے کچھ نہیں لکھا وہ صالح للعمل ہوتی ہے۔میں نے اس کتاب میں اکثر احادیث مشہور جمع کی ہیں۔

میں نے کتاب سنن میں صرف احکام ہی کو تصنیف کیا ہے، زھد اور فضائل اعمال سے متعلق احادیث نہیں بیان کی ہیں۔لہذا یہ چار ہزار آٹھ سو احادیث (۴۸۰۰) ہیں۔

یہ اس کتاب کا اجمالی تعارف ہے جو خود مصنف علیہ الرحمۃ نے بیان فرمایا تفصیل کیلئے مطولات کا مطالعہ کریں۔(۲۰)

# امام ترمذی

**نام ونسب:** نام، محمد۔ کنیت، ابوعیسی۔ والد کا نام، عیسی۔ اور سلسلہ نسب یوں ہے، ابوعیسی محمد بن عیسی بن موسی بن الضحاک بن السکن سلمی ترمذی۔

**ولادت و تعلیم:** بلخ کے شہر ترمذ میں ۲۰۹ھ میں پیدا ہوئے۔ یہ شہر دریائے جیحون کے قریب واقع تھا۔ قبیلہ بنوسلیم سے تعلق رکھتے تھے اس لئے نسب میں سلمی کہلاتے ہیں۔

حصول علم کی خاطر آپ نے خراسان، عراق اور حجاز کے متعدد شہروں کا سفر کیا اور اپنے وقت کے جلیل القدر محدثین وفقہاء سے اکتساب علم کیا۔ یہ وہ زمانہ تھا جبکہ علم حدیث کا شہرہ عام ہو چکا تھا۔

**اساتذہ:** آپ کے اساتذہ میں مندرجہ ذیل حضرات شمار ہوئے ہیں۔

امام بخاری، امام مسلم، قتیبہ بن سعید، ابومصعب، ابراہیم بن عبداللہ ھروی، اسمعیل بن موسی اسدی، محمد بن بشار، زیاد بن ایوب، سعید بن عبدالرحمٰن، فضل بن سہل، وغیرہم۔

**تلامذہ:** آپ کے تلامذہ کی فہرست نہایت طویل ہے، چند یہ ہیں۔

ھیثم بن کلیب شاشی، داؤد بن نصر بن سہل بزدوی، عبد بن محمد بن محمود نسفی، محمد بن نمیر، وغیرہم۔ نیز آپ کے جلیل القدر اساتذہ امام بخاری اور امام مسلم نے بھی آپ سے حدیث کا سماع کیا ہے۔ آپ نے ایسی دو احادیث کی طرف اپنی جامع میں اشارہ فرمایا۔ ایک ابواب التفسیر سورۃ الحشر میں اور دوسری ابواب المناقب فضیلت علی میں۔ یہ دونوں احادیث امام بخاری نے آپ سے سنی ہیں۔

نیز امام مسلم نے، رویت ھلال، کے باب میں آپکی روایت سے بیان کی ہے۔

## علم وفضل:

اللہ رب العزت نے آپ کو نادر المثال قوت حافظ سے نوازا تھا، آپ نے ایک واقعہ یوں بیان فرمایا:۔

میں نے ایک استاذ سے انکی مرویات کے دو جز نقل کئے تھے، ایک مرتبہ مکہ کے سفر میں وہ میرے ہمراہ تھے۔ مجھے اب تک دوبارہ ان اجزاء کی جانچ پڑتال کا موقع نہیں ملا تھا میں نے شیخ سے درخواست کی کہ آپ ان احادیث کی قرأت کریں میں سنکر مقابلہ کرتا جاؤں، شیخ نے منظور کرلیا اور فرمایا: اجزاء نکال لو، میں پڑھتا ہوں اور تم مقابلہ کرتے جانا۔ میں نے وہ اجزاء تلاش کئے مگر ساتھ نہ تھے، بہت فکرمند ہوا لیکن میں نے سماعت کی غرض سے سادہ کاغذ ہاتھ میں لے لئے اور فرضی طور پر سننے میں مشغول ہوگیا۔ اتفاق سے ان اوراق پر شیخ کی نظر پڑگئی تو ناراض ہوکر بولے۔ تم کو شرم نہیں آتی مجھ سے مذاق کرتے ہو، پھر میں نے سارا ماجرا سنا کر عذر پیش کیا، اور عرض کیا آپ کی سنائی ہوئی تمام احادیث مجھے محفوظ ہیں۔

شیخ نے کہا: سناؤ، میں نے وہ تمام احادیث من وعن سنادیں، شیخ نے دوبارہ امتحان لینے کی غرض سے چالیس احادیث اور پڑھیں میں نے ان سب کو بھی اسی ترتیب سے سنادیا، اس پر شیخ نے نہایت تحسین وآفریں فرمائی اور فرمایا۔

ما رأیت مثلک ۔

میں نے تمہاری مثل آج تک کسی کو نہیں دیکھا۔

**خوف خدا:** امام ترمذی زہد وورع اور خوف خدا میں ضرب المثل تھے، خشیت الٰہی کے غلبہ سے اتنا روتے تھے کہ آخر میں آپ کی بینائی بھی جاتی رہی تھی۔

۱۳ ررجب ۲۷۹ھ مقام ترمذ میں شب دوشنبہ آپ کا وصال ہوا اور وہیں مدفون ہوئے ۔ستر سال کی عمر پائی۔ سنہ وفات اور مدت عمر اس شعر سے ظاہر ہے۔

الترمذی محمد ذو زین ☆ عطر وفاۃ عمرہ فی عین

۲۷۹ ۷۰

**تصانیف:** آپکی تصانیف مندرجہ ذیل ہیں۔

جامع ترمذی، کتاب العلل، کتاب التاریخ، کتاب الزھد، کتاب الاسماء والکنی، کتاب الشمائل النبویہ۔

# جامع ترمذی

آپ کی تصانیف میں خاص شہرت جامع ترمذی کو حاصل ہے، اور یہ اپنی جودت ترتیب اورافادیت وجامعیت کے اعتبار سے صحیحین کے بعد شمار کی جاتی ہے۔

اسکے نام میں اختلاف ہے، بعض حضرات اسکو سنن ترمذی کے نام سے موسوم کرتے ہیں، لیکن مشہور جامع ترمذی ہے کہ اسکی جامعیت کے پیش نظر اسکو اصطلاحاً جامع کہنا بالکل درست ہے۔

**خصائص:** جامع ترمذی میں آپ نے مندرجہ ذیل اسلوب اختیار فرمائے ہیں۔

۱۔ حدیث ذکر کر کے ائمہ مذاہب کے اقوال اوران کا اختلاف بیان کرتے ہیں۔

۲۔ یہ التزام رہاہے کہ وہ حدیث بیان کی جائے جوکسی امام کا مذہب ہے۔

۳۔ جب حدیث چند صحابہ سے مروی ہوتو مشہور راوی سے روایت کرتے ہیں اور باقی کو وفی الباب عن فلان الخ، سے بیان کرتے ہیں۔

۴۔ راوی کی روایت کے بعد 'وفی الباب الخ' میں بھی ان کا نام لیں توان سے اسی معنی کی دوسری روایت مرادہوتی ہے۔

۵۔ حدیث میں اضطراب ہوتو متن یا سند کے اضطراب کوبیان کردیتے ہیں۔

۶۔ حدیث منقطع کے انقطاع اور بعض اوقات وجہ انقطاع کی صراحت کرتے ہیں۔

۷۔ حدیث غیر محفوظ اورشاذ کی صراحت کرتے ہیں اور کبھی وجہ شذوذ بھی بیان کرتے ہیں۔

۸۔ حدیث منکر کی صراحت اور بعض مقامات پر وجہ بھی بیان کرتے ہیں۔

۹۔ حدیث صحیح اگر دوسری سند سے مدرج ہوتو اسکی وضاحت بھی کرتے ہیں۔

۱۰۔ حدیث مرفوع اگر درحقیقت موقوف ہوتو اسکی صراحت بھی کرتے ہیں۔

ان کے علاوہ دیگر اسلوب بھی اختیار کئے ہیں جنکو تفصیل سے علامہ غلام رسول سعیدی نے مقدمہ ترمذی میں بیان کیا ہے۔

جامع ترمذی کی جملہ احادیث کی تعداد (۳۹۵۶) بتائی جاتی ہے اور توابع وشواہد کو جدا کرکے احادیث مقصودہ کی تعداد (۱۳۸۵) رہ جاتی ہے۔(۲۱)
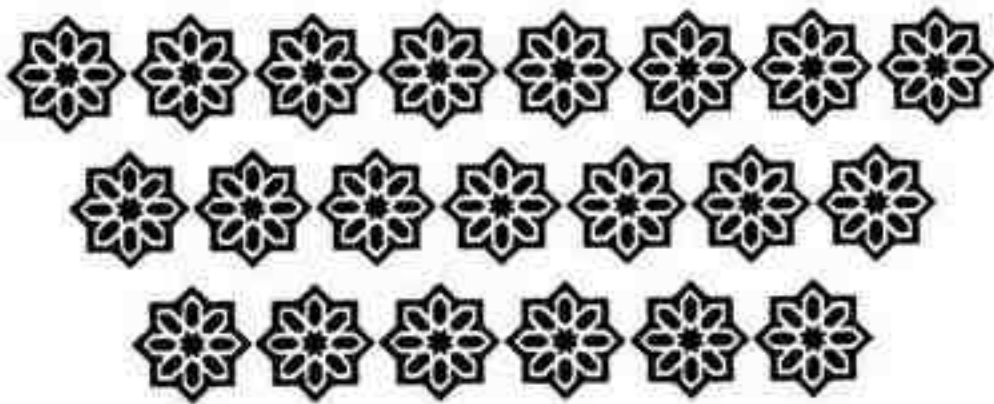
# امام نسائی

**نام ونسب**: نام، احمد۔ کنیت، ابوعبدالرحمٰن۔ والد کا نام، شعیب ہے اور سلسلہ اس طرح بیان کیا جاتا ہے۔ احمد بن شعیب بن علی بن بحر بن سنان بن دینار نسائی۔

**ولادت وتعلیم**:

آپکی ولادت ۲۱۵ھ میں خراسان کے ایک مشہور شہر نساء میں ہوئی، ابتدائی تعلیم اپنے شہر کے اساتذہ سے حاصل کی، اسکے بعد ۱۵ رسال کی عمر ۲۳۰ھ میں سب سے پہلے قتیبہ بن سعید بلخی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انکی خدمت میں ایک سال دو ماہ رہکر علم حدیث حاصل کیا۔

اسکے بعد دور دراز شہروں میں جا کر علم حدیث کا اکتساب کیا۔ اس سلسلہ میں خراسان، عراق، حجاز، شام اور مصر خاص طور پر قابل ذکر ہیں، آپ نے آخر میں مستقل سکونت مصر میں اختیار کر لی تھی۔

**اساتذہ**: اساتذہ کی فہرست طویل ہے، چند یہ ہیں:

قتیبہ بن سعید، اسحاق بن راہویہ، ہشام بن عمار، محمد بن نصر مروزی، محمود بن غیلان، ابوداؤد سلیمان بن اشعث، ابوعبداللہ محمد بن اسمٰعیل بخاری وغیرہم۔

**تلامذہ**: آپکے تلامذہ کی فہرست نہایت طویل، بعض کے اسماء یہ ہیں:

ابوجعفر طحاوی، ابوالقاسم طبرانی، ابوجعفر عقیلی، حافظ ابوعلی نیشاپوری، حافظ ابوالقاسم اندلسی، ابوبکر بن حداد فقیہ وغیرہم

**شمائل وخصائل**: امام نسائی نہایت وجیہ اور خوبصورت شخص تھے، لحیم شحیم اور خوب تندرست،

دستر خوان انواع واقسام کے لذیذ کھانوں سے بھرا رہتا۔ کھانے کے بعد نبیذ استعمال فرماتے، ساتھ ہی خوش وضع اور خوش لباس تھے، آپکی چار بیویاں تھیں اور انکے علاوہ کنیزیں بھی ساتھ رہتی تھیں۔

**عبادت:** ان تمام ظاہری اسباب عیش وآرام کے باوجود آپ نہایت عبادت گذار اور شب بیدار تھے۔ صوم داؤدی پر ہمیشہ عامل رہے، طبیعت میں حد درجہ استغناء تھا اس لئے حکام وقت کی مجلسوں سے ہمیشہ احتراز کرتے تھے۔

آپ عقائد میں راسخ اور متصلب تھے، جس زمانہ میں معتزلہ کے عقیدۂ خلق قرآن کا چرچا تھا ان دنوں محمد بن اعین نے ایک مرتبہ عبداللہ بن مبارک سے کہا: فلاں شخص کہتا ہے کہ جو شخص آیت کریمہ:۔

انني انا الله لا اله الا انا فاعبدونی۔

کو مخلوق مانے وہ کافر ہے، حضرت عبداللہ بن مبارک نے فرمایا: یہ حق ہے، امام نسائی نے جب یہ روایت سنی تو فرمایا: میرا بھی یہ ہی مذہب ہے۔

## حق گوئی وشہادت:

امام نسائی اخیر عمر میں حاسدین کی ریشہ دوانیوں سے تنگ آکر فلسطین کے ایک مقام رملہ آگئے، یہاں بنو امیہ کی طویل حکومت کے سبب خارجیت وناصبیت کا زور تھا، عوام حضرت علی سے بدگمان تھے، بلکہ دمشق میں اس وقت اکثریت ان ہی لوگوں کی تھی۔ آپ نے یہ فضا دیکھی تو اصلاح عقائد کی غرض سے حضرت علی کے مناقب پر مشتمل کتاب الخصائص تصنیف فرمائی۔

تصنیف سے فارغ ہوکر آپ نے دمشق کی جامع مسجد میں لوگوں کے سامنے اسکو پڑھکر سنادیا، چونکہ یہ کتاب وہاں کے لوگوں کے نظریات کے خلاف تھی اس لئے اسکو سنکر وہاں کے لوگ مشتعل ہوگئے۔ مجمع سے کسی شخص نے کہا: ہمیں آپ کوئی ایسی روایت سنائیں جس سے حضرت امیر معاویہ کی حضرت علی پر برتری ظاہر ہو۔ آپ نے جواب میں فرمایا: حضرت معاویہ کا معاملہ برابر سرابر ہوجائے تو کیا یہ تمہارے خوش ہونے کیلئے کافی نہیں ہے، یا مطلب یہ تھا کہ کیا

امیر معاویہ کیلئے حضرت علی کے مساوی ہونا کافی نہیں ہے جو تم برتری کا سوال کر رہے ہو، یہ سننا تھا کہ وہ لوگ آگ بگولہ ہو گئے اور تمام آداب کو بالائے طاق رکھ کر انہوں نے آپ کو زدوکوب کرنا شروع کیا، بعض اشقیاء نے آپکے جسم نازک پر بھی لاٹھیاں ماریں جسکی وجہ سے آپ بہت نڈھال ہو گئے۔ اسی حالت میں آپ کو مکان پر لائے، آپ نے فرمایا: مجھے مکہ مکرمہ لے چلو تاکہ میرا انتقال مکہ مکرمہ میں ہو اسی حادثہ سے آپکا وصال ۱۳ رصفر المظفر ۳۰۳ھ ۸۸ سال کی عمر میں ہوا۔ صفا مروہ کے درمیان دفن ہوئے۔

**تصانیف:** امام نسائی نے کثرت مشاغل کے باوجود متعدد کتابیں تصنیف کیں جنکے اسماء اس طرح ہیں۔

السنن الکبری، المجتبی، خصائص علی، مسند علی، مسند مالک، مسند منصور، فضائل الصحابہ، کتاب التمیز، کتاب المدلسین، کتاب الضعفاء کتاب الاخوۃ، کتاب الجرح والتعدیل، مشیخۃ النسائی، اسماء الرواۃ، مناسک حج۔

## سنن نسائی

ان سب میں آپکی سنن نسائی کو کامل شہرت حاصل ہوئی جو صحاح ستہ کی اہم کتاب ہے۔ السنن الکبری تصنیف کرنے کے بعد امیر رملہ (فلسطین) کے سامنے اس کتاب کو پیش کیا، امیر نے پوچھا کیا آپ کی اس کتاب میں تمام احادیث صحیح ہیں؟ آپ نے فرمایا: نہیں، اس میں صحیح اور حسن دونوں قسم کی احادیث ہیں، اس پر امیر نے عرض کیا: آپ میرے لئے ان احادیث کو منتخب فرمادیں جو تمام تر صحیح ہوں، لہذا امیر کی فرمائش پر آپ نے سنن کبری سے احادیث صحیحہ کا انتخاب فرمایا اور اسکا نام المجتبی رکھا۔

اسی کو سنن صغری بھی کہتے ہیں، عرف عام میں سنن نسائی کے نام سے مشہور ہے۔ محدثین جب مطلقا رواہ النسائی کہیں تو یہی کتاب مراد ہوتی ہے اور کتب ستہ میں اسی کا اعتبار ہے۔

آپکی اس کتاب کی خوبی یہ بھی ہے کہ اکثر کتب صحاح کے اسالیب کی جامع ہے، یعنی امام بخاری کے طرز پر ایک حدیث کو متعدد ابواب میں لاکر مختلف مسائل کا اثبات کیا ہے۔امام مسلم کے طریقہ پر ایک حدیث کے تمام طرق کو اختلاف الفاظ کے ساتھ بیان کیا ہے۔امام ابوداؤد کے انداز پر صرف احکام فقہیہ سے متعلق احادیث کی تدوین کی ہے۔اور امام ترمذی کی طرح احادیث کے ذیل میں ان پر فنی نقطہ نگاہ سے گفتگو کی ہے جنکا کچھ تذکرہ آپ نے جامع ترمذی کے تحت ملاحظہ فرمایا۔(۲۲)
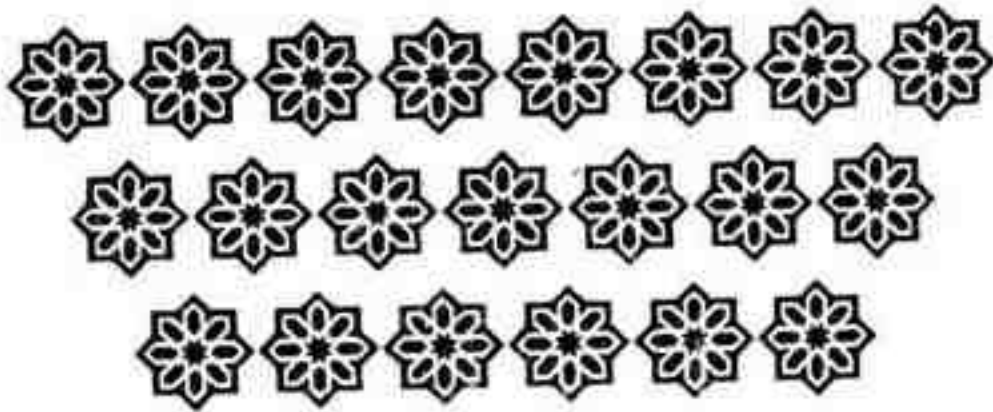
# امام ابن ماجہ

**نام ونسب:** محمد۔کنیت،ابوعبداللہ۔عرف،ابن ماجہ۔اور والد کا نام یزید ہے،سلسلہ نسب یوں بیان کیا جاتا ہے۔ابوعبداللہ محمد بن یزید بن عبداللہ الربعی القزوینی۔

ماجہ کے بارے میں اختلاف ہے۔بعض کہتے ہیں کہ یہ آپکی والدہ ماجدہ کا نام تھا، علامہ زبیدی نے تاج العروس میں اسکو بعض علماء کو قول بتایا ہے۔لیکن صحیح بات یہ ہے کہ ماجہ آپکے والد یزید کا لقب ہے اور یہ ہی اکثر علماء اور قزوین کے مؤرخین کا مختار ہے۔غالبًا یہ ماہیچہ کا معرب ہے۔

**ولادت وتعلیم:**

قزوین عراق عجم کا مشہور شہر ہے،یہ ہی آپ کا مولد ومسکن ہے،آپ کی ولادت ۲۰۹ھ میں ہوئی۔بچپن کا زمانہ علوم وفنون کے لئے باغ وبہار کا زمانہ تھا،اس وقت بنوعباس کا آفتاب اقبال نصف النہار پر تھا۔مامون رشید اس دور میں سریرآرائے سلطنت تھا۔

عام دستور کے مطابق آپ نے ابتدائی تعلیم کی تکمیل کی،اسکے بعد محدثین کی درسگاہوں کی طرف رخ کیا تاکہ علم حدیث حاصل کریں۔قزوین میں اس وقت جلیل القدر محدثین موجود تھے۔مثلا

ابوالحسن علی بن محمد طنافسی متوفی ۲۳۳

ابوبجر عمرو بن رافع بجلی متوفی ۲۳۷

ابوسلیمان اسمٰعیل بن توبہ قزوینی متوفی ۲۴۷

ابوموسی، ہارون بن موسی بن حبان تمیمی متوفی ۲۴۸

ابوبکر محمد بن ابی خالد یزید قزوینی طبری وغیرھم

آپ نے پہلے ان حضرات سے حدیث کا بڑا ذخیرہ حاصل کیا اور پھر تکمیل فن کیلئے خراسان، عراق، حجاز، مصر اور شام کے متعدد شہروں کا سفر کیا۔ بالخصوص مکہ مکرمہ، مدینہ طیبہ، بصرہ اور بغداد کے محدثین و فقہاء سے اکتساب علم کیا۔ انکے علاوہ طہران، اصفہان، رہواز، رملہ، بلخ، بیت المقدس، حران، دمشق فلسطین، عسقلان، مرو اور نیشاپور کا نام بھی خاص طور پر ذکر کیا جاتا ہے۔

**اساتذہ:** آپکے اساتذہ کی فہرست نہایت طویل ہے، مندرجہ بالا کے علاوہ چند اسماء یہ ہیں۔

محمد بن عبداللہ بن نمیر، ابراہیم بن المنذر الخزامی، عبداللہ بن معاویہ ھشام بن عمار، ابوبکر بن ابی شیبہ، محمد بن یحیی نیشاپوری، احمد بن ثابت الجحدری، ابوبکر بن خلاد باہلی، محمد بن بشار، علی بن منذر۔ وغیرہم

**تلامذہ:** آپکے تلامذہ میں بعض کے اسماء اس طرح ہیں:۔

علی بن سعید عسکری، احمد بن ابراہیم قزوینی، ابوالطیب احمد بن روح شعرانی، اسحاق بن محمد قزوینی، ابراہیم بن دینار الجرشی الصمدانی، حسین بن علی بن برانیاد، سلیمان بن یزید قزوینی، حکیم مدنی اصبہانی، وغیرہم

## علم و فضل:

امام ابن ماجہ کی امامت فن، فضل و کمال، جلالت شان، وسعت نظر اور حفظ حدیث وثقاہت کے تمام علماء معترف ہیں۔

ابویعلی خلیلی لکھتے ہیں:

ابن ماجہ بڑے ثقہ، متفق علیہ، قابل احتجاج ہیں، آپکو حدیث اور حفظ حدیث میں پوری معرفت حاصل ہے۔

علامہ ابن جوزی کہتے ہیں:

آپ نے بہت سے شیوخ سے سماع حدیث کیا، اور سنن، تاریخ اور تفسیر کے آپ

عارف تھے۔

علامہ ذھبی فرماتے ہیں:

بیشک آپ حافظ حدیث،صدوق اور وافر العلم تھے۔

مورخ ابن خلکان نے لکھا:

آپ حدیث کے امام اور حدیث کے جمیع متعلقات سے واقف تھے۔

**وصال:** ۲۲/رمضان المبارک ۲۷۳ھ بروز پیر آپ کا وصال ہوا، چونسٹھ سال کی عمر پائی۔آپکے بھائی ابوبکر نے نماز جنازہ پڑھائی،دسرے دن تدفین عمل میں آئی۔

آپ نے تین تصانیف اپنی یادگار چھوڑی تھیں جن میں دونا پید ہیں،تفصیل اس طرح ہے۔

۱۔ **التفسیر:** حافظ بن کثیر نے اسکوتفسیر حافل کہا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک ضخیم تالیف تھی۔اس میں آپ نے تفسیر کیلئے جس قدر احادیث اور صحابہ وتابعین کے اقوال مل سکتے تھے سب کو یکجا کر دیا ہے۔امام سیوطی نے طبقہ ثالثہ کی تفسیروں میں شمار کیا ہے۔

۲۔ **التاریخ:** ابن خلکان نے اسکوتاریخ ملیح،اور ابن کثیر نے تاریخ کامل کا عنوان دیا ہے۔یہ صحابہ سے لیکر مصنف کے عہد تک کی تاریخ ہے جس میں بلاد اسلامیہ اور راویان حدیث کے حالات ہیں۔

## سنن ابن ماجہ

امام ابن ماجہ کی یہ مایۂ ناز اور شہرۂ آفاق تصنیف ہے،حافظ ذہبی نے اس کتاب کی بابت خود آپ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ:

میں نے جب کتاب لکھ کر امام حافظ ابوزرعہ کی خدمت میں پیش کی تو وہ اسکودیکھکر بے ساختہ پکار اٹھے۔

یہ کتاب اگر لوگوں کے ہاتھوں میں پہونچ گئی تو اس دور کی اکثر جوامع ومصنفات بیکار

اور معطل ہو کر رہ جائیں گی۔

چنانچہ حافظ ابوزرعہ کا یہ قول حرف بحرف پورا پورا اور سنن ابن ماجہ کے فروغ کے سامنے متعدد جوامع اور مصنفات کے چراغ ماند پڑ گئے۔

سنن ابن ماجہ کو جس چیز نے عوام وخواص میں پذیرائی اور قبولیت عطا کی وہ اس کا شاندار اسلوب اور روایت کا حسن انتخاب ہے۔ ابواب کی فقہی رعایت سے ترتیب اور مسائل کے واضح استنباط اور تراجم ابواب کی احادیث سے بغیر کسی پیچیدگی اور الجھن کے مطابقت نے اسکے حسن کو نکھارا ہے۔ چند خصوصیات یہ ہیں۔

۱۔ اس کتاب کی اکثر روایات وہ ہیں جو کتب خمسہ میں نہیں۔

۲۔ کوئی حدیث مکرر نہیں لائی گئی ہے۔

۳۔ اختصار و جامعیت میں اپنی مثال آپ ہے۔

۴۔ مسائل واحکام سے متعلق احادیث ہی زیادہ تر لائی گئی ہیں۔

پانچویں صدی کے آخر تک صحاح کی بنیادی کتب میں صرف پانچ کتابوں کا شمار ہوتا تھا بعد میں حافظ ابوالفضل محمد بن طاہر مقدسی متوفی ۵۰۷ھ نے اپنی کتاب شروط الائمۃ الستۃ، میں ابن ماجہ کی شروط سے بھی بحث کی اور اسکو بھی بنیادی کتابوں کے ساتھ لاحق کر کے صحاح کی اصل چھ کتابوں کو قرار دیا۔

اسی دور میں محدث زرین بن معاویہ مالکی متوفی ۵۵۲ھ نے اپنی کتاب التجرید للصحاح والسنن، میں کتب خمسہ کے ساتھ سنن ابن ماجہ کی جگہ مؤطا امام مالک کو لاحق کر دیا۔ اسکے بعد سے یہ اختلاف رہا کہ صحاح ستہ کی چھٹی کتاب مؤطا ہے یا ابن ماجہ۔ عام مغاربہ مؤطا کو ترجیح دیتے تھے اور مشارقہ سنن ابن ماجہ کو۔ لیکن متاخرین نے ابن ماجہ کے حق میں اتفاق کر لیا اور اب غالب اکثریت اسی طرف ہے کہ صحاح ستہ کی چھٹی کتاب سنن ابن ماجہ ہے۔

علامہ ابوالحسن سندھی مقدمہ شرح ابن ماجہ میں لکھتے ہیں۔

وغالب المتاخرين على انه سادس الستة ۔(۲۳)

# امام طحاوی

**نام ونسب:** نام، احمد۔ کنیت، ابو جعفر۔ والد کا نام، محمد ہے۔ سلسلہ نسب یوں ہے۔ ابو جعفر احمد بن محمد بن سلامہ بن سلمہ بن عبد الملک بن سلمہ بن سلیم بن سلیمان بن جواب ازدی حجری طحاوی مصری حنفی۔

ازد یمن کا ایک طویل الذیل قبیلہ ہے اور حجر اسکی ایک شاخ ہے۔ حجر نام کے تین قبائل تھے۔ حجر بن وحید۔ حجر ذی اعین۔ حجر ازد۔ اور ازد نام کے بھی دو قبیلے تھے، ازد حجر۔ ازد شنوءہ۔ لہذا امتیاز کیلئے آپکے نام کے ساتھ دونوں ذکر کر کے ازدی حجری کہا جاتا ہے۔ آپکے آباء واجداد فتح اسلام کے بعد مصر میں فروکش ہو گئے تھے لہذا آپ مصری کہلائے۔

**ولادت وتعلیم:**

طحا نام کی بستی مصر میں وادی نیل کے کنارے آباد تھی، آپکی ولادت ۲۲۹ھ میں اسی بستی میں ہوئی۔ اس لئے آپکو طحاوی کہا جاتا ہے۔

آپ طلب علم کیلئے مصر آئے اور یہاں اپنے ماموں ابو ابراہیم اسمعیل بن یحیی مزنی سے تعلیم حاصل کرنے میں مشغول ہوئے، مزنی امام شافعی کے اجل تلامذہ اور اصحاب میں تھے۔

ابتداء میں آپ امام شافعی کے مسلک پر رہے پھر فقہ حنفی کے متبع ہو گئے تھے۔ اسکی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ ایک دن اپنے ماموں سے پڑھ رہے تھے کہ آپکے سبق میں یہ مسئلہ آیا کہ اگر کوئی حاملہ عورت مرجائے اور اس کے پیٹ میں بچہ زندہ ہوتو برخلاف مذہب امام ابوحنیفہ کے امام شافعی کے نزدیک عورت کا پیٹ چیر کر بچہ نکالنا جائز نہیں۔ آپ اس مسئلہ کے پڑھتے ہی اٹھ

کھڑے ہوئے اور کہنے لگے کہ میں اس شخص کی ہرگز پیروی نہیں کرتا جو مجھ جیسے آدمی کی ہلاکت کی کچھ پرواہ نہ کرے۔ کیونکہ آپ اپنی والدہ کے پیٹ ہی میں تھے کہ آپ کی والدہ فوت ہوگئی تھیں اورآپ پیٹ چیر کر نکالے گئے تھے۔ یہ حال دیکھ کر آپ کے ماموں نے آپ سے کہا خدا کی قسم تو ہرگز فقیہ نہیں ہوگا۔ پس جب آپ خدا کے فضل سے فقہ وحدیث میں امام بے عدیل اور فاضل بے مثل ہوئے تو اکثر کہا کرتے تھے کہ میرے ماموں پر خدا کی رحمت نازل ہو اگر وہ زندہ ہوتے تو اپنے مذہب شافعی کے بموجب ضرور اپنی قسم کا کفارہ ادا کرتے۔

امام طحاوی نے اپنے ماموں مزنی کی درسگاہ کے بعد مصر کے شہرۂ آفاق استاذ ابو جعفر احمد بن ابی عمران موسی بن عیسی سے فقہ حنفی کی تحصیل شروع کی، فقہ حنفی پر انکو کامل دستگاہ حاصل تھی اور صرف دو واسطوں سے ان کا سلسلہ امام اعظم سے مل جاتا ہے۔ اس طرح امام طحاوی کی سند فقہ اس طرح ہے:۔

عن احمد بن ابی عمران عن محمد بن سماعة عن ابی یوسف عن ابی حنیفة ۔

**اساتذہ:** مصر کے بعد آپ نے ملک شام، بیت المقدس، غزہ اور عسقلان کے مشائخ سے سماعت کی، دمشق میں ابو حازم عبدالحمید قاضی دمشق سے ملاقات کی اور ان سے فقہ حاصل کی۔ اسکے بعد مصر واپس تشریف لائے اور جس قدر مشائخ حدیث آپکی حیات میں مصر آئے ان سب سے امام طحاوی نے علم حدیث میں استفادہ کیا۔ چند اساتذہ کے نام یہ ہیں۔

سلیمان بن شعیب کیسانی، ابو موسی یونس بن عبدالاعلی، ہارون بن سعید رملی، ابراہیم بن ابی داؤد برلسی، احمد بن قاسم کوفی، احمد بن داؤد سدوسی، احمد بن سہل رازی، جعفر ابن سلمی، حسن بن عبدالاعلی صنعانی، صالح بن شعیب بصری، محمد بن جعفر فریابی، ہارون بن محمد عسقلانی، یحیی بن عثمان سہمی۔

**تلامذہ:** آپکی علمی شہرت دور دراز علاقوں میں پھیل گئی تھی، حدیث وفقہ کی جامعیت نے آپکو طلبہ کا مرجع بنادیا تھا، لہذا دور دراز سے تشنگان علم آتے اور سیراب ہوکر جاتے۔ بے شمار لوگوں

نے پڑھا اور صاحب کمال ہو گئے چند نام یہ ہیں۔

**ابوالقاسم سلیمان بن احمد بن ایوب طبرانی صاحب معاجیم ثلاثہ۔ابو عثمان احمد بن ابراہیم ،احمد بن عبدالوارث زجاج ،احمد بن محمد دامغانی ،ابو محمد حسن بن قاسم ،عبدالرحمٰن بن اسحٰق جوہری۔**

## علمی مقام:

آپ حفظ حدیث کے ساتھ ساتھ فقہ واجتہاد میں بہت بلند مقام پر فائز تھے،آپ کا شمار اعاظم مجتہدین میں ہوتا ہے، چنانچہ ملا علی قاری نے آپ کو طبقہ ثالثہ کے محدثین میں شمار کیا ہے فرماتے ہیں:

اس سے مراد وہ مجتہدین ہیں جو ان مسائل میں اجتہاد کرتے ہیں جن میں صاحب مذہب سے کوئی روایت منقول نہ ہو۔ جیسے ابو بکر خصاف،ابو جعفر طحاوی،ابوالحسن کرخی،شمس الائمہ سرخسی،فخر الاسلام بزدوی،فخر الدین قاضی خاں وغیرہم۔

یہ لوگ امام اعظم سے اصول وفروع میں مخالفت نہیں کرتے البتہ حسب اصول وقواعد ان مسائل کا استنباط کرتے ہیں جن میں صاحب مذہب سے کوئی نص نہ ہو۔

## حق گوئی:

امام طحاوی حق گو،نڈر اور بے باک شخصیت کے مالک تھے،بغیر کسی لاگ لپیٹ کے اور نتائج کی پرواہ کئے بغیر کلمۂ حق کہتے اور اس پر قائم رہتے،آپ قاضی ابو عبید کے نائب تھے لیکن انکو ہمیشہ صحیح روش کی تلقین کرتے رہتے تھے،ایک مرتبہ قاضی صاحب سے فرمایا: وہ اپنے کارندوں کا محاسبہ کیا کریں۔قاضی صاحب نے جواب دیا: اسمٰعیل بن اسحاق اپنے کارندوں کا حساب نہیں لیتے تھے،امام طحاوی نے فرمایا: قاضی بکار اپنے کارندوں کا محاسبہ کیا کرتے تھے ۔قاضی صاحب نے پھر اسمٰعیل کی مثال دی،امام طحاوی نے فرمایا: حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے کارندوں کا محاسبہ کیا کرتے تھے اور اس سلسلہ میں اللتبیۃ کا قصہ سنایا۔

جب کارندوں کو اس واقعہ کا علم ہوا تو وہ غضبناک ہو گئے اور انہوں نے قاضی کو امام

طحاوی کے خلاف بھڑکانا شروع کیا یہاں تک کہ قاضی امام طحاوی، کے مخالف ہو گئے۔ اسی اثناء میں قاضی معزول کر دیئے گئے۔ جب امام طحاوی نے معزول کا پروانہ پڑھا تو کچھ لوگ کہنے لگے، آپ کو مبارک ہو، آپ یہ سنکر سخت ناراض ہوئے اور کہنے لگے، قاضی صاحب بہر حال ایک صاحب علم آدمی تھے، اب میں کس کے ساتھ علمی گفتگو کیا کرونگا۔

## فضل وکمال:

امام طحاوی کے فضل وکمال، ثقاہت ودیانت کا اعتراف ہر دور کے محدثین مورخین نے کیا ہے۔ علامہ عینی فرماتے ہیں:

امام طحاوی کی ثقاہت، دیانت علم حدیث میں ید طولی اور حدیث کے ناسخ ومنسوخ کی مہارت پر اجماع ہو چکا ہے۔

ابوسعید بن یونس تاریخ علماء مصر میں لکھتے ہیں:

آپ صاحب ثقاہت اور صاحب فقہ تھے، آپکے بعد کوئی آپ جیسا نہیں ہوا۔

حافظ ابن عبد البر لکھتے ہیں:

طحاوی حنفی المذہب ہونے کے باوجود تمام فقہی مذاہب پر نظر رکھتے تھے۔

ابن جوزی فرماتے ہیں:

آپ ثقہ، ثبت اور فہیم تھے۔

امام ذھبی نے فرمایا:

آپ فقیہ، محدث، حافظ، زبردست امام اور ثقہ تھے۔

امام سیوطی فرماتے ہیں:

آپ امام، علامہ، حافظ، صاحب تصانیف، ثقہ ثبت، فقیہ ہیں، آپ کے بعد آپ جیسا کوئی دوسرا نہ ہوا۔

جب عبد الرحمٰن بن اسحاق معمر جوہری مصر کے عہدۂ قضا پر متمکن ہوئے تو وہ آپ کے ادب واحترام کا پورا پورا خیال رکھتے تھے، سواری پر ہمیشہ انکے بعد سوار ہوتے۔ جب ان سے اس

کا سبب پوچھا گیا تو کہنے لگے۔ امام طحاوی مجھ سے گیارہ برس بڑے ہیں، اور وہ مجھ سے اگر گیارہ گھنٹے بھی بڑے ہوتے تو پھر بھی ان کا احترام لازم تھا۔ کیونکہ عہدۂ قضا کوئی ایسی بڑی چیز نہیں جسکی وجہ سے میں امام طحاوی جیسی شخصیت پر فخر کرسکوں۔

**وصال:** بانوے سال کی عظیم عمر اور پر شکوہ زندگی گذارنے کے بعد آپ نے یکم ذی قعدہ ۳۲۱ھ میں وصال فرمایا، قبر شریف قرافہ میں ہے جو مصر کے اماکن متبرکہ میں سے ہے۔ شارع شافعیہ سے دائیں جانب شارع طحاویہ کے سامنے ایک گنبد کے نیچے یہ آفتاب علم محو خواب ہے۔ مزار پر تاریخ وصال کندہ ہے اور ایک خاص عظمت برستی ہے۔

## تصانیف۔

آپکی تصانیف کثیر تعداد میں ہیں، بعض کتابوں میں تقریباً تیس کی فہرست ملتی ہے، ان میں مشکل الآثار اور شرح معانی الآثار نہایت مشہور کتابیں ہیں۔

شرح معانی الآثار کے بارے میں علامہ اتقانی نے فخر سے کہا تھا، جو شخص طحاوی کی علمی مہارت کا اندازہ کرنا چاہتا ہو اسے چاہیئے کہ وہ شرح معانی الآثار کا مطالعہ کرے، مسلک حنفی تو الگ رہا کسی مذہب سے بھی اس کتاب کی نظیر پیش نہیں کی جاسکتی۔

اس کتاب سے امام طحاوی کا مقصد صرف احادیث کو جمع کرنا نہیں تھا بلکہ ان کے سامنے اصل مقصد احناف کی تائید اور یہ ثابت کرنا تھا کہ امام اعظم کا موقف کسی جگہ بھی احادیث کے خلاف نہیں۔ اور جو روایات بظاہر امام اعظم کے مسلک کے خلاف ہیں وہ یا مؤول ہیں یا منسوخ۔

اس تصنیف میں امام طحاوی متعدد جگہ پر احادیث پر فنی حیثیت سے کلام کرتے ہیں اور مخالفین کی پیش کردہ روایات پر فن رجال کے لحاظ سے جرح کرتے ہیں اس کے علاوہ عقلی لحاظ سے بھی مخالفین کے نقطۂ نظر کی تضعیف کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ یہ کتاب روایت اور درایت کی جامع ہے اور جن خوبیوں اور محاسن پر یہ کتاب مشتمل ہے صحاح ستہ کی تمام کتب ان سے خالی ہیں۔

**سبب تالیف**: امام جعفر طحاوی اس کتاب کی تصنیف کا سبب بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں، مجھ سے بعض اہل علم حضرات نے فرمائش کی کہ میں ایسی کتاب تصنیف کروں جس میں احکام سے متعلق رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ان احادیث کو جمع کروں جو بظاہر متعارض ہیں اور چونکہ ملحدین اور مخالفین اسلام اس ظاہری تعارض کی وجہ سے اسلام پر طعن کرتے ہیں اس لئے ان متعارض روایات میں تطبیق دینے کیلئے علماء اسلام کی ان تاویلات کا ذکر بھی کروں جو کتاب وسنت ،اجماع اور اقاویل صحابہ سے موید ہے اور جو روایات منسوخ ہو چکی ہیں ان کے نسخ پر دلائل پیش کروں تاکہ احادیث نبویہ کے درمیان تعارض نہ رہے اور طعن مخالفین سے یہ روایات بے غبار ہو جائیں۔

## اسلوب:

تمام امہات کتب حدیث میں امام طحاوی کا طرز سب سے منفرد اور دلچسپ ہے وہ ایک باب کے تحت پہلے اپنی سند کے ساتھ ایک حدیث وارد کرتے ہیں پھر ذکر کرتے ہیں کہ بعض لوگوں نے اس حدیث سے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے۔ اس کے بعد ذکر کرتے ہیں کہ اسناف کثر ہم اللہ تعالیٰ اس مسئلہ میں اختلاف کرتے ہیں اور ان کی دلیل ایک اور حدیث ہے جو اس حدیث کے مخالف ہے، پھر اس حدیث کے متعدد طرق ذکر کرتے ہیں، اخیر میں مذہب احناف کو تقویت دیتے ہیں۔ دونوں حدیثوں کا الگ الگ محل بیان کر کے تعارض دور کرتے ہیں اور کبھی پہلی حدیث کی سند کا ضعف ثابت کر کے دوسری حدیث کو ترجیح دیتے ہیں اور بعض اوقات پہلی حدیث کا منسوخ ہونا واضح کر دیتے ہیں۔ نیز انہوں نے ہر باب میں اس بات کا التزام کیا ہے کہ احناف کی تائید کرنے کیلئے آخر میں ایک عقلی دلیل پیش کی جائے۔ اور اگر مسلک احناف پر کوئی اشکال وارد ہوتا ہو تو اس کو بھی دور کرتے ہیں۔ (۲۴)

# شیخ علی متقی

**نام ونسب:** نام،علی۔لقب، متقی۔والد کا نام،عبدالملک۔لقب،حسام الدین ہے۔سلسلہ نسب علی بن عبدالملک بن قاضی خاں شاذلی مدینی چشتی۔

آپ کے والد عبدالملک حسام الدین بن قاضی خاں متقی قادری شاذلی مدینی چشتی ہیں آباء واجداد جونپور سے آکر برھان پور میں مقیم ہوئے،آپکی ولادت ۸۸۵ھ میں اسی شہر میں ہوئی،پاکیزہ ماحول میں تعلیم وتربیت پائی،آٹھ سال کی عمر میں شیخ بہاء الدین صوفی برھان پوری جوشاہ باجن چشتی سے مشہور تھے مرید ہوئے،والد کا انتقال اسکے بعد ہی آپکی صغرسنی میں ہوگیا۔

نوجوانی میں بمقام مندوایک بادشاہ کی ملازمت بھی کرلی تھی جواس وقت مالوہ کی قدیم حکومت کا صدر مقام تھا۔لیکن سعادت ازلی اورعنایت الٰہی نے اس سے دل برداشتہ کردیا ملازمت ترک کرکے ملتان کارخ کیااوروہاں شیخ حسام الدین متقی ملتانی کی خدمت میں حاضری دی۔

دوسال کی مدت میں تفسیر بیضاوی اورعین العلم کا آپ سے درس لے کراوراس کوزادراہ بناکرحرمین شریفین زادھما اللہ شرفاوتعظیما کا سفراختیار فرمایا۔

مکہ معظمہ پہونچ کرشیخ ابوالحسن شافعی بکری کی خدمت میں حاضر ہوکرمزید علم شریعت وطریقت پایا،سلسلہ عالیہ قادریہ شاذلیہ مدینیہ میں مجاز ہوئے اورپھرشیخ محمد بن محمد بن محمد سخاوی کی خدمت میں رہکرسلسلہ عالیہ قادریہ کا خرقہ حاصل کیا۔دیگرمشائخ طریقت سے بھی اجازت وخلافت سے نوازے گئے اورحدیث کی سند شیخ شہاب الدین احمد بن حجرمکی سے حاصل کی اورمکہ معظمہ میں اقامت اختیارکرلی۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں:

اسی دوران آپ نے کنز العمال نامی کتاب مدون و مرتب فرمائی جو آپ کا عظیم علمی و دینی شاہکار ہے۔ نیز آپ نے احادیث مکررہ کو چھانٹ کر منتخب کنز العمال بھی تحریر فرمائی۔ ان کتابوں کو دیکھ کر آپ کے شیخ ابوالحسن بکری شافعی نے فرمایا تھا، امام سیوطی نے جمع الجوامع لکھ کر تمام لوگوں پر احسان کیا تھا لیکن شیخ علی متقی نے کنز العمال کی تدوین فرما کر خود ان پر احسان کیا ہے۔

آپکی تصانیف کی تعداد ایک سو سے متجاوز ہے۔ پوری عمر زھد و توکل میں بسر فرمائی۔ اسکے بعد ھندوستان میں محمود شاہ صغیر گجراتی کے دور میں دو مرتبہ تشریف لائے، شاہ صغیر آپ کا مرید بھی ہو گیا تھا۔

آپ کا وصال ۲ رجمادی الآخرہ ۹۷۵ھ صبح صادق کے وقت مکہ معظمہ میں ہوا، مکہ معظمہ میں تدفین کی گئی۔ شیخ عبدالوہاب متقی آپ کے ارشد تلامذہ میں شمار ہوتے ہیں۔ (۲۵)
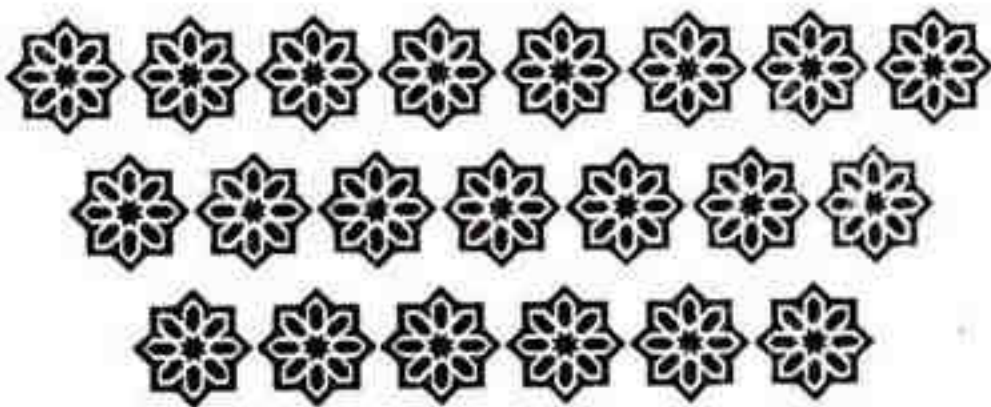
# شیخ عبدالوہاب متقی

**نسب وولادت:** آپ کی ولادت مندو میں ۹۰۲ھ میں ہوئی۔

آپ کے والد ماجد شیخ ولی اللہ مندو کے اکابرین میں سے تھے، بعد میں برھان پور سکونت اختیار کرلی تھی۔ لیکن تھوڑے دن بعد انتقال ہوگیا۔ کچھ عرصہ بعد آپ کی والدہ بھی رحلت فرما گئیں۔ لیکن تائید ربانی اور توفیق یزدانی نے آپ کی رفاقت کی۔ آپ نے چھوٹی سی عمر ہی سے طلب حق کیلئے فقر و تجرید، سفر و سیاحت اختیار فرمائی، نواح گجرات، علاقہ دکن، سیلون لنکا اور سراندیپ کے مختلف مقامات پر گئے، آپ کا معمول تھا کہ تین دن سے زیادہ کہیں قیام نہیں کرتے تھے، البتہ تحصیل علم کا موقع جہاں ملتا تو حسب ضرورت قیام کرتے۔

بیس سال کی عمر ہوگی کہ آپ سیاحت کرتے ہوئے مکہ معظمہ پہونچ گئے۔ یہ ۹۶۳ کا زمانہ تھا۔ مکہ معظمہ میں اس وقت شیخ علی متقی مسند درس پر متمکن تھے، دور دور انکی شہرت تھی، وہ شیخ عبدالوہاب متقی کے والد سے بھی واقف تھے، چنانچہ آپ انکی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہیں کے ہورہے۔

شیخ عبدالوہاب متقی کا خط نہایت پاکیزہ تھا، شیخ علی متقی نے سب سے پہلے ان سے یہ ہی کام لیا، جو شخص مدتوں صحرانوردی کرتا رہا ہو اسکی طبیعت میں یکسوئی پیدا کرنے کیلئے اس سے بہتر کوئی کام نہیں ہوسکتا تھا۔ آپ نے دل وجان سے یہ کام انجام دیا اور شیخ علی متقی کی ایک کتاب جو بارہ ہزار سطروں کی تھی کل بارہ راتوں میں مکمل کتابت کردی۔ تعجب خیز بات یہ ہے کہ دن بھر دوسری کتابوں کی تصحیح و کتابت میں مشغولیت رہتی، صرف رات کو شیخ کی کتاب لکھنے کا موقع ملتا تھا۔ شیخ علی متقی نے ان کا یہ ذوق وشوق دیکھا تو مزید قلبی تعلق ہوگیا، شیخ عبدالوہاب نے بھی

انکے آستانہ کو اس مضبوطی سے پکڑا کہ ۹۷۵ھ آپکے وصال تک وہیں جمے رہے، خود فرماتے تھے:

میرے شیخ علی متقی کا وصال میرے زانو پر ہوا۔

اسکے بعد مکہ معظمہ میں ایسا مرکز قائم کیا جسکی شہرت دور دور تک پھیل گئی۔ شیخ محقق لکھتے ہیں:

اس زمانے میں انکے برابر علوم شرعیہ پر عبور رکھنے والے کم ہونگے۔ اگر کہا جائے کہ لغت قاموس آپکو پوری یاد تھی تو مبالغہ نہ ہوگا۔ اسی طرح فقہ وحدیث اور فلسفہ کی کتابیں بیشتر یاد تھیں۔ برسوں حرم شریف میں درس دیا۔

مکہ معظمہ میں بیٹھ کر ساری علمی دنیا کو اپنی طرف متوجہ کرلیا تھا اور اپنے علمی تبحر کا سکہ حجاز ویمن اور مصر وشام کے علماء سے منوایا تھا۔

شیخ عبدالوہاب متقی عمر کے بیشتر حصہ میں مجرد ہی رہے، عمر جب چالیس اور پچاس کے درمیان تھی تو شادی کی، شادی سے پہلے ان کا یہ حال تھا کہ جو کتابت وغیرہ کی اجرت ملتی سب فقراء پر تقسیم کردیتے تھے۔ شادی کے بعد اہل وعیال کے حقوق کو مقدم سمجھتے تھے لیکن پھر بھی یہ حال تھا کہ کسی محتاج کی مدد سے گریز نہ کرتے تھے۔

ھندوستان کے فقراء انکی خدمت میں حاضر ہوتے اور آپ کھانے کپڑے وغیرہ سے انکی مدد کرتے تھے۔

آپ اپنے زمانہ میں علم وعمل، حال واتباع، استقامت وتربیت، مریدوں کے سلوک اور طالب علموں کی افادیت وامداد، غریبوں فقیروں پر مہربانی وشفقت، مخلوق الہی کو نصیحت اور تمام نیک کاموں کی تلقین کرنے میں اپنے پیرومرشد کے حقیقی وارث، اولین خلیفہ اور صاحب اسرار تھے۔

آپ کا وصال ۱۰۰۱ھ میں مکہ معظمہ میں ہوا۔ (۲۶)

# شیخ عبدالحق محدث دہلوی

**نام ونسب:** نام، عبدالحق ۔ والد کا نام، سیف الدین ۔ اور لقب، شیخ محدث دہلوی، اور محقق علی الاطلاق ہے۔ سلسلہ نسب یوں ہے:

شیخ عبدالحق بن سیف الدین بن سعد اللہ بن شیخ فیروز بن ملک موسی بن ملک معز الدین بن آغا محمد ترک بخاری۔

آپ کے مورث اعلی آغا محمد ترک بخارا کے باشندے تھے، وطن کے مایوس کن حالات سے دل برداشتہ ہوکر تیرھویں صدی عیسوی میں ترکوں کی ایک کثیر جماعت کے ساتھ ھندوستان آئے۔

یہ سلطان علاء الدین خلجی متوفی ۱۳۱۶ء کا دور حکومت تھا۔ سلطان نے آپ کو اعلی عہدوں سے نوازا۔ انہی ایام میں گجرات کی مہم پیش آئی تو آپ نے اس میں خوب حصہ لیا اور فتح گجرات کے بعد وہیں سکونت اختیار کرلی۔ آپکو اللہ تعالی نے کثیر اولاد عطا کی تھی، ایک سوایک بیٹے تھے، انکے ساتھ نہایت عزت ووقار کی زندگی گذارتے تھے، لیکن قضا وقدر کے فیصلے اٹل ہیں ،ایک ہولناک سانحہ یہ پیش آیا کہ سولڑکے انتقال کرگئے۔

سب سے بڑے صاحزادے معزالدین باقی رہے، آغا محمد ترک کے دل ودماغ پر بجلی سی گرگئی، فتح ونصرت کے ڈنکے بجاتا ہوا گجرات آنے والا شخص ماتمی لباس پہن کر پھر واپس دہلی آگیا اور شیخ صلاح الدین سہروردی کی خانقاہ میں گوشہ تنہائی اختیار کرلی۔ یہاں ہی انتقال ہوا اور عیدگاہ شمسی کے عقب میں سپرد خاک کئے گئے۔

**ملک معزالدین:** ملک معزالدین نے خاندان کے ماتمی ماحول کو ختم کیا اور عزم وہمت کے

ساتھ دہلی میں سکونت اختیار کی۔

**ملک موسیٰ:** اسکے بعد انکے فرزند ملک موسیٰ نے بڑی عزت وشہرت حاصل کی تھی لیکن حالات نے پھر کروٹ لی اوراس مرتبہ ملک موسیٰ کو دہلی چھوڑنا پڑی اور ماوراء النھر جا کر سکونت اختیار کر لی ۔کچھ عرصہ بعد جب تیمور نے ۱۳۹۸ء میں ہندوستان پر حملہ کیا تو ملک موسیٰ اسکی فوجوں کے ساتھ تھے۔

**شیخ فیروز:** ملک موسیٰ کے کئی بیٹے تھے ان میں شیخ فیروز امتیازی شان کے مالک تھے۔انہوں نے اپنے خاندان کی شہرت اور عظمت کو چار چاند لگائے، علم سپہ گری، شعروشاعری اور سخاوت ولطافت میں وحید عصر اور یکتائے روزگار تھے، بہرائچ شریف کے کسی معرکہ میں ۸۶۰ھ/ ۱۴۵۵ء میں شہید ہوئے۔

آپ جب معرکہ کیلئے جانے لگے تو انکی بیوی جوان دنوں حاملہ تھیں انہوں نے روکنے کی کوشش کی اس پر جواب دیا۔

میں نے خدا سے دعا کی ہے کہ بیٹا ہواوراس سے نسل چلے۔اسکواورتم کو خدا کے سپرد کرتا ہوں نہ معلوم اب مجھے کیا پیش آئے۔

**شیخ سعد اللہ:** کچھ ایام کے بعد شیخ سعد اللہ پیدا ہوئے یہ شیخ محدث کے دادا ہیں۔ بڑی خوبیوں کے مالک اوراپنے شہید باپ کے اوصاف وخصائل کے جامع تھے، ابتدائی زمانہ تحصیل علم میں گذرا، پھر عبادت وریاضت کی طرف متوجہ ہوگئے اور شیخ منکن کے دست حق پرست پر بیعت کرلی۔انکی رہنمائی میں سلوک ومعرفت کی منزلیں طے کیں۔انکے بیٹے شیخ سیف الدین نے انکورات کے وقت رورو کر عاشقانہ اشعار پڑھتے ہوئے دیکھا تھا۔انکے دو صاحبزادے تھے شیخ رزق اللہ، شیخ سیف الدین۔

شیخ سعد اللہ کے وصال کے وقت شیخ سیف الدین کی عمر آٹھ سال تھی۔وصال سے کچھ دن قبل آپ اپنے بیٹے کو لیکر دومنزلہ پر پہونچے اور نماز تہجد کے بعد بیٹے کو قبلہ رو کھڑا کیا اور بارگاہ الٰہی میں دعا کی۔الٰہی !تو جانتا ہے کہ میں دوسرے لڑکوں کی تربیت سے فارغ ہو چکا اور انکے

حقوق سے عہدہ برآ ہو گیا، لیکن اس لڑکے کو یتیم و بے کس چھوڑ رہا ہوں اسکے حقوق میرے ذمہ ہیں، اسکو تیرے سپرد کرتا ہوں تو اسکی حفاظت فرما۔

کچھ دن کے بعد ۹۴۸ھ کو وصال ہو گیا۔ دعا شرف قبولیت پا چکی تھی، لہذا ان کا یہ جگر گوشہ ایک دن دہلی کا نہایت ہی باوقعت اور باعزت انسان بنا اور اسی گھر میں وہ آفتاب علم نمودار ہوا جس نے ساری فضائے علم کو منور کر دیا۔

**شیخ سیف الدین:** شیخ سیف الدین ۹۴۰ھ مطابق ۱۵۱۴ء کو دہلی میں پیدا ہوئے اللہ تعالیٰ نے انکو علم و عمل کی بہت سی خوبیاں عطا کی تھیں وہ ایک صاحب دل بزرگ، اچھے شاعر اور پر لطف بذلہ سنج انسان تھے۔ ساتھ ہی وہ صاحب باطن اور خدا رسیدہ بزرگ تھے۔ شیخ امان اللہ پانی پتی سے بیعت کا شرف حاصل تھا۔ بسا اوقات خوف و خشیت کا اس قدر غلبہ رہتا کہ اسی میں مستغرق رہتے۔ لیکن وصال کے وقت یہ کیفیت ذوق و شوق میں بدل گئی، عصر کا وقت تھا، شیخ عبد الحق کو مسجد سے بلوایا، شیخ نے بحالی کی حالت دیکھی تو متعجب ہوئے، فرمایا۔ بابا، جان لو کہ مجھ کو اس وقت کچھ رنج و فکر نہیں ہے بلکہ شوق پر شوق اور خوشی پر خوشی ہے۔ جو میرا مطلوب تھا اب حاصل ہوا ہے ایسا نہ ہو کہ وہ ہاتھ سے جاتا رہے، تمام عمر میں نے دعا کی تھی آخر وقت میں ذوق و شوق کے ساتھ اس جگہ سے لیجانا۔ ۲۷ رشعبان ۹۹۰ھ/۱۵۸۲ء کو یہ بے چین عاشق اپنے محبوب حقیقی سے جاملا۔

## شیخ محدث دہلوی کی ولادت اور تعلیم و تربیت:

آپکی ولادت ماہ محرم ۹۵۸ھ/۱۵۵۱ء کو دہلی میں ہوئی۔ یہ اسلام شاہ سوری کا زمانہ تھا، مہدوی تحریک اس وقت پورے عروج پر تھی جسکے بانی سید محمد جونپوری تھے۔ شیخ کی ابتدائی تعلیم و تربیت خود والد ماجد کی آغوش ہی میں ہوئی۔ والد ماجد نے انکو بعض ایسی ہدایتیں کی تھیں جس پر آپ تمام عمر عمل پیرا رہے، قرآن کریم کی تعلیم سے لیکر کافیہ تک والد ماجد ہی سے پڑھا۔

شیخ سیف الدین اپنے بیٹے کی تعلیم خود اپنی نگرانی میں مکمل کرانے کیلئے بے چین رہتے تھے، انکی تمنا تھی کہ وہ اپنے جگر گوشہ کے سینہ میں وہ تمام علوم منتقل کر دیں جو انہوں نے عمر بھر کے

ریاض سے حاصل کئے تھے، لیکن انکی پیرانہ سالی کا زمانہ تھا، اس لئے سخت مجبور بھی تھے کبھی کتابوں کا شمار کرتے اور حسرت کے ساتھ کہتے کہ یہ اور پڑھالوں۔ پھر فرماتے:

مجھے بڑی خوشی ہوتی ہے جس وقت یہ تصور کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ تجھ کو اس کمال تک پہونچادے جو میں نے خیال کیا ہے۔

شیخ محدث خود بے حد ذہین تھے، طلب علم کا سچا جذبہ تھا، بارہ تیرہ برس کی عمر میں شرح شمسیہ اور شرح عقائد پڑھ لی اور پندرہ برس کی عمر ہوگی، کہ مختصر و مطول سے فارغ ہوئے، اٹھارہ برس کی عمر میں علوم عقلیہ ونقلیہ کا کوئی گوشہ ایسا نہ تھا جسکی سیر نہ کر چکے ہوں۔

عربی میں کامل دستگاہ اور علم کلام و منطق پر پورا عبور حاصل کرنے کے بعد شیخ محدث نے دانشمندان ماوراء النہر سے اکتساب کیا۔ شیخ نے ان بزرگوں کے نام نہیں بتائے، بہر حال ان علوم کے حصول میں بھی انکی مشغولیت اور انہماک کا وہی عالم رہا کہ رات و دن کے کسی حصہ میں فرصت نہ ملتی تھی۔

شیخ نے پاکئی عقل وخرد کے ساتھ ساتھ عفت قلب ونگاہ کا بھی پورا پورا خیال رکھا، بچپن سے انکو عبادت وریاضت میں دلچسپی تھی، انکے والد ماجد نے ہدایت کی تھی۔

ملائے خشک وناہموار نباشی۔

چنانچہ عمر بھر انکے ایک ہاتھ میں جام شریعت رہا اور دوسرے میں سندان عشق۔ والد ماجد نے ان میں عشق حقیقی کے وہ جذبات پھونک دیئے تھے جو آخر عمر تک انکے قلب وجگر کو گرماتے رہے۔

اس زمانہ میں شیخ محدث کو علماء ومشائخ کی صحبت میں بیٹھنے اور مستفید ہونے کا بڑا شوق تھا، اپنے مذہبی جذبات اور خلوص نیت کے باعث وہ ان بزرگوں کے لطف وکرم کا مرکز بن جاتے تھے۔

شیخ اسحاق متوفی ۹۸۹ھ سہروردیہ سلسلہ کے مشہور بزرگ تھے اور ملتان سے دہلی سکونت اختیار کرلی تھی، اکثر اوقات خاموش رہتے لیکن جب شیخ انکی خدمت میں حاضر ہوتے تو بے حد

التفات وکرم فرماتے۔

شیخ نے تکمیل علم کے بعد ہندوستان کیوں چھوڑا اسکی داستان طویل ہے، مختصر یہ کہ آپ کچھ عرصہ فتح پور سیکری میں رہے، وہاں اکبر کے درباریوں نے آپکی قدر بھی کی لیکن حالات کی تبدیلی نے یوں کروٹ لی کہ اکبر نے دین الٰہی کا فتنہ کھڑا کر دیا۔ ابوالفضل اور فیضی نے اس دینی انتشار کو ہوا دی، یہ دیکھ کر آپکی طبیعت گھبرا گئی، ان حالات میں ترک وطن کے سوا کوئی چارہ نہ تھا ،لہذا آپ نے غیرت دینی سے مجبور ہو کر حجاز کی راہ لی۔

۹۹۶ھ میں جبکہ شیخ کی عمر اڑتیس سال تھی وہ حجاز کی طرف روانہ ہو گئے۔ وہاں پہونچ کر آپ نے تقریباً تین سال کا زمانہ شیخ عبدالوہاب متقی کی خدمت میں گذارا۔ انکی صحبت نے سونے پر سہاگے کا کام کیا، شیخ نے علم کی تکمیل کرائی اور احسان وسلوک کی راہوں سے آشنا کیا۔ شیخ عبدالوہاب متقی نے آپکو مشکوۃ کا درس دینا شروع کیا، درمیان میں مدینہ طیبہ کی حاضری کا شرف بھی حاصل ہوا اور پھر تین سال کی مدت میں مشکوۃ کا درس مکمل ہوا۔

اسکے بعد آداب ذکر، تقلیل طعام وغیرہ کی تعلیم دی اور تصوف کی کچھ کتابیں پڑھائیں ۔ پھر حرم شریف کے ایک حجرہ میں ریاضت کیلئے بٹھا دیا۔ شیخ عبدالوہاب متقی نے اس زمانہ میں انکی طرف خاص توجہ کی۔ ان کا یہ دستور تھا کہ ہر جمعہ کو حرم شریف میں حاضر ہوا کرتے تھے۔ جب یہاں آتے تو شیخ عبدالحق سے بھی ملتے اور انکی عبادت وریاضت کی نگرانی فرماتے۔

فقہ حنفی کے متعلق شیخ محدث کے خیالات قیام حجاز کے دوران بدل گئے تھے اور وہ شافعی مذہب اختیار کرنے کا ارادہ رکھتے تھے، شیخ عبدالوہاب کو اس کا علم ہوا تو مناقب امام اعظم پر ایسا پرتاثیر خطبہ ارشاد فرمایا کہ شیخ محدث کے خیالات بدل گئے اور فقہ حنفی کی عظمت ان کے دل میں جاگزیں ہو گئی۔ حدیث، تصوف فقہ حنفی اور حقوق العباد کی اعلی تعلیم درحقیقت شیخ عبدالوہاب متقی کے قدموں میں حاصل کی۔

علم وعمل کی سب وادیوں کی سیر کرنے کے بعد شیخ عبدالوہاب متقی نے شیخ عبدالحق محدث دہلوی کو ہندوستان واپس جانے کی ہدایت کی اور فرمایا:

اب تم اپنے گھر جاؤ کہ تمہاری والدہ اور بچے بہت پریشان حال اور تمہارے منتظر ہونگے۔

شیخ محدث ہندوستان کے حالات سے کچھ ایسے دل برداشتہ ہو چکے تھے کہ یہاں آنے کو مطلق طبیعت نہ چاہتی تھی۔ لیکن شیخ کا حکم ماننا ازبس ضروری تھا، شیخ نے رخصت کرتے وقت حضرت سیدنا غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک پیراہن مبارک عنایت فرمایا۔

آپ ۱۰۰۰ھ میں ہندوستان واپس آئے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب اکبر کے غیر متعین مذہبی افکار نے دین الٰہی کی شکل اختیار کرلی تھی۔ ملک کا سارا مذہبی ماحول خراب ہو چکا تھا۔ شریعت وسنت سے بے اعتنائی عام ہوگئی تھی۔ دربار میں اسلامی شعار کی کھلم کھلا تضحیک کی جاتی تھی۔

حجاز سے واپسی پر شیخ عبدالحق نے دہلی میں مسند درس وارشاد بچھادی۔ شمالی ہندوستان میں اس زمانہ کا یہ پہلا مدرسہ تھا جہاں سے شریعت وسنت کی آواز بلند ہوئی۔ درس وتدریس کا یہ مشغلہ آپ نے آخری لمحات تک جاری رکھا۔ انکا مدرسہ دہلی ہی میں نہیں سارے شمالی ہندوستان میں ایسی امتیازی شان رکھتا تھا کہ سیکڑوں کی تعداد میں طلبہ استفادہ کیلئے جمع ہوتے اور متعدد اساتذہ درس وتدریس کا کام انجام دیتے تھے۔

یہ دارالعلوم اس طوفانی دور میں شریعت اسلامیہ اور سنت نبویہ کی سب سے بڑی پشت پناہ تھا، مذہبی گمراہیوں کے بادل چاروں طرف منڈلائے، مخالف طاقتیں بار بار اس دارالعلوم کے بام ودر سے ٹکرائیں لیکن شیخ محدث کے پائے ثبات میں ذرا بھی لغزش پیدا نہ ہوئی۔ آپ نے عزم واستقلال سے وہ کام انجام دیا جو ان حالات میں ناممکن نظر آتا تھا۔

شیخ نے سب سے پہلے والد ماجد سے روحانی تعلیم حاصل کی تھی اور انہیں کے حکم سے حضرت سید موسیٰ گیلانی کے حلقہ مریدین میں شامل ہوئے۔ یہ سلسلہ قادریہ کے عظیم المرتب بزرگ تھے۔ مکہ معظمہ سے بھی سلسلہ قادریہ، چشتیہ، شاذلیہ اور مدینیہ میں خلافت حاصل کی۔

ہندوستان واپسی پر حضرت خواجہ باقی باللہ کے فیوض وبرکات سے مستفید ہوئے۔

حضرت خواجہ باقی باللہ کی ذات گرامی احیاء سنت اور اماتت بدعت کی تمام تحریکوں کا منبع ومخرج تھی۔انکے ملفوظات ومکتوبات کا ایک ایک حرف انکی مجددانہ مساعی، بلندی فکرونظر کا شاہد ہے۔

شیخ کا قلبی اور حقیقی تعلق سلسلہ قادریہ سے تھا، انکی عقیدت وارادات کا مرکز حضرت سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔انکے دل ودماغ کا ریشہ ریشہ شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ کے عشق میں گرفتار تھا، یہ سب کچھ آپکی تصانیف سے ظاہروباہر ہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی سلیم شاہ بنوری کے عہد میں پیدا ہوئے اور شاہجہاں کے سنہ جلوس میں وصال فرمایا۔

اکبر، جہانگیر اور شاہجہاں کا عہد انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور حالات کا بغور مطالعہ کیا تھا لیکن انہوں نے کبھی سلاطین یا ارباب حکومت سے کوئی تعلق نہ رکھا۔عمر بھر گوشہ تنہائی میں رہے ۔

**وصال:** ۲۱ ربیع الاول ۱۰۵۲ھ کو یہ آفتاب علم جس نے چورانوے سال تک فضائے ہند کو اپنی ضوفشانی سے منور رکھا تھا غروب ہوگیا۔اناللہ وانا الیہ راجعون۔

**تصانیف:** آپکی تصانیف سو سے زائد شمار کی گئی ہیں، المکاتیب والرسائل کے مجموعہ میں ۶۸ رسائل شامل ہیں، انکو ایک کتاب شمار کرنے والے تعداد تصنیف پچاس بتاتے ہیں۔

آپ نے بیسوں موضوعات پر لکھا لیکن آپ کا اصل وظیفہ احیاء سنت اور نشر احادیث رسول تھا، اس لئے اس موضوع پر آپنے ایک درجن سے زیادہ کتابیں تصنیف فرمائیں، دو کتابیں نہایت مشہور ہیں:

**اشعۃ اللمعات:** اشعۃ اللمعات فارسی زبان میں مشکوۃ کی نہایت جامع اور مکمل شرح ہے۔شیخ محدث نے یہ کارنامہ چھ سال کی مدت میں انجام دیا۔

**لمعات التنقیح:**

عربی زبان میں مشکوۃ کی شرح ہے، دو جلدوں پر مشتمل۔فہرست التوالیف میں شیخ نے

سرفہرست اسکا ذکر کیا ہے، اشعۃ اللمعات کی تصنیف کے دوران بعض مضامین ایسے پیش آئے جن کی تشریح کو فارسی میں مناسب نہ سمجھا کہ یہ اس وقت عوام کی زبان تھی، بعض مباحث میں عوام کو شریک کرنا مصلحت کے خلاف تھا، لہذا جو باتیں قلم انداز کردی تھیں وہ عربی میں بیان فرمادیں ۔لمعات میں لغوی، نحوی مشکلات اور فقہی مسائل کو نہایت عمدہ گی سے حل کیا گیا ہے۔علاوہ ازیں احادیث سے فقہ حنفی کی تطبیق نہایت کامیابی کے ساتھ کی گئی ہے۔

اسی طرح دوسری تصانیف حدیث واصول پر آپکی بیش بہا معلومات کا خزانہ ہیں۔

شیخ کی علمی خدمات کا ایک شاندار پہلو یہ ہے کہ انہوں نے تقریباً نصف صدی تک فقہ وحدیث میں تطبیق کی اہم کوشش فرمائی۔بعض لوگوں نے اس سلسلہ میں انکی خدمات کو غلط رنگ میں پیش کیا ہے۔

مثلاً نواب صدیق حسن خاں لکھتے ہیں:

فقیہ حنفی وعلامہ دین حنفی است، امابمحدث مشہور است۔

شیخ محقق فقہاء احناف سے تھے اور دین حنیف کے زبردست عالم۔لیکن محدث مشہور ہیں۔یعنی یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ شہرت واقعی نہ تھی، گویا محدث ہونا اسی صورت میں متصور ہوتا ہے جب کسی امام کی تقلید کا قلادہ گردن میں نہ ہو۔

مزید لکھتے ہیں:

دستگاہش درفقہ بیشتر ازمہارت درعلوم سنت سنیہ ست۔ ولہذا جانب داری اہل رائے جانب اوگرفتہ۔معہذا جاہا حمایت سنت صحیحہ نیز نمودہ۔طالب علم رابایدکہ درتصانیف وے "خذما صفا ودع ماکدر" پیش نظر دارد وزلات تقلید اورابر محامل نیک فرود آرد۔ازسوء ظن درحق چنیں بزرگواراں خودرادور گرداند۔

شیخ علم فقہ میں بہ نسبت علوم سنت زیادہ قدرت رکھتے تھے، لہذا فقہاء رائے زیادہ تر انکی حمایت کرتے ہیں، ان تمام چیزوں کے باوجود انہوں نے سنن صحیحہ کی حمایت بھی کی ہے ۔لہذا طالب علم کو چاہیئے کہ انکی صحیح باتیں اختیار کرے اور غیر تحقیقی باتوں سے پرہیز کرے۔لیکن

انکے تقلیدی مسائل ،کو اچھے مواقع ومحامل پر منطبق کرنا چاہیئے ۔ایسے بزرگوں سے بدگمانی اچھی چیز نہیں۔

اہل علم پر واضح رہے کہ یہ رائے انصاف ودیانت سے بہت دور اور پر تشدد خیالات کو ظاہر کرتی ہے۔

شیخ محدث کا اصل مقصد یہ تھا کہ فقہ اسلامی کو عزت واحترام کی نگاہ سے دیکھا جانا چاہیئے ۔اس لئے کہ اسکی بنیاد قرآن وحدیث پر ہے اور وہ ایک ایسی روح کی پیداوار ہے جس پر اسلامی رنگ چڑھا ہوا ہے، خاص طور پر فقہ حنفی پر یہ اعتراض کہ وہ محض قیاس اور رائے کا نام ہے بالکل بے بنیاد ہے، اسکی بنیاد مستحکم طور پر احادیث پر رکھی گئی ہے۔ مشکوۃ کا گہرا مطالعہ فقہ حنفی کی برتریت کو ثابت کرتا ہے۔

ایسے دور میں جبکہ مسلمانوں کا سماجی نظام نہایت تیزی سے انحطاط پذیر ہو رہا تھا۔ جب اجتہاد گمراہی پھیلانے کا دوسرا نام تھا، جب علماء سو کی حیلہ بازیوں نے بنی اسرائیل کی حیلہ ساز فطرت کو شرما دیا تھا، سلاطین زمانہ کے درباروں میں اور مختلف مقامات پر لوگ اپنی اپنی فکر ونظر میں الجھ کرامت کے شیرازہ کو منتشر کر رہے تھے تو ایسے وقت میں خاص طور پر کوئی عافیت کی راہ ہو سکتی تھی تو وہ تقلید ہی تھی، اس لئے کہ:

مضمحل گردد چو تقویم حیات
ملت از تقلید می گیرد ثبات

رہا علم حدیث تو اسکی اشاعت کے سلسلہ میں شیخ محقق کا تمام اہل ہند پر عظیم احسان ہے خواہ وہ مقلدین ہوں یا غیر مقلدین۔ بلکہ غیر مقلدین جو آج کل اہل حدیث ہونے کے دعوی دار ہیں انکو تو خاص طور پر مرہون منت ہونا چاہیئے کہ سب سے پہلے علم حدیث کی ترویج واشاعت میں نمایاں کردار شیخ ہی نے ادا کیا بلکہ اس فن میں اولیت کا سہرا آپ ہی کے سر ہے۔ آج کے اہل حدیث خواہ اسکا انکار کریں لیکن انکے سرخیل مولوی عبد الرحمن مبارکپوری مقدمہ شرح ترمذی میں لکھتے ہیں۔

حتی من الله تعالیٰ علی الهند بافاضة هذاالعلم علی بعض علمائها ،کالشیخ عبدالحق بن سیف الدین الترك الدهلوی المتوفی سنة اسنتین و خمسین والف و امثالهم وهو اول من جاء به فی هذاالاقلیم وافاضه علی سکانه فی احسن تقویم ـ ثم تصدی له ولده الشیخ نورالحق المتوفی فی سنة ثلاث وسبعین والف ، وکذلك بعض تلامذته علی القلة ومن سن سنة حسنة فله اجرها واجرمن عمل بها ، کما اتفق علیه اهل الملة ـ

یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ہندوستان پر احسان فرمایا کہ بعض علماء ہند کو اس علم سے نوازا ۔جیسے شیخ عبدالحق محدث دہلوی متوفی ۱۰۵۲ھ وغیرہ۔یہ پہلے شخص ہیں جو اس ہندوستان میں یہ علم لائے اور یہاں کے باشندگان پر اچھے طریقے سے اس علم کا فیضان کیا۔پھر انکے صاحبزادے شیخ نورالحق متوفی ۱۰۷۳ھ نے اسکی خوب اشاعت فرمائی۔اسی طرح آپکے بعض تلامذہ بھی اس میں مشغول ہوئے۔لہذا جس نے اچھا طریقہ ایجاد کیا اسکو اسکا اجر ملے گا اور بعد کے ان لوگوں کا بھی جو اس پر عمل پیرا رہے،جیسا کہ اہل اسلام کا اس پر اتفاق ہے۔

غرض یہ بات واضح ہوچکی کہ شیخ محقق علی الاطلاق محدث دہلوی نے علم حدیث کی نشرواشاعت کا وہ عظیم کارنامہ انجام دیا ہے جس سے آج بلا اختلاف مذہب ومسلک ،سب مستفید ہیں،یہ دوسری بات ہے کہ اکثر شکر گذار ہیں اور بعض کفران نعمت میں مبتلا ہیں۔

آپکی اولا دامجاداور تلامذہ کے بعداس علم کی اشاعت میں نمایاں کردارادا کرنے والے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور آپکے صاحبزادگان ہیں جنکی علمی خدمات نے ہندوستان کو علم حدیث کے انوار وتجلیات سے معمور کیا۔(۲۷)

# حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی

**نام ونسب:** نام، احمد۔ کنیت، ابوالفیاض۔ عرف، ولی اللہ تاریخی نام عظیم الدین اور بشارتی نام ،قطب الدین ہے۔ سلسلہ نسب والد کی طرف سے امیر المؤمنین سیدنا عمر فاروق اعظم تک اور والدہ ماجدہ کی طرف سے حضرت امام موسی کاظم تک پہونچتا ہے، اس لحاظ سے آپ خالص عربی النسل اور نسبا فاروقی ہیں۔

والد ماجد حضرت علامہ شاہ عبدالرحیم فقہاء احناف کے جید علماء میں شمار ہوتے تھے، فتاوی ہندیہ کی ترتیب وتدوین میں بھی آپ کچھ ایام شریک رہے ہیں۔

**ولادت وتعلیم:**

آپکی ولادت ۴ رشوال ۱۱۱۴ھ/۱۷۰۲ء میں بروز چہار شنبہ بوقت طلوع آفتاب آپکی نہال قصبہ پھلت ضلع مظفر نگر میں ہوئی۔

پانچ سال کی عمر میں تعلیمی سفر کا آغاز ہوا اور سات سال کی عمر میں قرآن عظیم حفظ کرلیا۔ دس سال کی عمر میں شرح جامی تک پڑھ لیا تھا۔ پندرہ سال کی عمر میں تمام علوم متداولہ کی تعلیم سے فارغ ہوگئے، اکثر کتابیں والد ماجد ہی سے پڑھیں۔ چودہ سال کی عمر میں آپکی شادی بھی ہوگئی تھی۔

دستار فضیلت کے بعد والد کے دست حق پرست پر بیعت کی اور انکی زیر نگرانی اشغال صوفیہ میں مشغول ہوئے۔ آپکی عمر کو سترہ سال ہوئے تھے کہ والد ماجد کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ آپ کے والد کا وصال ۱۱۳۱ھ میں ہوا۔

والد کے وصال کے بعد مسند درس وتدریس کو آپ نے زینت بخشی اور مستقل طور پر بارہ سال تک درس دیا۔

اس درمیان آپ نے دیکھا کہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی جس علم کو حجاز سے لیکر آئے تھے اسکے نشانات ابھی کچھ باقی ہیں، اگر جد وجہد کر کے ان بنیادوں پر مضبوط عمارت نہ قائم کی گئی تو نہیں کہا جاسکتا کہ وہ قائم بھی رہ سکیں گے۔ غور وفکر کے بعد آپ اس نتیجہ پر پہونچے کہ علم حدیث کو وہاں جاکر ہی حاصل کیا جائے جو اسکا معدن ہے اور جہاں سے شیخ محقق نے حاصل کیا تھا۔ لہذا زیارت حرمین شریفین زادھما اللہ شرفا وتعظیما کا شوق دامنگیر ہوا اور آپ ۱۱۴۳ھ کے اواخر میں حجاز روانہ ہو گئے۔

حضرت مولانا شاہ ابوالحسن زید فاروقی لکھتے ہیں:

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب علم ظاہر اور علم باطن میں کمال حاصل کرنے کے بعد حرمین شریفین ۱۱۴۳ھ میں تشریف لے گئے، وہاں علم ظاہر علماء اعلام سے خاص کر علامہ ابو طاہر جمال الدین محمد بن برھان الدین ابراہیم مدنی کردی کورانی شافعی سے درجہ کمال وتکمیل کو پہونچایا اور باطن کا تصفیہ، تزکیہ، صیقل اور جلاء بیت اللہ المبارک، آثار متبرکہ، مشاہد مقدسہ اور روضۂ مطہرہ علی صاحبھا الصلوۃ والتحیۃ کی خاک روبی اوران امکنۂ مقدسہ میں جبہ سائی سے کیا۔

اس سلسلہ میں آپکی مبارک تالیف فیوض الحرمین اور المشاھد المبارکۃ شایان مطالعہ ہیں۔

موخر الذکر رسالہ کا ایک قلمی نسخہ کتب خانہ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن میں محفوظ ہے۔

حجاز مقدس میں چودہ ماہ قیام کے بعد واپس دہلی تشریف لائے، واپسی پر تمام اہل شہر، علماء وفضلاء اور صوفیاء کرام نے آپ کا خیر مقدم کیا۔ چند ایام کے بعد آپ نے مدرسہ رحیمیہ کو اپنی جدوجہد کا مرکز بنایا۔ طلبہ جوق در جوق اطراف ہند سے آتے اور مستفید ہوتے تھے۔

**تصانیف:** آپکی تصانیف دوسو تک بیان کی جاتی ہیں، آپ نے خاص طور پر موطا امام مالک کی دو شرحیں لکھیں جس طرح شیخ محقق نے مشکوۃ کی لکھی تھیں۔

**مصفیٰ شرح موطا:** یہ فارسی زبان میں بسیط شرح ہے جو آپکی جودت طبع اور فن حدیث میں کمال مہارت کا آئینہ ہے۔

**مسوی شرح موطا:** یہ عربی زبان میں آپ کے اختیار کردہ طریقہ درس کا نمونہ ہے۔

آپ کا قیام بڈھانہ ضلع مظفر نگر میں تھا کہ علیل ہوئے علاج کیلئے دہلی لایا گیا لیکن وقت آخر آپہونچا تھا۔ ساری تدابیر بے سود رہیں اور ۲۹ محرم ۱۱۷۶ھ بوقت ظہر آپ کا وصال ہوگیا۔ والد صاحب کے پہلو میں مہندیاں قبرستان میں آپکی تدفین عمل میں آئی۔

آپ کی اولاد امجاد میں پانچ صاحبزادے اور ایک صاحبزادی تھیں۔

پہلی اہلیہ سے شیخ محمد اور صاحبزادی۔ دوسری اہلیہ سے شاہ عبدالعزیز، شاہ رفیع الدین، شاہ عبدالقادر، شاہ عبدالغنی۔

ان میں شاہ عبدالعزیز سب سے بڑے تھے۔ والد کے وصال کے بعد تینوں کی تعلیم وتربیت آپ ہی نے کی، یہ سب نامور فضلائے عصر تھے۔

**شاہ صاحب کا مسلک:** آپ اپنی وسعت علم، وقت نظر قوت استدلال، ملکہ استنباط، سلامت فہم، صفائی قلب، اتباع سنت، جمع بین العلم والعمل وغیرہ کمالات ظاہری وباطنی کی نعمتوں سے مالا مال ہونے کی وجہ سے اپنے لئے تقلید کی ضرورت نہیں سمجھتے تھے اس کے باوجود فرماتے ہیں:

استفدت منه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ثلثة امور خلاف ما كان عندى وما كانت طبعى تميل اليه اشد ميل فصارت هذه الاستفادة من براهين الحق تعالىٰ على احدها الوصاة بترك الالتفات الى التسبب وثانيها الوصاة بالتقليد بهذه المذاهب الاربع لااخرج منها والتوفيق مااستطعت وجبلتى تابى التقليد وتانف منه راسا ولكن شئ طلب منى التعبد به بخلاف نفسى وههنا نكتة طويت ذكرها وقد تفطنت بحمدالله هذه الحيلة وهذه الوصاة ۔

میں نے اپنے عندیہ اور اپنے شدید میلان طبع کے خلاف رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ

وسلم سے تین امور استفادہ کئے تو یہ استفادہ میرے لئے برہان حق بن گیا، ان میں سے ایک تو اس بات کی وصیت تھی کہ میں اسباب کی طرف سے توجہ ترک کردوں اور دوسری وصیت یہ تھی کہ میں ان مذاہب اربعہ کا اپنے آپکو پابند کروں اور ان سے نہ نکلوں اور تا بامکان تطبیق و توفیق کروں لیکن یہ ایسی چیز تھی جو میری طبیعت کے خلاف مجھ سے بطور تعبد طلب کی گئی تھی اور یہاں پر ایک نکتہ ہے جسے میں نے ذکر نہیں کیا ہے اور الحمد للہ مجھے اس حیلہ اور اس وصیت کا بھید معلوم ہو گیا ہے۔

معلوم ہوا کہ آپ کی طبیعت اور جبلت کے خلاف نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جانب سے آپ کو تقلید کرنے پر مامور کیا گیا اور دائرہ تقلید سے خارج ہونے سے منع کیا گیا لیکن کسی خاص مذہب کو معین نہیں کیا گیا بلکہ مذاہب اربعہ میں دائر و منحصر رکھا گیا، البتہ مذاہب اربعہ کی تحقیق و تفتیش اور چھان بین کے بعد جب ترجیح کا وقت آیا اور اس کی جستجو کے لئے آپ کی روح مضطرب ہوئی تو دربار رسالت سے اس طور پر رہنمائی کی گئی۔

عرفنی رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم ان فی المذهب الحنفی طریقة انیقة هی ادق الطرق بالسنة المعروفة التی جمعت ونقحت فی زمان البخاری واصحابه وذلك ان یوخذ من اقوال الثلثة (ای الامام وصاحبیه) قول اقربهم بها فی المسئلة ثم بعد ذلك یتبع اختیارات الفقهاء الحنفیین الذین کانوا من علماء الحدیث فرب شئ سکت عنه الثلثة فی الاصول وما یعرضوا نفیه ودلت الاحادیث علیه فلیس بد من اثباته والکل مذهب حنفی۔

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مجھے بتایا کہ مذہب حنفی میں ایک ایسا عمدہ طریق ہے جو دوسرے طریقوں کی بہ نسبت اس سنت مشہورہ کے زیادہ موافق ہے جس کی تدوین اور تنقیح امام بخاری اور ان کے اصحاب کے زمانہ میں ہوئی اور وہ یہ ہے کہ ائمہ ثلاثہ یعنی امام ابوحنیفہ، ابو یوسف، اور محمد میں سے جس کا قول سنت معروفہ سے قریب تر ہو، لے لیا جائے پھر اس کے بعد ان فقہاء حنفیہ کی پیروی کی جائے جو فقیہ ہونے کے ساتھ حدیث کے بھی عالم تھے۔ کیونکہ بہت سے ایسے مسائل ہیں کہ ائمہ ثلثہ نے اصول میں ان کے متعلق کچھ نہیں کہا اور نفی بھی نہیں کی

لیکن احادیث انہیں بتلا رہی ہیں تو لازمی طور پر اس کو تسلیم کیا جائے اور یہ سب مذہب حنفی ہی ہے۔

اس عبارت سے یہ بات بخوبی واضح ہوگئی کہ حضرت شاہ صاحب کو در بار رسالت سے کس مذہب کی طرف رہنمائی کی گئی نیز سارے مذاہب میں کون اوفق بالسنۃ المعروفۃ ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ مذہب حنفی ہی ہے جیسا کہ فیوض الحرمین کی اس عبارت سے معلوم ہوا تو بلاشبہ حضرت شاہ صاحب کے نزدیک وہی قابل ترجیح اور لائق اتباع ہے۔

## تقلید حنفیت کا واضح ثبوت:

خدا بخش لائبریری (پٹنہ) میں بخاری شریف کا ایک قلمی نسخہ موجود ہے جو شاہ صاحب کے درس میں رہا ہے۔ اس میں آپ کے تلمیذ محمد بن پیر محمد بن شیخ ابو الفتح نے پڑھا ہے، تلمیذ مذکور نے درس بخاری کے ختم کی تاریخ ۶ رشوال ۱۱۵۹ھ لکھی ہے اور جمنا کے قریب جامع فیروزی میں ختم ہونا لکھا ہے۔ حضرت شاہ صاحب نے اپنے دست مبارک سے اپنی سند امام بخاری تک تحریر فرما کر تلمیذ مذکور کیلئے سند اجازت تحدیث لکھی اور آخر میں اپنے نام کے ساتھ یہ کلمات تحریر فرمائے:۔

العمری نسباً، الدهلوی وطناً، الاشعری عقیدةً، الصوفی طریقةً الحنفی عملاً والشافعی تدریساً خادم التفسیر والحدیث والفقه والعربیة والکلام۔"

۲۳/شوال ۱۱۵۹ھ

اس تحریر کے نیچے شاہ رفیع الدین صاحب دہلوی نے یہ عبارت لکھی ہے کہ: "بیشک یہ تحریر بالا میرے والد محترم کے قلم کی لکھی ہوئی ہے۔ نیز شاہ عالم کی مہر بھی بطور تصدیق ثبت ہے۔

(۲۸)

# شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی

نام ونسب: نام، عبدالعزیز۔ تاریخی نام، غلام حلیم۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے خلف وجانشین ہیں۔

۲۵ر رمضان المبارک ۱۱۵۹ھ میں ولادت ہوئی، حافظہ اور ذہانت خداداد تھی، قرآن مجید کی تعلیم کے ساتھ فارسی بھی پڑھ لی اور گیارہ برس کی عمر میں تعلیم کا انتظام ہوا اور پندرہ سال کی عمر میں علوم رسمیہ سے فراغت حاصل کرلی۔

آپ نے علوم عقلیہ تو والد ماجد کے بعض شاگردوں سے حاصل کئے لیکن حدیث وفقہ آپکو خاص طور سے والد ہی نے پڑھائے۔ ابھی آپکی عمر سترہ برس کی تھی کہ والد کا وصال ہوگیا۔ لہذا آخری کتابوں کی تکمیل شاہ ولی اللہ کے تلمیذ خاص مولوی محمد عاشق پھلتی سے کی۔

چونکہ آپ بھائیوں میں سب سے بڑے تھے اور علم وفضل میں بھی ممتاز لہذا مسند درس وخلافت آپ کے سپرد ہوئی۔

آپ کو تمام علوم عقلیہ میں کامل دستگاہ حاصل تھی، حافظہ بھی نہایت قوی تھا۔ تقریر معنی خیز وسحر انگیز ہوتی جسکی وجہ سے آپ مرجع خواص وعوام ہوگئے تھے۔ علو اسناد کی وجہ سے دور دراز سے لوگ آتے اور آپکے حلقہ درس میں شرکت کر کے سند فراغ حاصل کرتے۔ آپکی ذات ستودہ صفات اپنے دور میں اپنا ثانی نہیں رکھتی تھی۔ آپکی ذات سے ہندوستان میں علوم اسلامیہ خصوصاً حدیث وتفسیر کا خوب چرچا ہوا، جلیل القدر علماء ومشائخ آپکے تلامذہ میں شمار ہوتے ہیں۔

بعض تلامذہ کے اسماء یہ ہیں:

آپکے برادران مولانا شاہ رفیع الدین، مولانا شاہ عبدالقادر، مولانا منور الدین دہلوی،

مولانا شاہ عبدالغنی ۔علامہ فضل حق خیر آبادی، علامہ شاہ آل رسول مارہروی ( شیخ امام احمد رضا فاضل بریلوی)

سید احمد خاں لکھتے ہیں:

اعلم العلماء، افضل الفضلاء، اکمل الکملاء، اعرف العرفاء، اشرف الافاضل، فخر الاماجد والاماثل، رشک سلف، داغ خلف، افضل المحدثین، اشرف علماء ربانیین، مولانا و بالفضل اولانا شاہ عبدالعزیز دہلوی قدس سرہ العزیز۔ذات فیض سمات ان حضرت بابرکت کی فنون کسبی و وہبی اور مجموعہ فیض ظاہری و باطنی تھی۔اگر چہ جمیع علوم مثل منطق و حکمت و ہندسہ و ہیئت کو خادم علوم دینی کا کر تمام ہمت و سراسر سعی کو تحقیق غوامض حدیث نبوی و تفسیر کلام الہی اور اعلائے اعلام شریعت مقدسہ حضرت رسالت پناہی میں مصروف فرماتے تھے، اور سوا اسکے جو کہ جلائے آئینہ باطن صیقل عرفان و ایقان سے کمال کو پہنچی تھی، طالبان صافی نہاد کی ارشاد و تلقین کی طرف توجہ تمام تھی، اس پر بھی علوم عقلیہ میں سے کونسا علم تھا کہ اس میں یکتائی اور یک فنی نہ تھی۔علم ان کے خانوادہ میں بطناً بعد بطن اور صلباً بعد صلب اس طرح سے چلا آتا ہے جیسے سلطنت سلاطین تیموریہ کے خاندان میں۔چودہ پندرہ برس کی عمر میں اپنے والد ماجد اشرف الاماجد عمدۂ علمائے حقیقت آگاہ ولی اللہ قدس سرہ کی خدمت میں تحصیل علوم عقلی و نقلی اور تکمیل کمالات باطنی سے فارغ ہوئے تھے۔اس کے چند مدت کے بعد حضرت شاہ موصوف نے وفات پائی اور آپ کی ذات فائض البرکات سے مسند خلافت نے زینت و بہا اور وسادۂ ارشاد و ہدایت نے رونق بے منتہا حاصل کی، کیوں کہ مولانا رفیع الدین اور مولانا عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہما والد ماجد کے روبرو صغیر سن رکھتے تھے، تمام علوم اور فیوض کو انہیں حضرت کی خدمت میں کسب کیا۔علم حدیث و تفسیر بعد آپ کے تمام ہندوستان سے مفقود ہو گیا۔علماء ہندوستان کے خوشہ چین اسی سرگروہ علماء کے خرمن کمال کے ہیں اور جمیع کملا اس دیار کے چاشنی گرفتہ اسی زبدۂ ارباب حقیقت کے مائدہ فضل و افضال کے۔یہ آفت جو اس جزو زمان میں تمام دیار ہندوستان خصوصاً شاہجہان آباد، حرسہا اللہ عن الشر والفساد، میں مثل ہوائے وبائی کے عام ہو گئی ہے کہ ہر عامی اپنے تئیں عالم اور ہر جاہل

آپ کو فاضل سمجھتا ہے اور فقط اسی پر کہ چند رسالے مسائل دینی اور ترجمہ قرآن مجید کو اور وہ بھی زبان اردو میں کسی استاد سے اور کسی نے اپنے زور طبیعت سے پڑھ لیا ہے، اپنے تئیں فقیہ ومفسر سمجھ کر مسائل و وعظ گوئی میں جرات کر بیٹھا ہے، آپ کے ایام ہدایت تک اس کا اثر نہ تھا، بلکہ علمائے متبحر اور فضلائے مفضی المرام باوجود نظر غائر اور احاطۂ جزئیات مسائل کے جب تک اپنا سمجھا ہوا حضرت کی خدمت میں عرض نہ کر لیتے تھے اس کے اظہار میں لب کو وانہ کرتے تھے اور اس کے بیان میں زبان کو جنبش نہ دیتے تھے۔ حافظہ آپ کا نسخہ لوح تقدیر تھا۔ بارہا اتفاق ہوا کہ کتب غیر مشہورہ کی اکثر عبارات طویل اپنی داد اعتماد پر طلبا کو لکھوادیں اور جب اتفاقاً کتابیں دست یاب ہوئیں تو دیکھا گیا کہ جو عبارت آپ نے لکھوادی تھی اس میں من اور عن کا فرق نہ تھا۔ باوجود اس کے کہ سنین عمر شریف قریب اسی کے پہنچ گئے تھے اور کثرت امراض جسمانی سے طاقت بدن مبارک میں کچھ باقی نہ رہی تھی خصوصاً قلت غذا سے، لیکن برکات باطنی اور حدت قوائے روحانی سے حسب تفصیل مسائل دینی اور تبیین دقائق یقینی پر مستعد ہوتے تو ایک دریائے ذخار موج زن ہوتا تھا اور فرط افادات سے حضار کو حالت استغراق بہم پہنچتی تھی۔ اوائل حال میں فرقۂ اثنا عشریہ نے شورش کو بلند کیا اور باعث تفرقۂ خاطر جہال اہل تسنن کے ہوئے، حضرت نے بسبب التماس طالبین کمال کے کتاب تحفہ اثنا عشریہ کہ غایت شہرت محتاج بیان نہیں بذل توجہ قلیل بصرف اوقات وجیز سے بایں کثرت ضخامت تصنیف کی کہ طالب علم بے مایہ بھی علمائے شیعہ کے ساتھ مباحثہ ومناظرہ میں کافی ہو گیا، ثقات بیان کرتے ہیں کہ آپ تصنیف کے وقت عبارت اس کتاب کی اسی طرح زبانی ارشاد کرتے جاتے تھے کہ گویا از بریاد ہے اور حوالہ کتب شیعہ کے جن کو علمائے رفقہ مذکور نے شاید بجز نام کے سنا نہ ہوگا، باعتماد حافظہ بیان ہوتے جاتے تھے اور اس پر متانت عبارت اور لطائف وظرائف جیسے ہیں ناظرین پر ہویدا ہیں۔ یہ امور جو آپ سے ظہور میں آتے تھے مجال بشر سے باہر ہیں۔ ہفتہ میں دوبار مجلس وعظ منعقد ہوتی تھی اور شائقین صادق العقیدت وصافی نہاد خواص وعوام سے مور وملخ سے زیادہ جمع ہوتے تھے اور طریق رشد وہدایت کا استفاضہ کرتے۔ ۱۲۴۸ھ میں اس جہان فانی سے سفر آخرت کو اختیار کیا۔ (۲۹)

**تصانیف**: علوم حدیث میں آپکی دو کتابیں مشہور ہیں۔

۱۔ بستان المحدثین: یہ تصنیف حدیث کی مشہور کتابوں اور انکے مؤلفین کے حالات وتعارف پر مشتمل ہے۔

۲۔ عجابۂ نافعہ۔ علوم حدیث سے متعلق ہے۔

باقی تصانیف یہ ہیں:

| | | |
|---|---|---|
| ۱۔ | فتح العزیز معروف بہ تفسیر عزیزی | (فارسی) |
| ۲۔ | سر الشہادتین | (عربی) |
| ۳۔ | مجموعہ فتاوی فارسی عزیز الاقتباس فی فضائل اخیار الناس | (عربی) |
| ۴۔ | تحفہ اثنا عشریہ | (فارسی) |
| ۵۔ | تقریر دل پذیر فی شرح عدیم النظیر | (فارسی) |
| ۶۔ | ہدایت المومنین برحاشیہ سوالات عشرہ محرم | (اردو) |
| ۷۔ | شرح میزان منطق | (عربی) |
| ۸۔ | حواشی بدیع المیزان | (عربی) |
| ۹۔ | حواشی شرح عقائد | (عربی) |
| ۱۰۔ | تعلیقات علی المسوی من احادیث المؤطا | (عربی) |

# خاتم الاکابر شاہ آل رسول مارہروی

نام ونسب: نام آل رسول۔لقب خاتم الاکابر۔اور والد کا نام آل برکات ستھرے میاں ہے خانودہ مارہرہ مطہرہ کے مشہور ومعروف بزرگ ہیں۔

سلسلہ نسب اس طرح ہے: خاتم الاکابر حضرت سید آل رسول بن سید شاہ آل برکات ستھرے میاں بن سید شاہ حمزہ بن سید شاہ ابوالبرکات آل محمد بن سید شاہ برکت اللہ بن حضرت سید شاہ اویس بن حضرت سید شاہ عبدالجلیل قدست اسرارھم۔

حضرت سید شاہ عبدالجلیل مارہروی پہلے بزرگ ہیں جو مارہرہ تشریف لائے آپ کا سلسلہ نسب ۳۲ واسطوں سے سیدنا امام حسین سید الشہداء مظلوم کربلا رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پہونچتا ہے۔

## تعلیم وتربیت:

تعلیم وتربیت والد ماجد کی آغوش میں ہوئی، ابتدائی تعلیم حضرت مولانا شاہ عبدالمجید عین الحق قدس سرہ والد ماجد سیف اللہ المسلول حضرت علامہ فضل رسول بدایونی سے حاصل کی۔

اسکے بعد آپ اور علامہ فضل رسول بدایونی کو فرنگی محل لکھنو تعلیم حاصل کرنے کیلئے بھیجا گیا۔یہاں علامہ انوار صاحب فرنگی محلی مولانا عبدالواسع صاحب سید نپوری، اور مولانا شاہ نور الحق رزاقی لکھنوی عرف ملانور سے کتب معقولات، کلام، فقہ اور اصول فقہ کی تحصیل وتکمیل فرمائی۔اور حضرت مخدوم شیخ العالم عبدالحق ردولوی المتوفی ۸۷۰ھ کے عرس مبارک کے موقع پر مشاہیر علماء ومشائخ کی موجودگی میں دستار فضیلت سے سرفراز فرمایا گیا۔

اسی سال شمس الدین ابو الفضل حضرت اچھے میاں مارہروی قدس سرہ کے حکم کے مطابق سند المحدثین حضرت علامہ شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی کے درس میں شریک ہوئے اور صحاح ستہ کا دورۂ حدیث کرنے کے بعد سند حدیث حاصل کی۔ ساتھ ہی آپ کو مندرجہ ذیل اسناد بھی عنایت فرمائیں۔

علویہ، منامیہ، مصافحات مشابکہ، سند حدیث مسلسل بالاولیت، حدیث مسلسل بالاضافہ، چہل اسماء، حزب البحر، سند قرآن کریم، دلائل الخیرات شریف، حصن حصین، دیگر کتب حدیث وفقہ وتفسیر۔

**عادات وصفات:** آپکی عادات وصفات میں شریعت کی پوری جلوہ گری تھی، غایت درجہ پابندی فرماتے نماز باجماعت مسجد میں ادا فرماتے۔ تہجد کی نماز کبھی قضا نہ ہوتی۔ نہایت کریم النفس، عیب پوش اور حاجت براری میں یگانہ عصر تھے، جو احادیث نبوی سے دعائیں منقول ہیں وہ مرحمت فرماتے۔ تکلفات سے احتراز اور محافل سماع قطعا مسدود تھیں۔ صرف مجلس وعظ، نعت خوانی، منقبت اور قرآن خوانی اور دلائل الخیرات شریف سے حاضرین عرس کی مہمانداری فرماتے تھے۔ ہر خادم ومرید سے نہایت شفقت سے پیش آتے۔

شیخ طریقت ابو الفضل حضرت اچھے میاں قدس سرہ سے خلافت واجازت حاصل تھی اور انہیں کے سلسلہ میں مرید فرماتے تھے۔

اولاد امجاد میں دو صاحبزادے اور تین صاحبزادیاں تھیں۔

۱۔ حضرت سید شاہ ظہور حسین بڑے میاں

۲۔ حضرت سید شاہ ظہور حسن چھوٹے میاں

خلفاء کی تعداد کثیر ہے، چند مشاہیر یہ ہیں:۔

۱۔ سراج السالکین حضرت سید شاہ ابو الحسین احمد نوری قدس سرہ (آپکے پوتے)

۲۔ مجدد اعظم امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ

۳۔ حضرت سید شاہ مہدی حسن میاں مارہروی

۴۔ تاجدار سلسلہ اشرفیہ حضرت شاہ علی حسین اشرفی میاں کچھوچھوی

آپ نے ۱۸ر ذوالحجہ بروز چہار شنبہ مارہرہ مطہرہ میں وصال فرمایا۔ مزار پرانوار خانقاہ برکاتیہ مارہرہ میں زیارت گاہ خاص و عام ہے۔ (۳۰)

# مآخذ و مراجع


١۔ انوار امام اعظم ۔ مصنفہ مولانا محمد منشا تابش قصوری

٢ ۔ 〃 〃 〃 〃 〃 〃

٣ ۔ 〃 〃 〃 〃 〃 〃

٤۔ تہذیب التہذیب لابن حجر ۔ البدایہ والنہایہ لابن کثیر ۔ انوار امام اعظم

٥۔ تذکرۃ المحدثین ۔ مصنفہ مولانا غلام رسول صاحب سعیدی ۔ احوال المصنفین

٦۔ انوار امام اعظم

٧۔ تہذیب التہذیب ۔ انوار امام اعظم

٨۔ 〃 〃 〃 〃

٩۔ 〃 〃 〃 〃

١٠۔ انوار امام اعظم

١١۔ انوار امام اعظم

١٢۔ تہذیب التہذیب ۔ انوار امام اعظم

١٣۔ 〃 〃 〃 〃

١٤۔ 〃 〃 〃 〃

١٥۔ 〃 〃 ۔ البدایہ والنہایہ ۔ تذکرۃ المحدثین

١٦۔ 〃 〃 〃 〃 〃
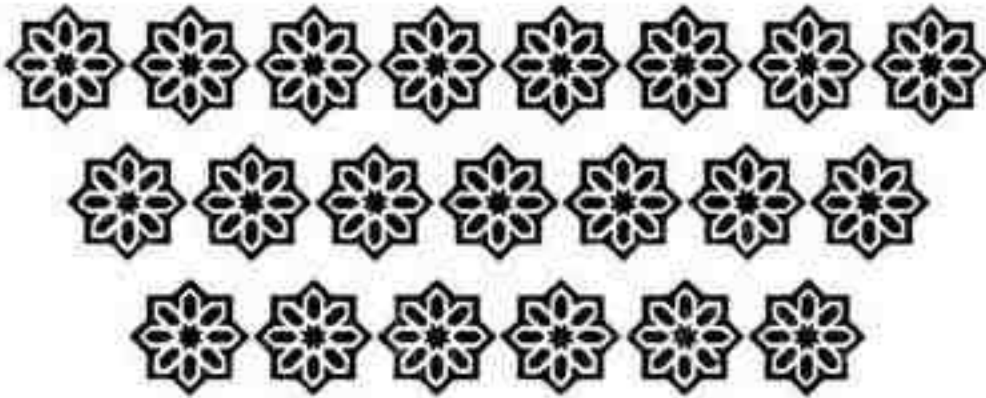
۱۷۔ 〃 〃 〃 〃 〃

۱۸۔ 〃 〃 〃 〃 〃

۱۹۔ 〃 〃 〃 〃 〃

۲۰۔ 〃 〃 〃 〃 〃

۲۱۔ 〃 〃 〃 〃 〃

۲۲۔ 〃 〃 〃 〃 〃

۲۳۔ 〃 〃 〃 〃 〃

۲۴۔ 〃 〃 〃 〃 〃

۲۵۔ کنز العمال للمتقی۔ شیخ محدث دہلوی۔

۲۶۔ 〃 〃 〃

۲۷۔ شیخ محدث دہلوی۔ مقدمہ اخبار الاخیار

۲۸۔ احوال المصنفین۔ 〃 〃

۲۹۔ مقدمہ تحفہ اثنا عشریہ

۳۰۔ تذکرہ مشائخ قادریہ
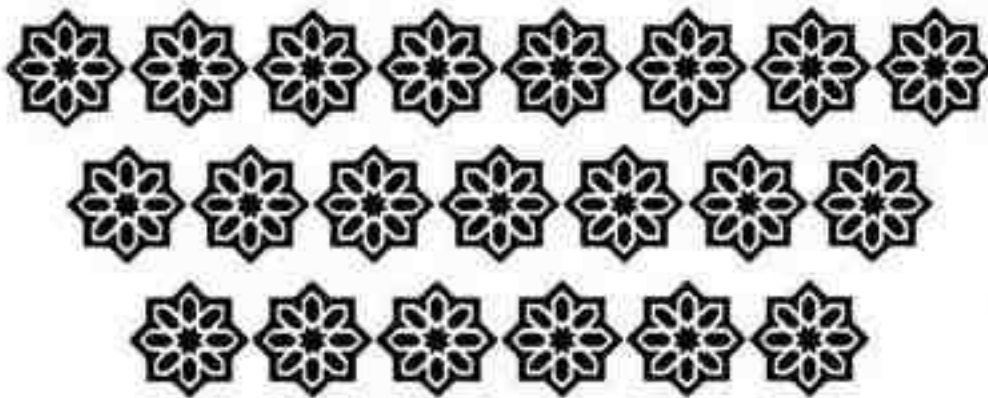
# مجدد اعظم امام احمد رضا محدث بریلوی

نام ونسب: نام، محمد۔ عرفی نام، احمد رضا خاں۔ بچپن کے نام امن میاں۔ احمد میاں۔ تاریخی نام، المختار۔۱۲۷۲ھ۔ والد کا نام، نقی علی خاں۔ القاب، اعلیٰ حضرت۔ شیخ الاسلام والمسلمین ،مجدد اعظم، فاضل بریلوی، وغیرھا کثیر ہیں۔

سلسلہ نسب یوں ہے، امام احمد رضا بن مولانا نقی علی خاں بن مولانا رضا علی خاں بن حافظ کاظم علی خاں بن محمد اعظم خاں بن سعادت یار خاں بن سعید اللہ خاں ولی عہد ریاست قندھار افغانستان وشجاعت جنگ بہادر علیہم الرحمۃ والرضوان۔

ولادت، ۱۰؍شوال المکرم ۱۲۷۲ھ/۱۴؍جون ۱۸۵۶ء/۱۱؍جیٹھ ۱۹۱۳سدی بروز شنبہ بوقت ظہر بمقام محلہ جسولی بریلی (انڈیا) میں ہوئی۔

آپکے اجداد میں سعید اللہ خاں شجاعت جنگ بہادر پہلے شخص ہیں جو قندھار سے ترک وطن کر کے سلطان نادر شاہ کے ہمراہ ہندوستان آئے اور لاہور کے شیش محل میں قیام فرمایا۔

علامہ حسنین رضا خاں علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:

یہ روایت اس خاندان میں سلف سے چلی آرہی ہے کہ اس خاندان کے مورث اعلیٰ والیان قندھار کے خاندان سے تھے۔ شہزادہ سعید اللہ خاں صاحب ولی عہد حکومت قندھار کی والدہ کا انتقال ہو چکا تھا۔ سوتیلی ماں کا دور دورہ ہوا تو انہوں نے اپنے بیٹے کیلئے ولی عہدی کی جگہ حاصل کرنے کے سلسلے میں ان باپ بیٹوں میں اتنا نفاق کرادیا کہ شہزادہ سعید اللہ خاں صاحب ترک وطن پر مجبور ہوگئے۔ ان کے چند دوستوں نے بھی اس ترک وطن میں ان کا ساتھ دیا۔ یہ ساری جماعت قندھار سے لاہور آگئی۔ لاہور کے گورنر نے دربار دہلی کو اطلاع دی کہ قندھار کے

ایک شہزادے صاحب کسی کشیدگی کی وجہ سے ترک وطن کر کے لاہور آ گئے ہیں اس کے جواب میں انکی مہمان نوازی کا حکم ہوا اور لاہور کا شیش محل ان کا رہائش کے لئے عطا ہوا جو آج بھی موجود ہے۔ان کی شاہی مہمان نورازی ہونے لگی۔انہیں اپنے مستقبل کے لئے کچھ کرنا ضروری تھا وہ جلدی ہی دہلی آ گئے یہاں انکی بڑی عزت ووقعت ہوئی۔چند ہی دونوں میں وہ فوج کے کسی بڑے عہدے پر ممتاز ہو گئے اور انکے ساتھیوں کو بھی فوج میں مناسب جگہیں مل گئیں۔یہ منصب انکی فطرت کے بہت مناسب تھا۔جب روہیل کھنڈ میں کچھ بغاوت کے آثار نمودار ہوئے تو باغیوں کی سرکوبی ان کے سپرد ہوئی۔اس بغاوت کے فرد ہونے کے بعد ان کو روہیل کھنڈ کے صدر مقام بریلی میں قیام کرنے اور امن قائم رکھنے کا حکم ہو گیا۔یہاں انہیں صوبہ دار بنا دیا گیا جو گورنر کے مترادف ہے۔اس ضلع میں انکوایک جاگیر عطا ہوئی جو غدر ۱۸۵۷ء میں ضبط ہو کر تحصیل ملک ضلع رامپور میں شامل کر دی گئی ہے۔اس جاگیر کا مشہور اور بڑا موضع وہنیلی تھا جواب موجود ہے ۔بریلی کی سکونت اس لئے مستقل ہو گئی کہ اسی دور میں کوہستان روہ کے کچھ پٹھان خاندان یہاں آکر آباد ہو گئے تھے۔ان کے لئے ان کا جوار بڑا خوشگوار تھا۔اس واسطے کہ ان سے بوئے وطن آتی تھی۔(۱)

**سعید اللہ خاں:** حضرت سعید اللہ خاں صاحب کو شش ہزاری عہدہ بھی ملا تھا اور شجاعت جنگ آپ کو خطاب دیا گیا تھا۔آپ نے آخر عمر میں ملازمت سے سبکدوشی اختیار کر لی تھی۔بقیہ زمانہ یاد الٰہی میں گذارا اور جس میدان میں آپ کا قیام تھا وہیں دفن ہوئے۔بعد کو لوگوں نے اس میدان کو قبرستان میں تبدیل کر دیا جو آج بھی محلہ معماران بریلی میں موجود ہے اور اسی مناسبت سے اسکو شہزادے کا تکیہ کہا جاتا ہے۔

**سعادت یار خاں:** آپکے بعد آپکے صاجبزادے سعادت یار خاں نے کافی شہرت پائی بلکہ والد ماجد کی حیات ہی میں اپنی امانت داری اور دیانت شعاری کی وجہ سے حکومت دہلی کے وزیر مالیات ہو گئے تھے۔شاہی حکومت کی طرف سے آپکو بدایوں کے متعدد مواضعات بھی جاگیر میں ملے تھے۔

مولانا حسنین رضا خاں تحریر فرماتے ہیں:

انہوں نے دہلی میں اپنی وزارت کی دونشانیاں چھوڑیں۔بازار سعادت گنج اور سعادت خاں نہر۔نہ معلوم حوادث روزگار کے دست ستم سے ان میں سے کوئی نشانی بچی ہے یا نہیں۔انکی مہر وزارت بھی اس خاندان میں میری جوانی تک موجود رہی۔(۲)

آپکے تین صاحبزادے تھے۔محمد اعظم خاں،محمد معظم خاں،محمد مکرم خاں۔

## محمد اعظم خاں:

آپکے بڑے صاحبزدے تھے۔سلطنت مغلیہ کی وزارت اعلی کے عہدے پر فائز ہوئے۔کچھ دن اس عہدہ پر فائز رہنے کے بعد سلطنت کی ذمہ داریوں سے سبکدوش ہوگئے تھے۔آپ نے ترک دنیا فرما کر عبادت وریاضت میں ہمہ وقت مشغولی اختیار فرمائی۔آپ بھی بریلی محلہ معماران میں اقامت گزیں رہے۔

آپکے صاحبزادے حضرت حافظ کاظم علی خاں ہر جمعرات کوسلام کیلئے حاضر ہوتے اور گرانقدر رقم پیش کرتے۔ایک مرتبہ جاڑے کے موسم میں جب حاضر ہوئے تو دیکھا کہ آپ ایک الاؤ (دہرے) کے پاس تشریف فرماہیں۔اس موسم سرما میں کوئی سردی کا لباس جسم پر نہ دیکھ کر اپنا بیش بہا دوشالہ اتار کر والد ماجد کو اڑھادیا۔حضرت موصوف نے نہایت استغناء سے اسے اتار کر آگ کے الاؤ میں ڈالدیا۔صاحبزادے نے جب یہ دیکھا تو خیال پیدا ہوا کہ کاش اسے کسی اور کو دیدیتا تو اسکے کام آتا۔

آپکے دل میں یہ وسوسہ آتا تھا کہ حضرت نے اس آگ کے دھرے سے دوشالہ کھینچ کر پھینک دیا اور فرمایا: فقیر کے یہاں دھکر پھکر کا معاملہ نہیں،لے اپنا دوشالہ۔دیکھا تو اس دوشالہ پر آگ کا کچھ اثر نہیں تھا۔(۳)

## حافظ کاظم علی خاں:

حافظ کاظم علی خاں شہر بدایوں کے تحصیلدار تھے اور یہ عہدہ آج کے زمانہ کی کلکٹری کے برابر تھا۔دوسو سواروں کی بٹالین آپکی خدمت میں رہا کرتی تھی۔آپ کو سلطنت مغلیہ کی طرف

سے آٹھ گاؤں جاگیر میں پیش کئے گئے تھے۔

سیرت اعلی حضرت میں ہے:

حافظ کاظم علی خاں صاحب مرحوم کے دور میں مغلیہ حکومت کا زوال شروع ہوگیا تھا ہرطرف بغاوتوں کا شوراور ہرصوبے میں آزادی وخودمختاری کا زور ہورہا تھا۔اس وقت جب کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی تو حافظ کاظم علی خاں صاحب دہلی سے لکھنؤ آگئے۔ادھر انگریزوں کا زور بڑھ رہا تھا اور حکومت میں تعطل پیدا ہوگیا تھا۔اودھ کی سلطنت میں بھی کارہائے نمایاں انجام دیئے ان کو بھی یہاں دوبار اودھ سے ایک جاگیر عطا ہوئی جو ہم لوگوں تک باقی رہی اور ۱۹۵۴ء میں جب کانگریس نے دیہی جائدادیں ضبط کیں تو ہماری معافی بھی ضبطی میں آگئی۔(۴)

ملک العلماء حضرت مولانا ظفرالدین بہاری علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:

آپ اس جدوجہد میں تھے کہ سلطنت مغلیہ اور انگریزوں میں جو کچھ مناقشات تھے ان کا تصفیہ ہوجائے۔چنانچہ اسی تصفیہ کیلئے آپ کلکتہ تشریف لے گئے تھے۔(۵)

**قطب وقت مولانا رضا علی خاں:** آپکے بڑے صاحبزادے ہیں اور سیدنا اعلی حضرت قدس سرہ کے حقیقی دادا۔

آپکی ولادت ۱۲۲۴ھ میں ہوئی۔شہر ٹونک میں مولوی خلیل الرحمٰن صاحب علیہ الرحمہ سے علوم درسیہ حاصل کئے۔۲۲/سال کی عمر میں ۱۲۴۷ھ سند فراغ حاصل کی۔اپنے زمانہ میں فقہ وتصوف میں شہرت خاص تھی۔تقریر نہایت پرتاثیر ہوتی،آپکے اوصاف شمار سے باہر ہیں،نسبت کلام،سبقت سلام،زہد وقناعت،حلم وتواضع اور تجرید وتفرد آپکی خصوصیات سے ہیں۔

مولانا حسنین رضا خاں صاحب لکھتے ہیں:

یہ پہلے شخص ہیں جو اس خاندان میں دولت علم دین لائے اور علم دین کی تکمیل کے بعد انہوں نے سب سے پہلے مسند افتاء کو رونق بخشی،تو اس خاندان کے ہاتھ سے تلوار چھوٹی اور تلوار کی جگہ قلم نے لے لی۔اب اس خاندان کا رخ ملک کی حفاظت سے دین کی حمایت کی طرف ہوگیا۔وہ اپنے دور میں مرجع فتاوی رہے۔انہوں نے خطب جمعہ وعیدین لکھے جو آج کل خطب

علمی ۔کے نام سے ملک بھر میں رائج ہیں ۔ یہ نا قابل انکار حقیقت ہے کہ اس خاندان کے مورث اعلی مولانا رضا علی خاں صاحب کے خطبے جو خطب علمی کہلاتے ہیں وہ مولانا رضا علی خاں صاحب کے ہی تصنیف کردہ ہیں اور کم وبیش ایک صدی سے سارے ہندوستان کے طول وعروض میں جمعہ وعیدین کو پڑھے جاتے ہیں ۔اور ہر مخالف وموافق انہیں پڑھتا ہے ۔ان کو شہرت سے انتہائی نفرت تھی اس لئے انہوں نے خطبے اپنے شاگرد مولانا علمی کو دے دیئے مولانا علمی نے خود بھی اس طرف اشارہ کیا ہے البتہ خطب علمی میں اردو اشعار مولانا علمی کے ہیں اور مولانا رضا علی خاں صاحب مرجع فتاوی بھی رہے۔

خطب علمی کو رب العزۃ نے وہ شان قبولیت عطا فرمائی کہ آج تک کوئی خطبہ اس کی جگہ نہ لے سکا۔ اس دور میں بہت سے خطبے لکھے گئے عمدہ کر کے چھاپے گئے کوشش سے رائج کئے گئے مگر وہ قبول عام کسی کو آج تک نصیب نہ ہوا اور نہ آئندہ کسی کو امید ہے کہ وہ خطب علمی کی جگہ لے سکے گا ۔جب انکے بیٹے مولانا نقی علی خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے سند تکمیل حاصل کر لی تو افتاء اور زمینداری یہ دونوں کام مولانا نقی علی خاں کے سپرد ہو گئے ۔(٦)

۱۲۸۲ھ میں وصال ہوا اور سٹی قبرستان میں مدفون ہوئے۔

**کشف وکرامات**: حضرت کا گذر ایک روز کوچہ سیتارام کی طرف سے ہوا، ہنود کے تہوار ہولی کا زمانہ تھا، ایک ہندنی بازاری طوائف نے اپنے بالا خانہ سے حضرت پر رنگ چھوڑ دیا یہ کیفیت شارع عام پر ایک جوشیلے مسلمان نے دیکھتے ہی بالا خانہ پر جا کر تشدد کرنا چاہا مگر حضور نے اسے روکا اور فرمایا: بھائی کیوں اس پر تشدد کرتے ہو اس نے مجھ پر رنگ ڈالا ہے ۔خدا اسے رنگ دے گا۔ یہ فرمانا تھا کہ وہ طوائف بیتابانہ قدموں پر گر پڑی اور معافی مانگی اور اسی وقت مشرف باسلام ہوئی حضرت نے وہیں اس نوجوان کے ساتھ اس کا عقد کر دیا۔

۱۸۵۷ء کے بعد جب انگریزوں کا تسلط ہوا اور انہوں نے شدید مظالم کئے تو لوگ ڈر کے مارے پریشان پھرتے تھے ۔بڑے لوگ اپنے اپنے مکانات چھوڑ کر گاؤں وغیرہ چلے گئے لیکن حضرت مولانا رضا علی خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ محلہ ذخیرہ اپنے مکان میں برابر تشریف

رکھتے رہے اور پنج وقتہ نمازیں مسجد میں جماعت کے ساتھ ادا کیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت مسجد میں تشریف رکھتے تھے کہ ادھر سے گوروں کا گزر ہوا خیال ہوا کہ شاید مسجد میں کوئی شخص ہو تو اس کو پکڑ کر پیٹیں، مسجد میں گھسے ادھر ادھر گھوم آئے بولے مسجد میں کوئی نہیں ہے حالانکہ حضرت مسجد میں تشریف فرما تھے اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو اندھا کردیا کہ حضرت کو دیکھنے سے معذور رہے۔

## رئیس الاتقیاء مولانا نقی علی خاں

ولادت، یکم رجب ۱۲۴۶ھ کو بریلی میں ہوئی۔ اپنے والد ماجد قطب زماں حضرت مولانا رضا علی خاں صاحب قبلہ علیہ الرحمہ سے اکتساب علم کیا۔ آپ بلند پایہ عالم اور بہت بڑے فقیہ تھے۔

مولانا عبدالحی رائے بریلوی لکھتے ہیں:

الشیخ الفقیہ نقی علی خاں بن رضاعلی خاں بن کاظم علی بن اعظم خاں بن سعادت یار الافغانی البریلوی احد الفقھاء الحنفیة اسند الحدیث عن شیخ احمد بن زین دحلان الشافعی۔(۷)

امام احمد رضا قدس سرہ فرماتے ہیں:

جو دقت انظار وحدت افکار وفہم صائب ورائے ثاقب حضرت حق جل وعلا نے انہیں عطا فرمائی ان دیار وامصار میں اس کی نظیر نظر نہ آئی۔ فراست صادقہ کی یہ حالت تھی کہ جس معاملہ میں جو کچھ فرمایا وہی ظہور میں آیا۔ عقل معاش ومعاد دونوں کا بروجہ کمال اجتماع بہت کم سنا یہاں آنکھوں دیکھا۔ علاوہ بریں سخاوت وشجاعت، علو ہمت وکرم ومروت، صدقات خفیہ ومبرات جلیہ، بلندی اقبال ودبدبۂ وجلال، موالات فقراً اور امر دینی میں عدم مبالات باغنیاء، حکام سے عزلت ورزق موروث پر قناعت، وغیرہ ذلک فضائل جلیلہ وخصائل جمیلہ کا حال وہی کچھ جانتا ہے جس نے اس جناب کی برکت صحبت سے شرف پایا ہے:۔ع

این نہ بحریست کہ در کوزۂ تحریر آید

مگر سب سے بڑھ کر یہ ہے کہ اس ذات گرامی صفات کو خالق عزوجل نے حضرت سلطان رسالت علیہ افضل الصلوۃ والتحیۃ کی غلامی وخدمت اور حضور اقدس کے اعداء پر غلظت وشدت کے لئے بنایا تھا۔ بحمد اللہ ان کے بازوئے ہمت وطنطنۂ صولت نے اس شہر کو فتنۂ مخالفین سے یکسر پاک کردیا۔ کوئی اتنا نہ رہا کہ سر اٹھائے یا آنکھ ملائے یہاں تک کہ ۲۶ر شعبان ۱۲۹۳ھ کو مناظرۂ دینی کا عام اعلان بنام تاریخی "اصلاح ذات بین" طبع کرایا اور سوا مہر سکوت یا عار فرار وغوغائے جہال وعجز واضطرار کے کچھ جواب نہ پایا، فتنۂ شش مثل کا شعلہ کہ مدت سے سر بفلک کشیدہ تھا اور تمام اقطار ہند میں اہل علم اس کے اطفا پر عرق ریز وگردیدہ، اس جناب کی ادنی توجہ میں بحمد اللہ سارے ہندوستان سے ایسا فرد ہوا کہ جب سے کان ٹھنڈے ہیں۔ اہل فتنہ کا بازار سرد ہے، خود اس کے نام سے جلتے ہیں، مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی یہ خدمت روز ازل سے اس جناب کے لئے ودیعت تھی جس کی قدرے تفصیل رسالہ "تنبیہ الجہال بالہام الباسط المتعال" میں مطبوع ہوئی:۔ وذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔

آپکی تمام خوبیوں کے درمیان سب سے بڑی خوبی اور علمی شاہکار اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی تعلیم وتربیت ہے جو صدیوں ان کا نام نامی زندہ رکھنے کے لئے کافی ہے۔

## امام احمد رضا محدث بریلوی

امام احمد رضا قدس سرہ نے اپنی سنہ ولادت کا استخراج اس آیت کریمہ سے فرمایا:

اولئک کتب فی قلوبھم الایمان وایدھم بروح منہ۔

اس آیت کریمہ میں ان لوگوں کی طرف اشارہ ہے جو اللہ ورسول کے دشمنوں کو کبھی اپنا دوست نہیں بناتے اور اپنا رشتۂ ایمانی اسی وقت مضبوط ومستحکم جانتے ہیں جب اعدائے دین سے کھلم کھلا عداوت ومخالفت کا اعلان کریں اگرچہ وہ دشمنان دین انکے باپ دادا ہوں خواہ اولاد اور دیگر عزیز واقارب ہوں۔ جب کسی مومن کا ایمان ایسا قوی ہوجاتا ہے تو اسکے لئے وہ بشارت ہے جو آیت کریمہ میں بیان فرمائی۔

سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ کی، پوری حیات مقدسہ اسکا آئینہ تھی۔ آئندہ اوراق میں اسکے شواہد ملاحظہ فرمائیں۔

حسن اتفاق کہ اعلیٰ حضرت جس ساعت میں پیدا ہوئے اس وقت آفتاب منزل غفر میں تھا جو اہل نجوم کے یہاں مبارک ساعت ہے۔

اعلیٰ حضرت نے خود بھی اس کی طرف یوں اشارہ فرمایا ہے:

دنیا ہزار حشر جہاں ہیں غفور میں
ہر منزل اپنے ماہ کی منزل غفر کی ہے

## عہد طفلی:

آپ کا بچپن نہایت ناز و نعم میں گذرا۔ فطری طور پر ذہین تھے اور حافظہ نہایت قوی وقابل رشک پایا تھا۔ کبھی بچوں کے ساتھ نہ کھیلتے۔ محلہ کے بچے کبھی کھیلتے ہوئے گھر آجاتے تو آپ انکے کھیل میں کبھی شریک نہ ہوتے بلکہ انکے کھیل کو دیکھا کرتے۔ طہارت نفس، اتباع سنت، پاکیزہ اخلاق اور حسن سیرت جیسے اوصاف آپکی ذات میں بچپن ہی سے ودیعت تھے۔ آپکی زبان کھلی تو صاف تھی، عام طور پر بچوں کی طرح کج مج نہ تھی، غلط الفاظ آپکی زبان پر کبھی نہ آئے اور نہ کسی نے سنے۔

امام احمد رضا قدس سرہ نے خود فرمایا: میں اپنی مسجد کے سامنے کھڑا تھا، اس وقت میری عمر ساڑھے تین سال ہوگی، ایک صاحب اہل عرب کے لباس میں ملبوس جلوہ فرما ہوئے، یہ معلوم ہوتا تھا کہ عربی ہیں، انہوں نے عربی زبان میں مجھ سے گفتگو بھی فرمائی، میں نے انکی زبان میں ان سے گفتگو کی، میں نے ان بزرگ ہستی کو پھر کبھی نہ دیکھا۔ (۸)

ایک مرتبہ طفولیت کے زمانہ میں ایک بزرگ سے ملاقات ہوئی، انہوں نے اعلیٰ حضرت قدس سرہ کو سر سے پاؤں تک دیکھا اور کئی بار دیکھنے کے بعد فرمایا: تم رضا علی خانصاحب کے کون ہو؟ آپ نے جواب دیا، میں ان کا پوتا ہوں۔ فرمایا: جبھی، اور فوراً تشریف لے گئے۔

(۹)

اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی عمر تقریباً ۵/۶ رسال کی ہوگی، اس وقت صرف ایک بڑا کرتہ پہنے ہوئے باہر تشریف لائے، اسی دوران سامنے سے چند طوائف زنان بازاری گذریں، آپ نے فوراً کرتے کا اگلا دامن دونوں ہاتھوں سے اٹھا کر چہرۂ مبارک کو چھپالیا۔ یہ کیفیت دیکھ کر ان میں سے ایک بول اٹھی، واہ میاں صاحبزادے، منہ تو چھپالیا اور ستر کھولدیا۔ آپ نے برجستہ جواب دیا، جب نظر بہکتی ہے تو دل بہکتا ہے اور جب دل بہکتا ہے تو ستر بہکتا ہے۔ یہ حکیمانہ جواب سنکر وہ سکتہ میں رہ گئی۔ (۱۰)

## تعلیم وتربیت:

آپکی تعلیم کا آغاز ہوا تو پہلے ہی دن ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ استاذ محترم نے بسم اللہ الرحمن الرحیم کے بعد جب حروف تہجی کی تختی پڑھانا شروع کی تو آپ تمام حروف پڑھکر 'لا' پر جاکر رک گئے اور عرض کیا: الف اور لام تو میں پڑھ چکا یہاں دوبارہ پڑھانے کی کیا ضرورت ہے؟ فرمایا: جوتم نے الف کی صورت میں پڑھا وہ ہمزہ تھا۔ چونکہ الف ہمیشہ ساکن ہوتا ہے لہذا اسکا تنہا تلفظ نہیں ہوسکتا۔ اب لام کے ساتھ ملاکر اسکو پڑھایا جارہا ہے۔ عرض کی: پھر تو کسی بھی حرف کے ساتھ ملاکر پڑھایا جاسکتا تھا۔ اس لام کی کیا خصوصیت تھی؟

جد امجد حضرت علامہ رضا علی خانصاحب قبلہ علیہ الرحمہ بھی مجلس میں موجود تھے۔ آپ نے فرمایا: الف اور لام میں صورت اور سیرت کے اعتبار سے ایک خاص مناسبت ہے۔ صورۃً تو اس طرح کہ 'لا' اور 'لا' لکھا جاتا ہے، اور سیرۃً اس لئے کہ الف اور لام کا جب تلفظ کرو تو ایک کو دوسرے کے قلب اور بیچ میں لکھو گے۔ لہذا دونوں میں قلبی تعلق ہے۔ الف کے بیچ میں 'ل' ہے اور لام کے بیچ میں 'ا' ہے۔ یہ جواب دیکر جد امجد نے وفور مسرت میں گلے سے لگالیا، وہ اپنی فراست ایمانی اور مکاشفہ روحانی سے یہ سمجھ گئے تھے کہ یہ بچہ آگے چل کر کچھ ہوگا۔

قرآن کریم ناظرہ پڑھ رہے تھے کہ ایک دن استاذ محترم نے کسی مقام پر کچھ اعراب بتایا آپ نے استاذ کے بتانے کے خلاف پڑھا۔ انہوں نے دوبارہ کرخت آواز سے بتایا آپ نے پھر وہی پڑھا جو پہلے پڑھا تھا۔ آپ کے والد ماجد جو قریب ہی کے کمرے میں بیٹھے تھے

انہوں نے سپارہ منگا کر دیکھا تو سپارہ میں استاذ کے بتانے کے موافق تھا۔آپ بھی وہاں جونکہ کتابت کی غلطی محسوس کر رہے تھے آپ نے قرآن پاک منگایا اس میں وہی اعراب پایا جو اعلی حضرت نے بار بار پڑھا تھا۔باپ نے بیٹے سے دریافت کیا کہ تمہیں جو استاد بتاتے تھے وہی تمہارے سپارے میں بھی تھا تم نے استاذ کے بتانے کے بعد بھی نہیں پڑھا۔اعلی حضرت نے عرض کیا: میں نے ارادہ کیا کہ اپنے استاذ کے بتانے کے موافق پڑھوں مگر زبان نے یارا نہ دیا۔ اس پر ان کے والد ماجد وفور مسرت سے آبدیدہ ہو گئے اور خدا شکر ادا کیا کہ اس بچے کو ما انزل اللہ کے خلاف پر قدرت ہی نہیں دی گئی ہے یہ تھے آثار مجددیت۔

ایک روز صبح کو بچے مکتب میں پڑھ رہے تھے ان میں اعلی حضرت بھی شامل تھے ایک آنے والے بچے نے استاد کو بایں الفاظ سلام کیا،'السلام علیکم' استاد صاحب نے جواب میں کہا جیتے رہو آپ نے فوراً استاذ صاحب سے عرض کیا کہ یہ تو جواب نہ ہوا، انہوں نے پوچھا کہ اس کا جواب کیا ہے؟ اعلی حضرت نے عرض کیا: اس کا جواب 'وعلیکم السلام' ہے، اس پر استاد بہت خوش ہوئے اور دعائیں دیں۔چھوٹی چھوٹی شرعی غلطی پر آپ بچپن ہی میں بلا تکلف بول دیا کرتے تھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ غلطی کی تصیح قدرت ہی نے ان کی عادت ثانیہ بنادی تھی چونکہ ان سے آگے چل کر رب العزت کو یہی کام لینا تھا۔

مولانا حسنین رضا خانصاحب قبلہ لکھتے ہیں:

آپ مسلم الثبوت پڑھ رہے تھے اور زیادہ رات تک مطالعہ کرتے تھے۔جس مقام پر ان کا سبق ہونے والا تھا وہاں ان کے والد ماجد نے مولانا محب اللہ صاحب بہاری (مصنف کتاب) پر ایک اعتراض کر دیا تھا جو انہوں نے حاشیہ پر درج کر کے چھوڑ دیا تھا۔جب اعلی حضرت قبلہ کی نظر اس اعتراض پر پڑی تو آپ کی بانکی طبیعت میں یہ بات آئی کہ مصنف کی عبارت کو حل ہی اس طرح کیا جائے کہ اعتراض وارد ہی نہ ہو، آپ اس حل کو ایک بجے رات تک سوچتے رہے بالآخر تائید غیبی سے وہ حل سمجھ میں آ گیا۔آپ کو انتہائی مسرت ہوئی اور اس وفور مسرت میں بے اختیار آپ کے ہاتھوں سے تالی بج گئی۔اس سے سارا گھر جاگ گیا اور کیا ہے کیا

ہے کا شور مچ گیا تو آپ نے اپنے والد ماجد کو کتاب کی عبارت اور اس کا عام مطلب اور اس پر ان کا اعتراض سنانے کے بعد آپ نے اپنی طرف سے اس عبارت کی تقریر کی کہ وہ اعتراض ہی نہ پڑا، اس پر باپ نے گلے سے لگایا اور فرمایا کہ امن میاں تم مجھ سے پڑھتے نہیں بلکہ مجھے پڑھاتے ہو۔

سچ ہے:

بالائے سرش زہوش مندی ☆ می تافت ستارۂ بلندی

حضرت علامہ حسنین رضا خاں صاحب قبلہ بریلوی لکھتے ہیں:

دوران تعلیم آپ اپنے پھوپھا (جناب شیخ فضل حسن مرحوم) کے بلانے پر رامپور گئے انہوں نے بہ اصرار روکا۔ اعلی حضرت قبلہ نے یہ وقت بھی تحصیل علم میں صرف کیا اور بایماء الحاج نواب کلب علی خاں مرحوم مغفور شرح چغمینی کے کچھ اسباق مولانا عبد العلی صاحب مرحوم سے پڑھے۔ نانا فضل حسن صاحب بریلی کے ساکن تھے رام پور میں وہ محکمہ ڈاک کے افسر اعلی تھے اور الحاج نواب کلب علی خاں کے خاص مقربین میں ان کا شمار تھا۔ انہوں نے نواب صاحب سے اعلی حضرت قبلہ کی حیرت انگیز ذہانت کا پہلے ہی ذکر کر دیا تھا جب یہ رام پور گئے تو نواب صاحب کے روبرو پیش کر دیا۔ نواب صاحب نے بات چیت ہی سے اندازہ کر لیا کہ یہ بچہ ہونہار ہے تو انکی خوشی یہ ہوئی کہ یہ رام پور میں ہی مولانا عبد العلی صاحب اور مولانا عبد الحق صاحب خیر آبادی سے تعلیم حاصل کریں۔ اس لئے کہ مولانا عبد العلی صاحب ریاضی میں اور مولانا عبد الحق صاحب منطق فلسفہ اصول وکلام وغیرہ میں یگانہ روزگار مانے جاتے تھے۔

نواب صاحب نے فرمایا:

یہاں مولانا عبد الحق صاحب خیر آبادی مشہور منطقی ہیں۔ آپ ان سے کچھ منطق کی کتابیں قدما کی تصنیفات سے پڑھ لیجئے۔ اعلی حضرت نے فرمایا اگر والد ماجد کی اجازت ہو گی تو کچھ دن یہاں ٹھہر سکتا ہوں۔ یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ اتفاق وقت جناب مولانا عبد الحق صاحب خیر آبادی مرحوم بھی تشریف لے آئے۔ جناب نواب صاحب نے اعلی حضرت کا ان

سے تعارف کرایا اور فرمایا: باوجود کم سنی ان کی کتابیں سب ختم ہیں اور اپنے مشورہ کا ذکر فرمایا۔ مولانا عبدالحق صاحب مرحوم کا عقیدہ تھا کہ دنیا میں صرف ڈھائی عالم ہوئے، ایک مولانا بحرالعلوم دوسرے والد مرحوم اور نصف بندہ معصوم، وہ کب ایک کم عمر شخص کو عالم مان سکتے تھے۔ اعلیٰ حضرت سے دریافت فرمایا کہ منطق میں انتہائی کون کتاب آپ نے پڑھی ہے، اعلیٰ حضرت نے فرمایا ''قاضی مبارک'' یہ سنکر دریافت فرمایا کہ شرح تہذیب پڑھ چکے ہیں؟ یہ طعن آمیز سوال سن کر اعلیٰ حضرت نے فرمایا کہ کیا جناب کے یہاں قاضی مبارک کے بعد شرح تہذیب پڑھائی جاتی ہے۔ یہ سوال سیر کا سوا سیر پا کر جناب مولانا عبدالحق صاحب نے سوال کا رخ دوسری جانب پھیرا اور پوچھا اب کیا مشغلہ ہے؟ فرمایا: تدریس، افتا، تصنیف۔ فرمایا کس فن میں تصنیف کرتے ہیں؟ فرمایا: مسائل دینیہ و ردوہابیہ۔ اسکو سن کر فرمایا: ردوہابیہ؟ ایک میرا وہ بدایونی خبطی ہے کہ ہمیشہ اسی خبط میں رہتا ہے اور ردوہابیہ کیا کرتا ہے۔ (وہ اشارہ حضرت مقتدائے ملت تاج الفحول محب الرسول عالیجناب مولانا عبدالقادر صاحب بدایونی قدس سرہ العزیز کی طرف تھا۔ اور میرا کہنے کی وجہ یہ ہے کہ حضرت تاج الفحول جناب مولانا فضل حق صاحب خیرآبادی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد رشید تھے) اعلیٰ حضرت نے یہ سنتے ہی فرمایا: جناب کو معلوم ہوگا کہ وہابیہ کا رد سب سے پہلے جناب مولانا فضل حق جناب کے والد ماجد ہی نے کیا اور مولوی اسمعیل دہلوی کو بھرے مجمع میں مناظرہ کر کے ساکت کیا اور ان کے رد میں ایک مستقل رسالہ بنام ''تحقیق الفتوی فی ابطال الطغوی'' تحریر فرمایا ہے۔ اس پر مولانا عبدالحق صاحب خاموش ہو گئے۔ (۱۱)

ابتدائی کتابیں پہلے استاذ سے پڑھیں اور چار سال کی عمر میں قرآن ناظرہ ختم کیا، اسکے بعد میزان منشعب تک حضرت مولانا عبدالقادر بیگ سے پڑھا۔ ابتدائی تعلیم کے بعد والد ماجد نے آپکی تعلیم اپنے ذمہ لے لی اور آخر تک درس و تدریس کا سلسلہ جاری رکھا۔

اسی دوران شرح چغمینی مولانا عبدالعلی رامپوری (ریاضی داں) سے چھ ماہ وہاں رہ کر پڑھی۔ نیز علامہ حسنین رضا خاں صاحب فرماتے ہیں:

حضور پرنور پیرومرشد قدس سرہ کو شامل کر کے چھ نفوس قدسیہ میرے استاذ ہوتے

ہیں۔

ان چھ حضرات کے علاوہ حضور نے کسی کے سامنے زانوئے ادب طے نہیں کیا مگر خداوند عالم نے محض اپنے فضل وکرم اور آپ کی محنت اور خداداد ذہانت کی وجہ سے اتنے علوم وفنون کا جامع بنایا کہ پچاس فنون میں حضور نے تصنیفات فرمائیں اور علوم ومعارف کے وہ دریا بہائے کہ خدام ومعتقدین کا تو کہنا کیا مخالفین مخالفتیں کرتے اپنی سیاہ قلبی کی وجہ سے برائیاں کرتے مگر ساتھ ساتھ ٹیپ کا بند یہ ضرور کہنے پر مجبور ہوتے کہ یہ سب کچھ ہے مگر مولانا احمد رضا خانصاحب قلم کے بادشاہ ہیں جس مسئلہ پر قلم اٹھادیا نہ موافق کو ضرورت افزائش نہ مخالف کو دم زدن کی گنجائش ہوتی ہے۔ (۱۲)

پورے زمانہ طالب علمی میں کوئی کتاب بالاستیعاب مکمل نہ پڑھی، بلکہ والدصاحب جب یہ دیکھتے کہ امن میاں مصنف کے طرز سے واقف ہوگئے ہیں تو مشکل مقامات پر عبور کرانے کے بعد دوسری کتابیں شروع کرادیتے، اس طرح قلیل مدت میں آپ نے تمام درسی کتب کو مکمل کرلیا اور ۱۳ر سال دس ماہ چار دن کی عمر شریف میں ۱۴ر شعبان المعظم ۱۲۸۶ھ کو فارغ التحصیل ہوگئے۔

**فتوی نویسی:** تکمیل تعلیم کے بعد ہی والد ماجد نے فتوی نویسی کا کام اپنے فرزندار جمند کے سپرد کردیا تھا اور سات سال تک مسلسل والد محترم کی سرپرستی میں آپ نے فتاوی تحریر فرمائے۔

خود فرماتے ہیں:

ردوہابیہ اور افتاء یہ دونوں ایسے فن ہیں کہ طب کی طرح یہ بھی صرف پڑھنے سے نہیں آتے، ان میں بھی طبیب حاذق کے مطب میں بیٹھنے کی ضرورت ہے، میں بھی ایک حاذق طبیب کے مطب میں سات برس بیٹھا، مجھے وہ وقت وہ دن وہ جگہ وہ مسائل اور جہاں سے وہ آئے تھے اچھی طرح یاد ہیں، میں نے ایک بار ایک نہایت پیچیدہ حکم بڑی کوشش وجانفشانی سے نکالا اور اسکی تائیدات مع تنقیح آٹھ ورق میں جمع کیں، مگر جب حضرت والد ماجد قدس سرہ کے حضور میں پیش کیا تو انہوں نے ایک جملہ ایسا فرمادیا کہ اس سے یہ سب ورق رد ہوگئے، وہی جملے

اب تک دل میں بڑے ہوئے ہیں اور قلب میں اب تک اسکا اثر باقی ہے۔ (۱۳)

دوسرے مقام پر فرماتے ہیں:

میں نے فتوی دینا شروع کیا، اور جہاں میں غلطی کرتا حضرت قدس سرہ اصلاح فرماتے، اللہ عزوجل انکے مرقد پاکیزہ بلند کو معطر فرمائے، سات برس کے بعد مجھے اذن فرمادیا کہ اب فتوی لکھوں اور بغیر حضور کو سنائے سائلوں کو بھیج دیا کروں، مگر میں نے اس پر جرأت نہ کی یہاں تک رحمٰن عزوجل نے حضرت والا کو سلخ ذی قعدہ ۱۲۹۷ھ میں اپنے پاس بلالیا۔ (۱۴)

**ازدواجی زندگی:** مولانا حسنین رضا خانصاحب علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:

تعلیم مکمل ہوجانے کے بعد اعلی حضرت قبلہ کی شادی کا نمبر آیا۔ نانا فضل حسن صاحب کی منجھلی صاحبزادی سے نسبت قرار پائی۔ شرعی پابندیوں کے ساتھ شادی ہوگئی۔ یہ ہماری محترمہ اماں جان رشتہ میں اعلی حضرت قبلہ کی پھوپھی زادی تھیں۔ صوم وصلوۃ کی سختی سے پابند تھیں۔ نہایت خوش اخلاق بڑی سیر چشم انتہائی مہمان نواز نہایت متین وسنجیدہ بی بی تھیں۔ اعلی حضرت قبلہ کے یہاں مہمانوں کی بڑی آمد رہتی تھی، ایسا بھی ہوا ہے کہ عین کھانے کے وقت ریل سے مہمان اتر آئے اور جو کچھ کھانا پکنا تھا وہ سب پک چکا تھا اب پکانے والیوں نے ناک بھوں سمیٹی آپ نے فوراً مہمانوں کیلئے کھانا اتار کر باہر بھیج دیا اور سارے گھر کے لئے دال چاول یا کھچڑی پکنے کو رکھوادی گئی کہ اس کا پکنا کوئی دشوار کام نہ تھا۔ جب تک مہمانوں نے باہر کھانا کھایا گھر والوں کے لئے بھی کھانا تیار ہوگیا کسی کو کانوں کان خبر بھی نہ ہوئی کہ کیا ہوا۔ اعلی حضرت قبلہ کی ضروری خدمات وہ اپنے ہاتھ سے انجام دیتی تھیں۔ خصوصاً اعلیحضرت کے سر میں تیل ملنا یہ انکا روزمرہ کا کام تھا جس میں کم وبیش آدھا گھنٹہ کھڑا رہنا پڑتا تھا اور اس شان سے تیل جذب کیا جاتا تھا کہ ان کے لکھنے میں اصلا فرق نہ پڑے، یہ عمل ان کا روزانہ مسلسل تا حیات اعلیحضرت برابر جاری رہا۔ سارے گھر کا نظم اور مہمان نوازی کا عظیم بار بڑی خاموشی اور صبر واستقلال سے برداشت کرگئیں۔ اعلی حضرت قبلہ کے وصال کے بعد بھی کئی سال زندہ رہیں مگر اب بجز یاد الہی انہیں اور کوئی کام نہیں رہا تھا۔ اعلی حضرت قبلہ کے گھر کے لئے ان کا انتخاب بڑا کامیاب

تھا۔رب العزت نے اعلیٰ حضرت قبلہ کی دینی خدمات کے لئے جو آسانیاں عطا فرمائیں تھیں ان آسانیوں میں ایک بڑی چیز امی جان کی ذات گرامی تھی۔قرآن پاک میں رب العزت نے اپنے بندوں کو دعائیں اور مناجاتیں بھی عطا فرمائی ہیں تا کہ بندوں کو اپنے رب سے مانگنے کا سلیقہ آجائے ان میں سے ایک دعا یہ بھی ہے۔

ربنا اتنا فی الدنیا حسنة و فی الاخرة حسنة وقنا عذاب النار۔

تو دنیا کی بھلائی سے بعض مفسرین نے ایک پاکدامن ہمدرد اور شوہر کی جاں نثار بیوی مراد لی ہے۔

ہماری اماں جان عمر بھر اس دعا کا پورا اثر معلوم ہوتی رہیں۔اپنے دیوروں اور نندوں کی اولاد سے بھی اپنے بچوں جیسی محبت فرماتی تھیں۔گھرانے کے اکثر بچے انہیں اماں جان ہی کہتے تھے۔اب کہاں ایسی پاک ہستیاں۔رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہا و علی بعلہا و ابنیہا۔

**بیعت وخلافت**: نیز فرماتے ہیں:

ایک روز اعلیٰ حضرت قبلہ کسی خیال میں روتے روتے سو گئے اس لئے کہ قیلولہ (دوپہر کو لیٹنا جو سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت ہے) اس خاندان میں اب تک رائج ہے۔ اعلیٰ حضرت قبلہ بھی اس سنت پر تاالعمر عامل رہے۔خواب میں اعلیحضرت قبلہ کے دادا حضرت مولانا رضا علی خاں صاحب تشریف لائے اور فرمایا: وہ شخص عنقریب آنے والا ہے جو تمہارے اس درد کی دوا کرے گا۔چنانچہ اس واقعہ کے دوسرے یا تیسرے روز تاج الفحول حضرت مولانا عبد القادر صاحب بدایونی علیہ الرحمہ تشریف لائے،ان سے بیعت کے متعلق مشورہ ہوا اور یہ طے ہوا کہ جلد ہی مارہرہ شریف چل کر بیعت ہو جانا چاہیئے۔چنانچہ یہیں سے یہ تینوں حضرات مارہرہ شریف کو چل پڑے (اعلیٰ حضرت اور انکے والد ماجد اور حضرت مولانا عبد القادر صاحب)

جب حضرت مارہرہ شریف پہونچے اور آستانۂ عالیہ برکاتیہ پر حاضری ہوئی تو وہاں کے صاحب سجادہ حضرت سیدنا و مولانا آل رسول سے اعلیٰ حضرت قبلہ اور انکے والد ماجد کی پہلی ملاقات ہوئی تو انہوں نے اعلیٰ حضرت قبلہ کو دیکھتے ہی جو الفاظ فرمائے تھے وہ یہ تھے:

آیئے ہم تو کئی روز سے آپ کے انتظار میں تھے۔ اعلیٰ حضرت اور انکے والد ماجد بیعت ہوئے اور مرشد برحق نے تمام سلاسل کی اجازت عطا فرما کر تاج خلافت اعلیٰ حضرت کے سر پر اپنے دست کرم سے رکھ دیا۔ یوں یہ خلش جس کے لئے اعلیٰ حضرت روتے تھے رب العزت نے نکال دی۔ شریعت کی تعلیم و تربیت باپ سے ملی تھی اور طریقت کی تکمیل پیرو مرشد نے کرادی۔ اس وقت اعلیٰ حضرت قدس سرہ شریعت و طریقت دونوں کے امام ہو گئے۔

زندہ باد اعلیٰ حضرت زندہ باد

بعض مریدین نے جو اس وقت حاضر تھے حضرت سیدنا آل رسول قدس سرہ سے عرض کیا: کہ حضور اس بچے پر یہ کرم کہ مرید ہوتے ہی تمام سلاسل کی اجازت و خلافت عطا ہو گئی نہ ضروری ریاضت کا حکم ہوا نہ چلہ کشی کرائی۔ اس کے جواب میں حضرت سیدنا آل رسول نے فرمایا کہ تم کیا جانو، یہ بالکل تیار آئے تھے صرف نسبت کی ضرورت تھی تو یہاں آکر وہ ضرورت بھی پوری ہو گئی۔ یہ فرما کر آب دیدہ ہو گئے اور فرمایا: کہ رب العزت دریافت فرمائے گا کہ آل رسول تو دنیا سے ہمارے لئے کیا لایا تو میں احمد رضا کو پیش کروں گا۔ مارہرہ شریف ضلع ایٹہ میں ایک قصبہ ہے اور اس میں سادات کرام کا یہ خاندان بلگرام شریف سے آکر آباد ہوا ہے یہ حسنی و حسینی سادات قادری نسل سے ہیں اور نسبت بھی قادری ہے اس خاندان میں بڑے بڑے اولیاء کرام ہوئے اعلیٰ حضرت قبلہ کے مرشد سیدنا شاہ آل رسول انہیں میں سے ایک تھے۔ ان کا اپنے دور کے اولیاء کرام میں شمار تھا۔ علماء کرام بدایوں بھی اسی خاندان سے بیعت ہوئے اور علماء کرام بریلی کو بھی اسی دودمان پاک کی غلامی پر فخر ہے۔ (۱۵)

**مجدد وقت:** مولانا حسنین رضا خانصاحب لکھتے ہیں:

اعلیٰ حضرت قبلہ کے فیضان مجددیت کا ظہور ۱۳۰۱ھ کے آغاز سے ہوا۔ یہ واقعہ ذرا تفصیل طلب ہے، واقعہ یہ ہے کہ ہمارے چچا مولوی محمد شاہ خاں صاحب عرف نتھن خاں صاحب مرحوم سوداگری محلہ کے قدیمی باشندے تھے، اعلیٰ حضرت سے عمر میں ایک سال بڑے تھے، بچپن ساتھ گذرا ہوش سنبھالا تو ایک ہی جگہ نشست و برخاست رہی۔ ایسی حالت میں آپس

میں بے تکلفی ہونا ہی تھی ۔ ان کو اعلیٰ حضرت قبلہ تھن بھائی جان کہتے تھے اور ان کے ایک سال بڑے ہونے کا بڑا لحاظ فرماتے تھے یہ بھی اکثر سفر و حضر میں ساتھ ہی رہتے ، آدمی ذی علم تھے گھر کے خوش حال زمین دار تھے یہاں تک کہ ندوہ کے مقابلہ میں جب اعلیٰ حضرت قبلہ نے بہار و کلکتہ کا سفر کیا تھا تو تھن میاں بھی ساتھ رہے ۔ میں نے اپنے ہوش سے انہیں اعلیٰ حضرت قبلہ کی صحبت میں خاموش اور مؤدب ہی بیٹھے دیکھا ۔ انہیں اگر مسئلہ دریافت کرنا ہوتا تو دوسروں کے ذریعہ سے دریافت کراتے ۔ میں مدتوں سے یہ ہی دیکھ رہا تھا ، ایک روز میں نے چچا سے عرض کیا کہ اعلیٰ حضرت تو آپکی بزرگی کا لحاظ کرتے ہیں آپ ان سے اس قدر کیوں جھجھکتے ہیں کہ مسئلہ خود نہیں دریافت کرتے ۔ انہوں نے فرمایا : کہ ہم اور وہ بچپن سے ساتھ رہے ، ہوش سنبھالا تو نشست برخاست ایک ہی جگہ ہوتی ، نماز مغرب پڑھ کر ہمارا معمول تھا کہ ان کی نشست گاہ میں آبیٹھتے ۔ سید محمود شاہ صاحب وغیرہ چند ایسے احباب تھے کہ وہ بھی اس صحبت کی روزانہ شرکت کرتے ۔ عشاء تک مجلس گرم رہتی ، اس مجلس میں ہر قسم کی باتیں ہوتی تھیں ، علمی مذاکرے ہوتے تھے ، دینی مسائل پر گفتگو ہوتی اور تفریحی قصے بھی ہوتے ، جس دن محرم ۱۳۰۱ھ کا چاند ہوا ہے اس دن حسب معمول ہم سب بعد مغرب اعلیٰ حضرت کی نشست گاہ میں آگئے ۔

اعلیٰ حضرت خلاف معمول کسی قدر دیر سے پہونچے ، حسب معمول سلام علیک کے بعد تشریف رکھی اور لوگ بھی تھے ، مجھے مخاطب کر کے فرمایا کہ تھن بھائی جان آج ۱۳۰۱ھ کا چاند ہوگیا ، میں نے عرض کیا : کہ میں نے بھی دیکھا ، بعض اور ساتھیوں نے چاند دیکھنا بیان کیا ، اس پر فرمایا کہ بھائی صاحب یہ تو صدی بدل گئی ۔ میں نے بھی عرض کیا صدی تو بیشک بدل گئی ، خیال کیا تو واقعی اس چاند سے چودھویں صدی شروع ہوئی تھی ۔ اس پر فرمایا کہ اب ہم آپ کو بھی بدل جانا چاہیئے ۔ یہ فرمانا تھا کہ ساری مجلس پر ایک سکوت طاری ہوگیا اور ہر شخص اپنی جگہ بیٹھا رہ گیا پھر کسی کو بولنے کی ہمت نہ ہوئی ، کچھ دیر سب خاموش بیٹھے رہے اور سلام علیک کر کے سب فرداً فرداً چلنے لگے اس وقت تو کوئی بات سمجھ ہی میں نہ آئی کہ یکا یک اس رعب چھانے کا سبب کیا ہوا دوسرے روز بعد فجر جب سامنا ہوا اور ان کے مجددانہ رعب و جلال سے واسطہ پڑا تو یاد آیا کہ

انہوں نے جو بدلنے کو فرمایا تھا تو وہ خدا کی قسم ایسے بدلے کہ کہیں سے کہیں پہنچ گئے اور ہم جہاں تھے وہیں رہے۔ وہ دن ہے اور آج کا دن کہ ہمیں ان سے بات کرنے کی ہمت ہی نہ ہوئی، بلکہ اس اہم تبدیلی پر ہم نے تنہائی میں بارہا غور بھی کیا تو بجز اس کے کوئی بات سمجھ ہی میں نہ آئی کہ ان میں منجانب اللہ اس دن سے کوئی بڑی تبدیلی کر دی گئی ہے جس نے انہیں بہت اونچا کر دیا ہے اور ہم جس سطح پر پہلے تھے وہیں اب ہیں۔ ہاں جب دنیا انہیں مجدد المأۃ الحاضرہ کے نام سے پکارنے لگی تو سمجھ میں آیا کہ وہ تبدیلی یہ تھی جس نے ہمیں اتنے روز حیران ہی رکھا۔ یہ تھی وہ تاریخ جس میں انہیں موجودہ صدی کا مجدد بنایا گیا اور مجددیت کا منصب جلیل عطا ہوا اور ساتھ ہی ساتھ وہ رعب عطا ہوا جو اسی تاریخ سے محسوس ہونے لگا، باوجودیکہ ہمیں بے تکلفی کے لیل ونہار اب تک یاد ہیں مگر رعب حق برابر روزافزوں ہے جو ان کے مدارج کی مزید ترقی کی دلیل ہے۔ (۱۶)

ماہر رضویات پروفیسر مسعود احمد صاحب لکھتے ہیں:

محدث بریلوی نے پوری شدت اور قوت کے ساتھ بدعات کا استیصال کیا اور احیاء دین متین اور احیاء سنت کا اہم فریضہ ادا کیا، اسی لئے علماء عرب وعجم نے انکو مجدد کے لقب سے یاد کیا۔

۱۳۱۸ھ/ ۱۹۰۰ء میں پٹنہ (بھارت) میں ایک عظیم الشان جلسہ ہوا جس میں پاک وہند کے سیکڑوں علماء جمع ہوئے، اس جلسہ میں محدث بریلوی کو ان سے بزرگ علماء کی موجودگی میں مجدد کے لقب سے یاد کیا گیا۔ اسی طرح علماء سندھ میں شیخ ہدایت اللہ بن محمود بن محمد سعید السندی البکری مہاجر مدنی نے محدث بریلوی کی عربی کتاب الدولۃ المکیہ پر تقریظ لکھی تو اس میں تحریر فرمایا:۔

مجدد المأۃ الحاضرۃ مؤید الملۃ الطاھرۃ ۔

علمائے عرب میں مندرجہ ذیل حضرات نے فاضل بریلوی کو مجدد کے لقب سے یاد کیا ہے۔

سید اسمعیل بن خلیل محافظ کتب حرم مکہ معظمہ۔

شیخ موسی علی شامی ازہری۔(۱۷)

**وصال اقدس:** امام احمد رضا قدس سرہ ان اولیاء کاملین میں سے تھے جن کے قلوب پر فرائض الہیہ کی عظمت چھائی رہتی ہے۔ چنانچہ جب ۱۳۳۹ھ کا ماہ رمضان المبارک مئی جون ۱۹۲۱ء میں پڑا اور مسلسل علالت اور ضعف کے باعث آپ نے اپنے اندر امسال کے موسم گرما میں روزہ رکھنے کی طاقت نہ پائی تو اپنے حق میں فتوی دیا کہ میں پہاڑ پر جا کر روزہ رکھ سکتا ہوں اور میرے اندر یہ وسعت واستطاعت بھی ہے لہذا وہاں جا کر روزے رکھونگا چنانچہ آپ نے وہاں جا کر روزے رکھے۔

اسی دوران آپ نے مشہور محدث امام المحدثین حضرت مولانا شاہ وصی احمد صاحب محدث سورتی ثم پیلی بھیتی کی تاریخ وصال اس آیت کریمہ سے نکالی:۔

يطاف عليهم بآنية من فضة واكواب،

۱۳۳۴ھ

ان پر چاندی کے برتنوں اور کوزوں کا دور ہوگا۔

آپ کا وصال ۱۳۳۴ھ میں ہو چکا تھا اور امام احمد رضا قدس سرہ کے نہایت مخلص دوستوں میں تھے۔

تاریخ وصال نکالنے کے بعد فرمایا اس آیت کے شروع میں واو ہے اگر اسکو باقی رکھ کر حساب کیا جائے تو دوست دوست سے مل جائے گا۔ حاضرین نے اس وقت تو غور نہ کیا لیکن جب ۱۳۴۰ھ میں وصال ہوا تو لوگوں نے سمجھا کہ یہ تو اعلی حضرت نے باتوں ہی باتوں میں اپنے وصال کی خبر دی تھی، کیونکہ بحساب ابجد 'واؤ کے عدد چھ ہیں، اس طرح ۱۳۳۴ میں چھ کا اضافہ کر کے ۱۳۴۰ ہوتے ہیں۔ یہ واقعہ وصال سے چھ ماہ پہلے کا ہے۔

قارئین ان کی سنہ ولادت کا استخراج اور اسکی توجیہ پڑھ چکے ہیں اب دونوں کو جمع کیجئے تو صاف ظاہر ہوگا کہ سنہ ولادت کی آیت کریمہ انکے ایمان راسخ کا پتہ دیتی ہے تو اس پر مرتب

ہونے والا نتیجہ بفضلہٖ تعالیٰ آخرت میں یہ ہی ہوگا کہ جنت کی ابدی راحتوں میں سونے چاندی کے ساغر وصراحی لئے حور وغلماں ان پر پیش ہوتے رہیں گے اور یہ دور ہمیشہ چلتا رہے گا۔

مولانا حسنین رضا خاں صاحب لکھتے ہیں:

اس بار آپ جب بھوالی سے تشریف لائے تو علالت کا کسی قدر سلسلہ چل رہا تھا اپنے پیرو مرشد سیدنا آل رسول مارہروی کا عرس کیا اور عرس میں حسب معمول تقریر فرمائی۔ اس تقریر میں از اول تا آخر مسلمانوں کو نصیحتیں ہی فرمائیں، آخر میں یہ بھی فرمایا کہ آئندہ ہمیں تمہیں شاید ایسا موقع نہ ملے۔ اس لئے جو یہاں موجود ہیں وہ بغور سنیں اور جو موجود نہیں ہیں انہیں میرے الفاظ پہونچادیں۔ اس پر سارا جلسہ بدحواس ہوکر رونے لگا پھر تسکین دی اور فرمایا کہ خدا میں سب قدرت ہے وہ چاہے تو ہم تم اسی طرح بار بار جمع ہوں۔ غرضیکہ آج لوگ متنبہ ہوگئے کہ اب ہم میں رہنے والے نہیں، اب لوگوں نے بیعت ہونے کی جلدی کی ہر وقت آستانۂ رضویہ پر مرید ہونے والے مردوں اور عورتوں کا جم غفیر رہنے لگا تو حکم دیا کہ میری طرف سے مردوں کو حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خانصاحب مرید کریں اور عورتوں کو مفتیٔ اعظم مولانا مصطفیٰ رضا خانصاحب بیعت کریں۔ یہ سلسلہ روز وفات تک برابر جاری رہا۔ باہر کے لوگوں کو معلوم ہوا تو وہ بھی آکر بیعت ہوئے۔ یوم وفات سے دو روز قبل سہ شنبہ کے روز اعلیٰ حضرت پر تپ لرزہ کا حملہ محسوس ہوا اس سے دفعۃً کمزوری بڑھ گئی اور اتنی بڑھی کہ نبض غائب ہوگئی، اس وقت جناب حکیم حسین رضا خانصاحب بھی حاضر تھے ان سے فرمایا کہ نبض تو دیکھو انہوں نے نبض دیکھی تو وہ ڈوب چکی تھی۔ انہوں نے گھبرا کے عرض کیا کہ کمزوری کے سبب نبض نہیں ملتی۔ فرمایا آج کیا دن ہے؟ حاضرین میں سے کسی نے عرض کیا: چہار شنبہ ہے، اس پر فرمایا جمعہ پرسوں ہے اور یہ فرما کر کف افسوس ملتے جاتے اور حسبنا اللہ ونعم الوکیل پڑھتے جاتے یہ سب کچھ ان کا پیارا رب دیکھ رہا تھا اس نے اس کمزوری کے حملے کو آن کی آن میں دفع فرمادیا اور طبیعت بدستور سہولت پر آگئی۔ اب حاضرین رخصت ہونے لگے پھر دو دن طبیعت خوشگوار رہی یہاں تک کہ جمعہ کے روز جب نماز فجر کے بعد مزاج پرسی کیلئے لوگ اندر گئے ہیں تو اعلیٰ حضرت قبلہ کو کافی پرسکون پایا۔

**خبر ارتحال:** ۲۵ رصفر ۴۰ھ کولوگ بعد نماز فجر حسب معمول مزاج پرسی کے لئے آئے تو اعلی حضرت قبلہ کی طبیعت اس قدر شگفتہ اور بحال تھی کہ لوگوں کو مسرت ہوئی۔

## مولوی اکرام الحق کا خواب:

اور یہی حالت رحلت تک رہی میں یہاں سے صحت کی خوشخبری سنانے قاری خانہ میں مولوی اکرام الحق گنگوہی مدرس مدرسہ منظر اسلام (جو خیر آبادی خاندان میں مولانا حکیم برکات احمد صاحب ٹونکی مرحوم کے شاگرد رشید تھے، معقول وفلسفہ وکتب اصول بہت اچھی پڑھاتے تھے اور اعلی حضرت قبلہ کے چاہنے والوں میں سے تھے) کے پاس گیا، انکو ان کے بستر پر رضائی میں منھ لپیٹے روتے پایا، میں نے ان سے کہا کہ اعلی حضرت قبلہ کو آج آثار صحت شروع ہو گئے تو آپ دیکھنے بھی نہ گئے، اس پر انکی سسکی بندھ گئی اور زیادہ رونے لگے، میں نے انہیں چپ کرایا اور رونے کی وجہ دریافت کی، انہوں نے اپنا خواب سنایا، فرمایا کہ میں نے آج ہی صبح صادق کے وقت دیکھا ہے کہ بہت سے علماء واولیاء ایک جگہ جمع ہیں اور وہ سب رنجیدہ اور مغموم معلوم ہوتے ہیں۔ میں نے رنج وغم کا سبب دریافت کیا تو فرمایا کہ آج مولانا احمد رضا خانصاحب دنیا سے رخصت ہو رہے ہیں۔ انداز بیان سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ اس دور نا ہنجار میں اعلی حضرت کا دنیا سے جانا ان حضرات پر گراں تھا، ان میں بعض میرے دور کے وہ حضرات بھی تھے جنھیں میں نے پہچانا، میں نے انکی زیارت کی ہے۔ میں مولوی اکرام الحق صاحب مرحوم کے اس خواب کو خواب وخیال کہہ کر ٹالتا رہا اور انکے دل سے اس صدمہ کو ہٹاتا رہا بالآخر انہوں نے مجھ سے کہہ دیا کہ میں علما وصلحا کے اس جم غفیر کے مقابلے میں آپ کے تخمینی خیال کی تائید نہیں کرسکتا۔

**رحلت کے آثار اور وصایا:** ابتداء علالت سے یہ دستور رہا کہ جب لوگ اندر مکان میں حاضر ہوتے تو سلام ودست بوسی کے بعد صرف ایک شخص مزاج پرسی کرتا، آپ شکر ادا کرتے اور مختصر حال بیان فرمادیتے، اس دوران میں اگر کوئی مسئلہ دریافت کرتا اس کا جواب دیتے، صبر وشکر کی تلقین فرماتے اور ان مجالس عیادت میں سفر آخرت کا زیادہ ذکر رہتا۔ خود روتے دوسروں کو رلاتے اور سرکار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی یاد تو مدت العمر ان کی ہر صحبت میں

ہر تقریر کا موضوع ہی رہی ۔وہ موقع بموقع ضرور ہوا کرتی دوران علالت کی صحبتوں میں یہ بھی بارہا فرمایا کہ رب العزت کا فضل مانگو وہ اگر عدل فرمائے تو ہمارا تمہارا کہیں ٹھکانہ نہ لگے ۔اولیاء کرام کے قصص اکثر مثال کے طور پر پیش فرماتے ۔اس جمعہ کو بھی یہ مجلس تذکیر دیر تک رہی آج بھی لوگ پند ونصائح کے انمول موتیوں سے دامن مراد بھر کے لوٹے ،تھوڑی دیر کیلئے ہم سب یہ سمجھے کہ آج صحت کی طرف طبیعت کا صحیح قدم اٹھا ہے، یہ کوئی نہ جانتا تھا کہ اعلیٰ حضرت قبلہ جو کچھ اظہار طمانیت کر رہے ہیں وہ صرف ہم سب کا غم غلط کرنے کو کر رہے ہیں ،درحقیقت آج ہی ان کی روانگی ہے، یہ تو جب معلوم ہوا کہ جب انہوں نے اپنی روانگی کے پروگرام پر عمل درآمد شروع کردیا،سب سے پہلے آپ نے مفتی اعظم سے کل جائداد کا وقف نامہ لکھوایا۔خود اس کا مضمون بولتے جاتے اور حضرت مفتی اعظم لکھتے جاتے ۔جب وقف نامہ لکھا گیا تو خود ملاحظہ فرما کر دستخط ثبت فرمادیئے ۔وقف نامے میں جائداد کی چوتھائی آمدنی مصرف خیر میں رکھی ۔اور تین چوتھائی آمدنی بحصص شرعی ورثہ پر تقسیم فرمادی ۔آج صبح سے کچھ کھایا نہ تھا خشک ڈکار آئی حکیم حسین رضا خاں صاحب حاضر خدمت تھے ان سے فرمایا کہ معدہ بفضلہٖ تعالیٰ بالکل خالی ہے ڈکار خشک آئی ہے، اس پر بھی احتیاطا ایک مرتبہ وصال سے کچھ قبل چوکی پر بیٹھے ،اب گھڑی سامنے رکھوالی ،اب سے جو کام کرتے تو پہلے وقت دیکھ لیتے ۔شروع نزع سے کچھ قبل فرمایا کارڈ ،لفافے ،روپیہ ،پیسہ کوئی تصویر اس دالان میں نہ رہے ،جنب یا حائضہ نہ آنے پائے ، کتا مکان میں نہ آئے ،سورۂ یٰسین اور سورۂ رعد باآواز پڑھی جائیں ،کلمہ طیبہ سینہ پر دم آنے تک متواتر باآواز پڑھا جائے ،کوئی چلا کر بات نہ کرے ،کوئی رونے والا بچہ مکان میں نہ آئے ، بعد قبض روح فوراً نرم ہاتھوں سے آنکھیں بند کردی جائیں ،بسم اللہ وعلی ملۃ رسول اللہ کہہ کر نزع میں سرد پانی ممکن ہو تو برف کا پانی پلایا جائے ،ہاتھ پاؤں وہی پڑھ کر سیدھے کر دیئے جائیں ،اصلا کوئی نہ روئے ، وقت نزع میرے اور اپنے لئے دعاء خیر مانگتے رہو ،کوئی برا کلمہ زبان سے نہ نکلے کہ فرشتے آمین کہتے ہیں ، جنازہ اٹھنے پر خبردار کوئی آواز نہ نکلے، غسل وغیرہ سب مطابق سنت ہو ،جنازہ میں بلا وجہ شرعی تاخیر نہ ہو ،جنازے کے آگے کوئی شعر میری مدح کا ہرگز نہ پڑھا جائے ،قبر میں بہت آہستگی سے

اتاریں، داہنی کروٹ پر دعا پڑھ کر لٹائیں، نرم مٹی کا پشتارہ لگائیں، جب تک قبر تیار ہو۔

سبحن اللہ والحمد للہ ولا الہ الااللہ واللہ اکبر ۔ اللھم ثبت عبیدك ھذابالقول الثابت بجاہ نبیك صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ پڑھتے رہیں۔

اناج قبر پر نہ لے جائیں، یہیں تقسیم کردیں، وہاں بہت غل ہوتا ہے اور قبروں کی بے حرمتی، بعد تیاری قبر کے سرہانے الٓمٓ تا مفلحون۔ پائنتی آمن الرسول ، تا آخر سورہ پڑھیں اور سات بار بآواز بلند حامد رضا خاں اذان کہیں اور متعلقین میرے مواجہہ میں کھڑے ہوکر تین بار تلقین کریں۔ پھر اعزہ واحباب چلے جائیں ہو سکے تو ڈیڑھ گھنٹے میری مواجہہ میں درود شریف ایسی آواز سے پڑھتے رہیں کہ میں سنوں پھر مجھے ارحم الراحمین کے سپرد کر کے چلے آئیں، اگر ہو سکے تو تین شبانہ روز پہرے کیساتھ دو عزیز یا دوست مواجہہ میں قرآن مجید آہستہ آہستہ یا درود شریف ایسی آواز سے بلا وقفہ پڑھتے رہیں کہ اللہ چاہے اس نئے مکان سے میرا دل لگ جائے، (اور ہوا بھی یہی کہ جس وقت وصال فرمایا اس وقت سے غسل تک قرآن کریم بآواز برابر پڑھا گیا اور پھر تین شبانہ روز قبر انور پر بلا توقف مواجہہ اقدس میں مسلسل تلاوت جاری رہی ) کفن پر کوئی دوشالہ یا قیمتی چیز یا شامیانہ نہ ہو غرضیکہ کوئی بات خلاف سنت نہ ہو۔

**وصال**: ۱۲؍ بجے دن کے بعد اعلیٰ حضرت قبلہ نے جائداد کا وقف نامہ لکھوایا اور اپنے دستخطوں سے مزین فرمایا، اس کے بعد حضرت حجۃ الاسلام سے سورۂ رعد پڑھوائی جسے بڑے اطمینان سے بغور سنتے رہے پھر یٰسین شریف پڑھوائی۔ ۲؍ بجے کے بعد پانی طلب فرمایا جو پیش کیا گیا، پانی پی کر کلمۂ طیبہ پڑھنے لگے کچھ دیر کے بعد صرف اسم جلالت اللہ، اللہ کا ورد فرمایا یہاں تک کہ دو بج کر ۳۸؍ منٹ پر داعیٔ اجل کو لبیک کہا اور ان کی روح پاک اپنے رفیق اعلیٰ کی بارگاہ میں چلی گئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

یہ جمعہ کا دن تھا صفر المظفر کی ۲۵؍ تاریخ تھی دو بج کر ۳۸؍ منٹ ہوئے تھے جب کہ دنیاء اسلام میں خطیب منبروں پر خطبوں میں بلند آواز سے پڑھ رہے تھے۔

اللھم انصر من نصر دین محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم واجعلنا

منہم۔

اے اللہ اسکی مدد کر جس نے تیرے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دین کی مدد کی اور ہمیں بھی ان کی ہمراہی کا شرف عطا فرمایا۔

ان کی روح ان دعاؤں کے جھرمٹ میں ملی جلی بارگاہ رب العزت میں حاضر ہوگئی رحمۃ اللہ علیہ۔

اس جمعہ سے قبل والے جمعہ کو اعلی حضرت کی مسجد کی تشریف آوری میں دیر لگی تھی ان کے انتظار کی وجہ سے لوگوں نے جمعہ میں معمول کے خلاف تاخیر کرادی اس واسطے کہ اعلی حضرت قبلہ کو کئی بار وضو کرنا پڑا تھا۔ لہذا آج صبح ہی ہم سب سے تاکید فرمادی کہ پچھلے جمعہ کی طرح آج میری وجہ سے نماز جمعہ میں اصلا تاخیر نہ کی جائے، جمعہ کی نماز معمول کے مطابق وقت پر قائم ہو، کوئی بھی کچھ کہے نہ مانا جائے۔ ہم لوگ اس کا یہ مطلب سمجھے کہ پچھلے جمعہ میں جو بعض حضرات کے کہنے سے مقررہ وقت ٹالا گیا اس کی آج ممانعت فرمادی ہے، یہ گمان بھی نہ تھا کہ یہ آج ہی عین جمعہ کے وقت رخصت ہورہے ہیں اور یہ بھی جانتے ہیں کہ یہ لوگ اس وقت رونے پیٹنے میں بدحواس ہوں گے جمعہ میں بلاوجہ تاخیر ہوگی۔

اعلی حضرت قبلہ کو التزام جماعت نماز پنجگانہ میں بہت ملحوظ تھا۔ کئی سال پہلے پاؤں کا انگوٹھا ایسا پکا تھا کہ نہ جوتا پہنا جاتا تھا نہ کھڑے ہوسکتے تھے، اس بار پہلی مرتبہ ظہر کے وقت باہر تشریف لائے تو چاروں ہاتھ پاؤں کی مدد سے باہر تشریف لائے۔ خدام نے فوراً کرسی پر بٹھادیا اسی طرح بعد نماز کرسی پر بیٹھا کر لے گئے اور پلنگ پر بٹھادیا اور استنجے کیلئے پلنگ سے ملا کر چوکی لگادی گئی، جب تک انگوٹھا پکا یہ عمل جاری رہا کہ جماعت میں شرکت کیلئے زنانہ مکان سے کرسی پر مسجد کے اندر آئے اور مسجد سے کرسی پر اندر لیجائے گئے، ابتداء اس کراہت کا اظہار فرماتے رہے مگر خدام کی ضد نے مجبور کردیا تھا۔ اس علالت میں بھی آپ جب مسجد نہ جاسکے تو نمازوں کے اوقات پر کرسی لئے موجود رہتے اور جماعت میں آپ کو نماز پڑھواتے۔ چنانچہ جمعۃ الوفات سے پہلا جمعہ آپ نے مسجد میں باجماعت ادا کیا تھا، کرسی اٹھانے کیلئے کچھ مخلصین اور کچھ

گھر والے نماز کے وقت ضرور حاضر ہو جاتے جن میں، سے ایک بفضلہٖ تعالیٰ یہ راقم الحروف بھی ہے۔ خداوند عالم ان سب کو اجر خیر دے آمین۔

## تکفین و تدفین:

چنانچہ وصال کے بعد فوراً جمعہ کی تیاری کی آواز لگادی گئی اور سب حاضرین واہل خانہ بجائے آہ وبکا و گریہ وزاری کے جمعہ کی تیاری میں لگ گئے، جمعہ کے بعد لوگ بہت آگئے تجہیز و تکفین و تدفین کا مشورہ ہوا فوراً ۴۵ تار دیئے گئے جہاں جہاں سے لوگ آسکتے تھے وہ دفن کے مقررہ وقت تک بریلی آگئے، غسل میں سادات عظام اور علماء کرام واہل خاندان نے شرکت کی، جنازہ تیار ہوا تو کفن لانے والے صاحب عطر بھول گئے تھے عین ضرورت کے وقت محلّہ پنیٹھ میراں کے ایک حاجی صاحب اعلیٰ حضرت قبلہ کی نذر کے لئے مدینہ پاک سے عطر و غلاف کعبہ، آب زمزم، خاک شفا وغیرہ لے کے آگئے، یہ عطیہ عین وقت پر پہونچا یہ سب چیزیں فوراً کام آئیں۔ رونمائی کے بعد جنازہ نماز کے لئے عیدگاہ چلا اس واسطے کہ وسط شہر میں کوئی ایسا وسیع میدان نہ تھا بجز ایک ارض مغصوبہ کے۔ سوداگری محلّہ سے عیدگاہ تک جو کشمکش رہی وہ کبھی نہ دیکھی، یہ اندیشہ ہوتا تھا کہ اس چھین جھپٹ میں پلنگ ٹوٹ کے ٹکڑے ہو جائے گا مگر شکر ہے کہ پلنگ سلامت رہا۔

وہاں پہونچ کر ایک تعجب خیز واقعہ اور دیکھا کہ عیدگاہ میں چھ سات جنازے پہلے سے رکھے ہیں، اعلیٰ حضرت کے جنازرے کا انتظار ہو رہا ہے، لوگوں سے کہا کہ تم نے حسب دستور اپنے اپنے محلّہ میں نماز جنازہ پڑھ کے دفن کیوں نہ کر دیا؟ یہ کیا کیا؟ تو انہوں نے کہا: کہ یہ سب اعلیٰ حضرت قبلہ کے فدائی تھے انکے جنازوں کی نماز ان کی نماز جنازہ کے ساتھ ہوگی، وہ بھی عجب سماں تھا کہ اکٹھے سات یا آٹھ جنازوں کی نماز ایک ساتھ ہو رہی تھی۔ صف بستہ نماز ادا کر رہے تھے۔ دو ایک جنازے دیہات کے تھے باقی شہر کے مختلف حصوں کے تھے، بیسوں سقہ صاحبان بلا کسی تحریک کے گھر سے عیدگاہ تک چھڑکاؤ کرتے جا رہے تھے۔ انہوں نے عیدگاہ میں وضو کا پانی دیا۔ ظہر عیدگاہ میں ادا کی گئی اس کے بعد جنازہ سوداگری محلّہ لاکر خانقاہ رضویہ میں سپرد خاک

کردیا گیا۔ یہاں تمام حاضرین نے نماز عصر ادا کی اور اسی وقت مزار شریف پر تلاوت قرآن پاک شروع ہوگئی جو تین دن تین رات مسلسل جاری رہی۔ رات میں بھی کسی وقت ایک آن کو تلاوت نہ رکی۔ ہندوستان میں جگہ جگہ سوم کیا گیا۔ مگر خواجہ غریب نواز کے آستانہ پر خادم آستانہ سید حسین صاحب مرحوم نے جو سوم کیا وہ بہت بڑے پیمانے پر ہوا۔ اس میں ختم قرآن پاک بہت ہوگئے تھے۔ ویسے تو کلکتہ رنگون سے بھی سوم کی اطلاعات آئیں مگر جامعۂ ازہر مصر کی رپورٹ جو انگریزی اخباروں میں چھپی اس سے بڑی حیرت ہوئی اس واسطے کہ یہاں سے کوئی اطلاع نہ دی گئی تھی۔

**ایصال ثواب:** مکہ معظمہ مدینہ منورہ سے بھی ایصال ثواب کی اطلاعیں ملیں۔ مدینہ منورہ میں مولانا ضیاء الدین احمد صاحب اور وہاں کے دیگر علماء کرام نے سنا ہے کہ مواجہ اقدس میں بیٹھکر ایصال ثواب کیا۔ یہ اس ذاتی عشق کا اثر تھا جو اعلیٰ حضرت کو سرکار دو جہاں کی ذات کریمہ سے تھا۔ حسب دستور خاندان قادریہ عرس چہلم میں رسم سجادگی عمل میں آئی۔ جس میں ہندوستان کے اکثر علماء مشائخ نے شرکت کی حسب الحکم اعلیٰ حضرت قبلہ حضرت حجۃ الاسلام کو خرقۂ خلافت پہنایا گیا۔ چہلم میں علماء کرام نے تقریریں کیں۔ وہ تو یاد نہ رہیں۔ مولانا سید سلیمان اشرف ناظم دینیات علی گڑھ یونیورسٹی کی ایک بات اب تک یاد ہے جس پر لوگ بہت روئے تھے، انہوں نے اثناء تقریر میں جب کہ قبر انور کے پاس کھڑے تقریر کر رہے تھے۔ فرمایا کہ یارو! مجھے بریلی آتے جاتے بہت دیکھا ہے مگر اب نہ دیکھوگے، میں علی گڑھ کالج میں ہوں جہاں عربی کا بھی بڑا کتب خانہ موجود ہے۔ اگر ہم کسی تحقیق کے درپے ہوں تو بکثرت کتابیں دیکھ سکتے ہیں اور دیکھتے بھی ہیں مگر ہمیں پوری تسکین جبھی ہوتی تھی جب کہ اس بندۂ خدا (قبر انور کی طرف اشارہ کرکے) کی زبان سے سن لیتے تھے تو اب بتاؤ ہم کیوں آنے لگے، اس بیان سے مجمع میں لوگوں کی چیخیں نکل گئیں تھیں۔

## مشاہیر تلامذہ

| نام | ولادت/ وفات |
| --- | --- |

| | |
|---|---|
| استاذ زمن مولانا حسن رضا خانصاحب بریلوی (برادر اوسط) | ۱۲۷۶ھ/۱۳۲۶ھ |
| حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خانصاحب، بریلوی (خلف اکبر) | ۱۲۹۲ھ/۱۳۶۲ھ |
| مفتی اعظم ہند مولانا مصطفیٰ رضا خاں صاحب بریلوی (خلف اصغر) | ۱۳۱۰ھ/۱۴۰۲ھ |
| ابوالمحمود مولانا سید احمد اشرف صاحب کچھوچھوی، | ۱۲۸۶ھ/۱۳۴۳ھ |
| ملک العلماء مولانا ظفر الدین صاحب بہاری | ۱۳۰۳ھ/۱۳۸۲ھ |
| عید الاسلام مولانا عبد السلام صاحب جبلپوری، | ۱۲۷۲ھ/۱۳۷۳ھ |
| سلطان الواعظین مولانا عبد الاحد صاحب پیلی بھیتی | ۱۲۸۳ھ/۱۳۵۲ھ |
| ابوالفیض صوفی قلندر علی صاحب سہروردی سیالکوٹی، | ۱۳۷۷ھ |
| محدث اعظم ہند مولانا سید محمد کچھوچھوی، | ۱۳۱۱ھ/۱۳۸۳ھ |
| مولانا حافظ یقین الدین صاحب برنی، | ۱۳۷۰ھ |
| مولانا رحیم بخش صاحب آروی، | ۱۳۴۲ھ |
| مولانا مفتی اعجاز ولی خانصاحب، بریلوی، | ۱۳۳۲ھ/۱۳۹۳ھ |
| مولانا حسنین رضا خاں صاحب، بریلوی، (برادر زادہ) | ۱۳۰۹ھ/۱۴۰۱ھ |
| مولانا رحیم بخش صاحب مظفر پوری | ۱۳۲۲ھ/۱۳۷۹ھ |

## مشاہیر خلفائے ہندو پاک

| | |
|---|---|
| شیر بیشۂ اہل سنت حضرت مولانا ہدایت رسول صاحب لکھنوی، | |
| سند المحدثین مولانا سید دیدار علی صاحب، الوری، | ۱۲۷۳ھ/۱۳۵۴ھ |
| قطب مدینہ مولانا ضیاء الدین صاحب مدنی، | ۱۲۹۷ھ/۱۴۰۰ھ |
| مجاہد اسلام مولانا احمد مختار صاحب میرٹھی، | ۱۲۹۴ھ/۱۳۵۷ھ |
| مبلغ اسلام مولانا عبد العلیم صاحب صدیقی میرٹھی، | ۱۳۱۰ھ/۱۳۷۴ھ |
| عمدۃ المتکلمین مولانا سید سلیمان اشرف صاحب بہاری، | ۱۲۹۵ھ/۱۳۵۸ھ |
| صدر الشریعہ مولانا امجد علی صاحب اعظمی، | ۱۲۹۶ھ/۱۳۶۷ھ |

صدر الافاضل مولانا نعیم الدین صاحب مرادآبادی، ۱۳۰۰ھ/۱۳۶۷ھ

مولانا سید ابوالبرکات الوری، ۱۳۱۶ھ

مولانا مفتی غلام جانی صاحب ہزاروی، ۱۳۱۶ھ/۱۳۷۹ھ

مفسر اعظم مولانا ابراہیم رضا خانصاحب، بریلوی (نبیرہ اکبر) ۱۳۲۵ھ/۱۳۵۸ھ

امین الفتوی مولانا حاجی محمد لعل خانصاحب بیسلپوری، ۱۳۴۰ھ

شیر بیشۂ اہل سنت مولانا حشمت علی خانصاحب لکھنوی ثم پیلی بھیتی، ۱۳۸۰ھ

مولانا محمد شفیع صاحب بیسلپوری، ۱۳۴۸ھ

برہان ملت مولانا مفتی برہان الحق صاحب جبلپوری

مولانا عمر الدین صاحب ہزاروی، ۱۳۴۹ھ

انکے علاوہ آپ کے تلامذہ میں تقریباً سب آپ کے خلفاء ہیں۔

# فضل وکمال

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے جملہ علوم وفنون کی تکمیل چودہ سال کی عمر تک کرلی تھی جیسا کہ آپ پڑھ چکے۔ اس کم سنی میں انہوں نے کتنے علوم وفنون کی سیر کی اسکی تفصیل کیلئے آپ کی تصانیف پڑھے بغیر صحیح اندازہ نہیں کیا جاسکتا۔

اجمالی طور پر اتنا سمجھ لینا چاہیئے کہ آپ نے پچاس سے زیادہ علوم وفنون پر اپنی چھوٹی بڑی تقریباً ایک ہزار تصانیف یادگار چھوڑی ہیں جنکا قدر معتدبہ حصہ منظر عام پر آچکا ہے اور پوری دنیائے علم وفن سے خراج تحسین حاصل کررہا ہے۔

آپ کے علم وفضل کا اعتراف صرف عقیدت مند اور مدح خواں حضرات ہی نہیں کرتے، مدارس اسلامیہ اور مساجد تک ہی آپ کے علمی کمالات کے چرچے محدود نہیں، محض منبر واسٹیج ہی پر انکے فضل وکمال کا خطبہ نہیں پڑھا جاتا بلکہ اب ان تمام روایتی مجامع ومحافل سے

نکل کر آپکے تبحر علمی کا ڈنکا پوری علمی دنیا میں بج رہا ہے، کالج اور یونیورسٹیاں بھی انکی تحقیقات نادرہ پر خراج عقیدت پیش کر رہی ہیں۔ پروفیسر ولکچرر حضرات بھی انکے علمی کارناموں پر ریسرچ اسکالروں سے پی، ایچ، ڈی کے مقالے لکھوا رہے ہیں۔ ہندو پاک سے لیکر جامع ازہر تک، بریطانیہ سے امریکہ تک پوری دنیا کے متعدد تحقیقی مراکز سیکڑوں افراد کو ایم فل اور پی، ایچ، ڈی کی ڈگریاں دے چکے ہیں۔ لیکن پھر بھی جو کچھ ہوا وہ آغاز باب ہے۔

ماہرین رضویات کا کہنا ہے کہ فرد واحد نے اتنا بڑا کام کر دیا ہے کہ پوری ملت اسکو سمیٹ نہیں پا رہی ہے، جبکہ آج تک انکی سیرت وسوانح اور تحقیقی کاموں پر لکھی جانے والی کتابوں اور مقالوں کی کی تعداد بجائے خود ہزار سے تجاوز کر چکی ہے۔

اس مختصر میں ان تمام تفصیلات کی گنجائش نہیں بلکہ اجمالی فہرست پیش کرنا بھی دشوار ہے۔ یہاں صرف چند چیزوں کی نشاندھی مقصود ہے۔

تمام علوم اسلامیہ میں اصل قرآن وحدیث کا علم ہے، جس میں بنی نوع انسان کی ہدایت کیلئے مکمل اصول وقوانین موجود ہیں اور فقہ اسلامی نے زندگی کے ہر موڑ پر آنیوالی مشکلات کی گرہیں کھول کر لوگوں کیلئے آسانیاں فراہم کر دی ہیں۔

امام احمد رضا قدس سرہ نے بھی خاص طور پر پوری زندگی انہی علوم کا سبق پڑھایا اور قوم مسلم کو غلط روی سے بچانے کیلئے انہی علوم کے ذریعہ ہدایت کی راہیں ہموار کیں۔ آپ کا دور نہایت ناگفتہ بہ حالات سے دوچار تھا۔ نئے نئے فرقے جنم لے رہے تھے۔ بھانت بھانت کی بولیاں بولی جا رہی تھیں۔ دین اسلام کے نام پر ایسی باتیں سنائی جا رہی تھیں جو سچے مسلمانوں کے سچے آباء واجداد نے بھی کبھی نہیں سنی تھیں۔ نہ عظمت باری کا لوگوں کو خیال رہ گیا تھا اور نہ تعظیم رسول کا پاس تھا۔

ہندوستان کی سرزمین خاص طور پر اس زمانہ میں مسلمانوں کی ابتلاء وآزمائش کے ماحول سے دوچار تھی۔ انگریزوں نے تفریق بین المسلمین کیلئے جو چال چلی تھی وہ پورے طور پر کامیاب ہوتی نظر آ رہی تھی، کچھ صاحبان جبہ ودستار کو خرید کر مسلمانوں کے قدیمی نظریات

وعقائد کو مٹانے کی ناپاک سازش تیار کر چکے تھے جس کی لپیٹ میں پورا ہندوستان تھا۔

خداوند قدوس کا فضل بے پایاں تھا اپنے خاص بندوں پر جنہوں نے ان فتنوں کو روز اول ہی سے کچل دینے کی کوشش شروع فرمائی۔

ہندوستان میں اسلاف کے نظریات سے ہٹانے کی سازش سب سے پہلے دہلی کے عظیم علمی گھرانے، خاندان شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے ایک فرد مولوی محمد اسمٰعیل دہلوی کی رسوائے زمانہ کتاب تفویۃ الایمان کے ذریعہ کی گئی۔ لیکن اسکا زبانی اور قلمی رد اسی دور میں اس انداز سے شروع ہوا کہ شاید اس کتاب کے علاوہ کسی دوسری کتاب پر اتنی گرفتیں ہندوستان میں نہ ہوئی ہونگی، پورے ہندوستان کے علماء نے متعدد مقامات سے اسکے رد لکھے اور چھاپے۔ بطل حریت مجاہد اعظم جنگ آزادی حضرت علامہ فضل حق خیر آبادی نے ایک جماعت علماء کے ساتھ جامع مسجد دہلی میں بروقت مواٴخذے کئے جس سے دودھ اور پانی کا امتیاز روز روشن کی طرح عیاں ہوگیا تھا۔ البتہ بعض لوگوں کی بے جا حمایت نے ایسی دلدل میں پھنسایا کہ آج تک انکے اذیال واذناب اسی میں پھنسے ہیں، تفویۃ الایمان کی ناپاک عبارات کی توجیہ کرتے کرتے اس منزل پر آ کھڑے ہوئے کہ" فرعن المطر و قام تحت المیزاب" کا منظر لوگ اپنی نگاہوں سے دیکھ رہے ہیں۔

کسی نے امکان کذب کی بحث چھیڑ دی اور کسی نے ختم نبوت پر اجماع امت کے خلاف غلط توجیہات کر کے متقدمین واسلاف کے عقائد صحیحہ کو جاہلانہ خیال لکھ دیا۔ کوئی حضور کے علم غیب کو جانورں، بچوں اور پاگلوں کے علم سے تشبیہ دینے سے بھی نہ شرمایا۔ اور کوئی دعوائے نبوت کر کے ان سب کو اپنے پیچھے چھوڑ گیا بلکہ انکے کھولے ہوئے دروازہ میں انکے ارمانوں کا خون کر کے خود داخل ہوگیا۔

اس دور میں علمائے ملت اسلامیہ کے لئے ایک ایسے قافلۂ سالار کی ضرورت تھی جو ان سب کا مقابلہ کرے اور انکی نقاب الٹ کر اصلی پوزیشن واضح کر دے جو رہبری کے بھیس میں رہزنی کر رہے تھے۔

خداوند قدوس نے اپنی قدرت کاملہ سے ایسا بطل جلیل اس ملت کو عطا فرمایا جو اپنی مثال آپ تھا۔ گزشتہ اوراق میں قارئین انکی پاک زندگی کے واقعات بچپن سے جوانی تک پڑھ آئے۔ آئندہ اوراق میں ملاحظہ کریں کہ انکی خدمات کیا تھیں۔ اور انہوں نے تجدید واحیائے دین کا فریضہ کس حسن وخوبی کے ساتھ انجام دیا۔ عشق رسول کا سبق کس انداز سے پڑھایا۔ آپ کی ہر تصنیف ہمارے اس دعویٰ کا بین ثبوت ہے۔

**ترجمۂ قرآن:** انبیائے سابقین کی امتوں کے گمراہی میں مبتلا ہونے کا ایک خاص سبب یہ بھی تھا کہ انھوں نے آسمانی کتابوں میں ترمیم وتنسیخ کرڈالی۔ اپنی نفسانی خواہشات کے تابع بنانے کے لئے خداوند قدوس کی نازل کردہ کتابوں میں ہر طرح کے تغیر وتبدل سے کام لیا۔ تحریف لفظی بھی کی گئی اور تحریف معنوی بھی۔ چونکہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے جسکی حفاظت کا وعدہ رب کریم نے خود فرمایا ہے۔ تو اس میں لفظی تبدیلی تو کوئی کرہی نہیں سکتا تھا کہ جس سے لوگ گمراہ ہوتے اور اصل نظم کلام باری نسیا منسیا ہوجاتا۔ البتہ معنوی تحریفات سے لوگوں نے ہر دور میں کچھ نہ کچھ شوشہ چھوڑا، اس طریقہ سے کتاب اللہ پر تو کوئی فرق نہ پڑا کہ اسکی معنوی تحریف کبھی اجماعی عقیدہ اور معمول بہ نہ بن سکی لیکن معنیٰ مراد کو غلط جامہ پہنا کر لوگوں کو اسلامی نظریات سے ہٹانے کی کوشش کی جاتی رہی۔

امام احمد رضا قدس سرہ کے زمانے میں لوگوں کو راہ حق سے ہٹانے کے لئے جہاں دوسرے ہتھکنڈے استعمال کئے گئے وہیں ترجمہ قرآن میں اپنی خواہش نفس کے مطابق تبدیلیاں کی گئیں۔

**مثلاً:** آیت کریمہ

و مکروا و مکر اللہ واللہ خیر الما کرین۔

اور انہوں نے بنایا ایک فریب اور اللہ نے بنایا ایک فریب۔

انا فتحنالک فتحا مبینا، لیغفر اللہ لک ماتقدم من ذنبک۔ وما تاخر۔

ہم نے فیصلہ کردیا تیرے واسطہ صریح تا کہ معاف کرے تجھ کو اللہ تعالیٰ جو آگے ہو چکے

تیرے گناہ اور پیچھے رہے۔(محمود الحسن)

بیشک ہم نے آپ کو کھلم کھلا فتح دی۔تاکہ اللہ تعالیٰ آپ کی سب اگلی پچھلی خطائیں معاف فرمادے۔(تھانوی)

الله يستهزئ بهم ويمدهم في طغيانهم يعمهون۔

اللہ ان سے ٹھٹھا کرتا ہے۔(سرسید)

اللہ ہنسی کرتا ہے ان سے۔(محمود الحسن)

وما ارسلناك الا رحمة للعالمين۔

اور ہم نے ایسے (مضامین نافعہ دیکر) آپ کو اور کسی بات کے واسطے نہیں بھیجا مگر دنیا جہان کے لوگوں (یعنی مکلفین) پر مہربانی کرنے کے لئے۔(تھانوی)

ان حالات میں ضروری تھا کہ ترجمہ قرآن مستند تفاسیر کی روشنی میں عام فہم طریقے پر پیش کیا جائے۔لہذا قوم مسلم کے ایمان کی حفاظت کیلئے امام احمد رضا قدس سرہ نے کنز الایمان (ایمان کا خزانہ) امت مسلمہ کو عطا فرمایا جس کے چرچے آج پورے عالم اسلام میں ہو رہے ہیں۔ترجمہ کے جملوں بلکہ ہر ہر لفظ کی خوبیاں بیان کی جارہی ہیں۔موزوں الفاظ اور حسن بیان کے ساتھ ساتھ فصاحت و بلاغت کا مرقع اہل اسلام کے ایمان میں قوت اور روحانی بالیدگی کا منظر پیش کرتا ہے۔کتنے حضرات نے اس ترجمہ کے محاسن بیان کرتے کرتے مستقل کتابیں لکھ دیں۔محققین نے مقالے لکھے۔اور حال ہی میں کراچی پاکستان سے پروفیسر مجید اللہ صاحب نے آٹھ سو سے زیادہ صفحات پر تحقیقی مقالہ لکھ کر ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔

**علم غیب:** تقویۃ الایمان کے مصنف نے مسئلہ علم غیب مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء پر بھی نکتہ چینی کی تھی اور صاف انکار کردیا تھا۔ بعد کے لوگوں نے اسے خوب سراہا یہاں تک کہ حجاز مقدس میں بھی بعض ہندنژاد نام نہاد علماء نے قائلین علم غیب پر پھبتیاں کسیں۔امام احمد رضا حسن اتفاق سے اس وقت دوسرے حج بیت اللہ کیلئے حاضر ہوئے تو علمائے حرم محترم زادہ اللہ شرفا وتعظیما نے اس موضوع پر جواب لکھنے کی فرمائش کی۔آپ نے بحالت علالت ہی مجموعی طور پر صرف آٹھ گھنٹے

میں "الدولة المكيه بالمادة الغيبيه" عربی زبان میں املا کرائی جو اس موضوع پر اپنی مثال آپ ہے۔

علمائے حرمین شریفین زادہما اللہ شرفاً وتعظیماً نے اسکو نہایت قدر کی نگاہ سے دیکھا، اس پر فراخدلی سے انمول تقاریظ لکھیں، شریف مکہ کے دربار میں پوری کتاب پڑھی گئی، اسکے بعد منکرین کی حالت دیدنی تھی۔ آج تک کسی میں مجال دم زدن نہیں اور سارے اہل باطل ملکر بھی اسکا جواب نہ لا سکے۔

**اختیارات:** مصطفیٰ جان رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اختیارات کاملہ پر بھی دشمنان اسلام نے غوغے کئے، تقویۃ الایمان میں اختیارات مصطفیٰ کا اس بیہودہ انداز میں انکار کیا گیا کہ "جسکا نام محمد یا علی ہو وہ کسی چیز کا مختار نہیں"۔ آپ کا قلم حرکت میں آیا اور "سلطنة المصطفى فى ملكوت كل الورىٰ" اور دفع البلا کے اختیارات پر "الامن والعلى لناعتى المصطفى بدافع البلاء" جیسی معرکۃ الآرا کتابیں تصنیف فرمائیں۔

**امکان کذب:** امکان کذب کا فتنہ اٹھا تو "سبحان السبوح" علمی وتحقیقی کتاب تصنیف فرمائی جسکی سطر سطر سے دلائل وبراہین کے چشمے بہہ رہے ہیں۔ خداوند قدوس کیلئے جسم ثابت کرنے والے فرقہ مجسمہ کی سرکوبی کیلئے "قوارع القهار على المجسمة الفجار" جیسی مایۂ ناز کتاب اہل اسلام کو عطا کی۔

**ختم نبوت:**

ختم نبوت کے عقیدہ کے خلاف شورش شروع ہوئی اور مرزا کاذب نے جب اپنی جعلی نبوت منوانے کی سرتوڑ کوشش کی تو امام احمد رضا نے پے درپے چار کتابیں لکھیں۔ اور مسئلہ ختم نبوت ایمانی ایقانی اذعانی اجماعی ضروری دینی پر اپنی ایک علیحدہ مستقل جلیل القدر تصنیف "جزاء الله عدوه بابائه ختم النبوة" میں تحقیق انیق اور علم وعرفان کے ایسے دریا بہائے کہ جسکی نظیر شاید وباید۔

غرض کہ عقائد واعمال ہوں یا رسوم اسلام، ہر میدان میں انہوں نے اپنے اشہب قلم کو

مہمیز لگائی اور احیائے علوم دین وتجدید شرع مبین فرمائی۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو مجدد وقت بنایا تھا جسکا ظہور آخر وقت تک رہا اور آج بھی انکی قلمی خدمات صفحۂ قرطاس پر ثبت ہیں جو اس بات کا بین ثبوت ہیں۔

## تبحر علمی:

امام احمد رضا قدس سرہ کو جملہ علوم متداولہ نقلیہ وعقلیہ میں ید طولی حاصل تھا۔آپکی تصانیف سے استفادہ کرنے والے اس چیز کو بخوبی جانتے ہیں۔علوم قرآن سے متعلق ترجمۂ قرآن کی بابت محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:

علم القرآن کا اندازہ اگر صرف اعلی حضرت کے اردو ترجمہ سے کیجئے جو اکثر گھروں میں موجود ہے اور جسکی کوئی مثال سابق نہ عربی زبان میں ہے، نہ فارسی میں اور نہ اردو میں، جس کا ایک ایک لفظ اپنے مقام پر ایسا ہے کہ دوسرا لفظ اس جگہ لایا ہی نہیں جا سکتا، جو بظاہر محض ترجمہ ہے مگر درحقیقت وہ قرآن کی صحیح تفسیر اور اردو زبان میں قرآن ہے، اس ترجمہ کی شرح حضرت صدر الافاضل استاذ العلماء مولانا شاہ نعیم الدین علیہ الرحمہ نے حاشیہ پر لکھی۔ وہ فرماتے تھے کہ دوران شرح مجھے ایسا کئی بار ہوا کہ اعلی حضرت کے استعمال کردہ لفظ کے مقام استنباط کی تلاش میں دن پر دن گذرے اور رات کٹتی رہی اور بالآخر ماخذ ملا تو ترجمہ کا لفظ ہی اٹل نکلا۔

اعلی حضرت خود شیخ سعدی کے فارسی ترجمہ کو سراہا کرتے تھے لیکن اگر حضرت سعدی اردو زبان کے اس ترجمہ کو پاتے تو فرماہی دیتے کہ ترجمۂ قرآن شئ دیگرست وعلم القرآن شئ دیگر۔

تفسیر قرآن پر بھی آپ نے کام شروع کیا تھا لیکن سورۂ 'والضحی' کی بعض آیات کی تفسیر اسی اجزاء (چھ سو سے زائد صفحات) پر پھیل گئی، پھر دیگر ضروری مصروفیات نے اس کام کی مہلت ہی نہ دی۔

فرماتے ہیں:

زندگیاں ملتیں تو تفسیر لکھتے، یہ ایک زندگی تو اسکے لئے کافی نہیں۔

فقہ واصول میں تو آپکی عبقریت کے قائل عقیدتمند ہی نہیں دور حاضر کے محققین نے بھی برملا اعتراف کیا ہے۔

مولوی ابوالحسن میاں ندوی لکھتے ہیں:

فقہ حنفی اور اسکی جزئیات پران کو جوعبور حاصل تھا اسکی نظیر شاید کہیں ملے، اور اس دعوی پران کا مجموعۂ فتاوی شاہد ہے، نیز ان کی تصنیف " کفل الفقیه الفاهم فی احکام قرطاس الدراهم "جوانہوں نے ۱۳۲۳ھ میں مکہ معظمہ میں لکھی تھی۔

فتاوی رضویہ میں اسکے بے شمار شواہد موجود ہیں۔ جلد اول میں پانی کے اقسام کی تفصیل پڑھیے۔ جس پانی سے وضو جائز ہے اسکی ۱۶۰ر قسمیں، اور جس سے وضو نہیں ہوسکتا اسکی ۱۴۶ر قسمیں بیان فرمائیں اور ہر ایک کی تفصیل سے بھی آگاہ کیا۔ حق یہ ہے کہ پانی کی انواع واقسام کا تجزیہ کرکے پانی پانی کردیا۔

اسی طرح ۱۷۵ صورتیں وہ بیان کیں کہ پانی کے استعمال پر عدم قدرت ثابت ہوتی ہے اور تیمّم کا جواز متحقق ہوتا ہے۔ تیمّم کن چیزوں سے جائز ہے، انکی تعداد ۱۸۱ بیان فرمائی، ان میں ۱۰۷ر کی خود امام موصوف نے اپنی جودت طبع سے نشاندہی کی، اور جن سے تیمّم جائز نہیں وہ ۱۳۰ر ہیں۔ یہاں ۷۲ر کا اضافہ منجانب مصنف ہے۔

فقہی جزئیات پر عبور کامل کی روشن دلیلیں انکے فتاوی سے ظاہر ہیں، حق یہ ہے کہ آپکے دور میں عرب وعجم کے علماء مسائل شریعت میں آپ کے استحضار علمی کو دیکھ کر حیران رہے،

مولوی ابوالحسن علی ندوی لکھتے ہیں:

حرمین شریفین کے قیام کے زمانہ میں بعض رسائل بھی لکھے اور علمائے حرمین نے بعض سوالات کئے تو انکے جواب بھی تحریر کئے اور ذہانت کو دیکھکر سب کے سب حیران وششدر رہ گئے۔

فتاوی رضویہ کی بارہ جلدیں طبع ہوکر منظر عام پر آگئی ہیں، اگرچہ بعض رسائل ابھی جلدوں میں شامل نہیں، اور آخری جلدوں کا اکثر حصہ بھی نہ مل سکا۔ پھر بھی جو موجود ہے وہ اپنی

مثال آپ ہے، آج تک اردو زبان میں ایسا عظیم فقہی شاہکار معرض تحریر میں نہ آیا۔ کسی کتاب کی ضخامت اسکی خوبی کا معیار نہیں ہوتی بلکہ وہ مضامین ثابتہ ہوتے ہیں جو سیکڑوں کتابوں کا عطر تحقیق بنا کر پیش کئے جاتے ہیں۔ فتاوی رضویہ اپنی تحقیق انیق کے اعتبار سے سب پر فائق ہے

فتاوی رضویہ نے تحقیق کا ایک انوکھا معیار اور اسلوب سکھایا اور محققین کو اس طرف متوجہ کیا ہے کہ علم فقہ صرف چند مسائل بیان کردینے کا نام نہیں بلکہ فقہ کے متعلقہ علوم پر جب تک دسترس حاصل نہ ہو اس وقت تک حوادث روزگار اور بدلتے ہوئے حالات سے نمٹنا اور ان کا شرعی نقطۂ نگاہ سے حل تلاش کرنا ممکن نہ ہوسکے گا۔ مفتی وفقیہ کا کام ہے کہ وہ درپیش مسائل میں حکم شرعی سے لوگوں کو آگاہ کرے اور یہ اسی وقت ممکن ہوگا جبکہ وہ اس مسئلہ کے متعلقہ مباحث کی چھان بین اور انکی تنقیح کے بعد حکم بیان کرے ورنہ سخت لغزش کا خطرہ ہے۔

امام احمد رضا کی وسعت نظر، جودت فکر، ذہن ثاقب اور رائے صائب نے انکو اپنے دور میں پوری دنیا کا مرکز اور مرجع فتاوی بنادیا تھا۔ آپکے یہاں متحدہ ہندوستان کے علاوہ برما، چین، امریکہ، افغانستان، افریقہ اور حجاز مقدس وغیرہا سے بکثرت استفتاء آتے ار ایک ایک وقت میں پانچ پانچ سو جمع ہوجاتے تھے۔ ان سب کا جواب نہایت فراخدلی اور خلوص وللہیت سے دیا جاتا تھا اور کبھی کسی فتوی پر اجرت نہیں لی جاتی تھی اور نہ ہی کہیں سے تنخواہ مقرر تھی۔ یہ اس خاندان کا طرۂ امتیاز رہا ہے۔

اس خاندان میں فتوی نویسی کی مسند سب سے پہلے آپ کے جد امجد قطب زماں حضرت مولانا مفتی رضا علی خاں صاحب قدس سرہ نے بچھائی، اور پوری زندگی خالصۃ لوجہ اللہ فتوی لکھا۔

آپ کے بعد امام احمد رضا قدس سرہ کے والد محترم رئیس الاتقیاء عمدۃ المتکلمین حضرت علامہ مفتی نقی علی خاں صاحب قدس سرہ جانشین ہوئے۔ اور پھر امام احمد رضا نے پچاس سال سے زیادہ فتاوی تحریر فرمائے۔

آپ کے بعد دونوں صاحبزادگان حجۃ الاسلام حضرت علامہ محمد حامد رضا خانصاحب

اور حضور مفتی اعظم ہند حضرت علامہ محمد مصطفیٰ رضا خانصاحب علیہما الرحمہ نے مجموعی طور پر ساٹھ سال تک مسند افتاء کو رونق بخشی۔ نہایت خلوص کے ساتھ یہ فریضہ انجام دیا اور کبھی طمع و لالچ نے راہ نہ پائی، اور آجکل اس مسند پر متمکن ہیں تاج شریعت حضرت مفتی محمد اختر رضا خاں صاحب قبلہ ازہری مدظلہ العالی۔

امام احمد رضا قدس سرہ نے فتاوی اردو، فارسی اور عربی زبان میں تحریر فرمائے۔ جس زبان میں سوال آتا اسی میں جواب دیا جاتا، حتی کہ سوال منظوم ہوتا تو جواب بھی نظم ہی میں دیا جاتا۔ اسکے علاوہ انگریزی میں بھی بعض فتاوی منقول ہیں۔

فتاوی رضویہ چودھویں صدی کا بلاشبہ فقہی انسائکلو پیڈیا ہے اور مجھ جیسا ہیچمداں اسکی کما حقہ خوبیاں بیان کرنے سے قاصر اور اسکی علمی گہرائی تک پہونچنا مشکل ہے۔ وہ ایسا بحر بیکراں ہے جسکے ساحل پر کھڑے رہ کر اسکے مناظر قدرت تو دیکھے جاسکتے ہیں لیکن اسکی گہرائی کو ناپنا اور غواصی کر کے موتی برآمد کرنا ہر کہہ و مہ کا کام نہیں ہوتا۔

آپ کے فتاوی سے متاثر ہو کر بڑے بڑے علماءِ وقت اتنا لکھ چکے ہیں کہ انکو جمع کیا جائے تو ضخیم کتاب بن جائے۔ آپ کے بعض عربی فتاوی کو ملاحظہ فرمانے کے بعد محافظ کتب حرم سید اسمعیل خلیل نے لکھا اور کیا خوب لکھا:

واللہ اقول والحق اقول: لو رأها ابو حنیفة النعمان لا قرت عینه و یجعل مؤلفه من جملة الاصحاب۔

قسم کھا کر کہتا ہوں اور حق کہتا ہوں کہ اگر ان فتاوی کو امام اعظم ابو حنیفہ ملاحظہ فرماتے تو انکو خوشی ہوتی اور صاحب فتاوی کو اپنے شاگردوں میں شامل کر لیتے۔

آپ کو پچاس سے زیادہ علوم و فنون میں تبحر حاصل تھا اور جس فن میں قلم اٹھایا تحقیق انیق کے دریا بہائے۔

آپ نے پچاس سے زیادہ علوم و فنون پر تقریبا ایک ہزار کتابیں تصنیف فرمائیں۔

## مختلف علوم وفنون پر تصانیف اور انکی تعداد

اب تک جن تصانیف کی فہرستیں تیار ہوئیں ان میں سب سے طویل اور محتاط فہرست فاضل گرامی مرتبت حضرت مولانا عبدالمبین صاحب نعمانی مدظلہ کی مرتب کردہ ہے جسکا اجمالی خاکہ اسطرح ہے۔

| | علوم وفنون | تعداد تصانیف |
|---|---|---|
| ۱۔ | علم تفسیر | ۱۵ |
| ۲۔ | اصول تفسیر | ۱ |
| ۳۔ | رسم خط قرآن | ۱ |
| ۴۔ | حدیث | ۲۶ |
| ۵۔ | اسانید حدیث | ۳ |
| ۶۔ | اصول حدیث | ۶ |
| ۷۔ | تخریج احادیث | ۴ |
| ۸۔ | جرح وتعدیل | ۲ |
| ۹۔ | اسماء الرجال | ۷ |
| ۱۰۔ | لغت حدیث | ۱ |
| ۱۱۔ | فقہ | ۲۵۳ |
| ۱۲۔ | اصول فقہ | ۷ |
| ۱۳۔ | رسم المفتی | ۳ |
| ۱۴۔ | فرائض | ۴ |
| ۱۵۔ | تجوید | ۴ |

| | | |
|---|---|---|
| ۱۶۔ | عقائدوکلام | ۱۲۶ |
| ۱۷۔ | مناظرہ | ۷ |
| ۱۸۔ | فضائل | ۲۰ |
| ۱۹۔ | سیرت | ۴ |
| ۲۰۔ | مناقب | ۱۲ |
| ۲۱۔ | تاریخ | ۳ |
| ۲۲۔ | تصوف | ۱۲ |
| ۲۳۔ | سلوک | ۲ |
| ۲۴۔ | اذکار | ۹ |
| ۲۵۔ | اخلاق | ۳ |
| ۲۶۔ | نصائح ومواعظ | ۳ |
| ۲۷۔ | ملفوظات | ۵ |
| ۲۸۔ | مکتوبات | ۲ |
| ۲۹۔ | خطبات | ۲ |
| ۳۰۔ | ادب | ۱ |
| ۳۱۔ | نحو | ۲۲ |
| ۳۲۔ | صرف | ۱ |
| ۳۳۔ | لغت | ۱ |
| ۳۴۔ | عروض | ۱ |
| ۳۵۔ | تعبیر | ۱ |
| ۳۶۔ | اوفاق | ۱ |
| ۳۷۔ | تکسیر | ۸ |

۳۸۔ جفر ۹
کل تعداد ۵۹۱

## علم حدیث میں کمال

علم حدیث اپنے تنوع کے اعتبار سے نہایت وسیع علم ہے،۔امام سیوطی قدس سرہ نے تدریب الراوی میں اسطرح کے تقریباً سو علوم شمار کرائے ہیں جن سے علم حدیث میں واسطہ ضروری ہے۔

لہذا ان تمام علوم میں مہارت کے بعد ہی علم حدیث کا جامع اور اس علم میں درجہ کمال کو پہونچ سکتا ہے۔

امام احمد رضا قدس سرہ کا علم حدیث میں مقام و مرتبہ کیا تھا اسکی جھلک قارئین ملاحظہ کریں ورنہ تفصیل کے لئے دفتر درکار ہے۔اس مختصر میں مجھے اس بات کا ثبوت فراہم کرنا ہے کہ بلاشبہ آپ علم حدیث میں ہر حیثیت سے یگانۂ روزگار اور اپنی مثال آپ ہیں۔

عمدۃ المحدثین حافظ بخاری حضرت علامہ شاہ وصی احمد محدث سورتی علیہ الرحمۃ والرضوان سے حضور محدث اعظم کچھوچھوی نے معلوم کیا کہ حدیث میں امام احمد رضا کا کیا مرتبہ ہے؟ فرمایا:

وہ اس وقت امیر المومنین فی الحدیث ہیں، پھر فرمایا: صاحبزادے! اسکا مطلب سمجھا؟ یعنی اگر میں اس فن میں عمر بھر ان کا تلمذ کروں تو بھی انکے پاسنگ کو نہ پہونچوں، آپ نے کہا: سچ ہے:

ولی را ولی می شناسد و عالم را عالم می داند

خود محدث اعظم کچھوچھوی فرماتے ہیں:

علم الحدیث کا اندازہ اس سے کیجئے کہ جتنی حدیثیں فقہ حنفی کی ماخذ ہیں ہر وقت پیش

نظر، اور جن حدیثوں سے فقہ حنفی پر بظاہر زد پڑتی ہے، اسکی روایت و درایت کی خامیاں ہر وقت ازبر۔ علم حدیث میں سب سے نازک شعبہ علم اسماء الرجال کا ہے۔ اعلیٰ حضرت کے سامنے کوئی سند پڑھی جاتی اور راویوں کے بارے میں دریافت کیا جاتا تو ہر راوی کی جرح و تعدیل کے جو الفاظ فرمادیتے، اٹھا کر دیکھا جاتا تو تقریب و تہذیب اور تذہیب میں وہی لفظ مل جاتا، اسکو کہتے ہیں علم راسخ اور علم سے شغف کامل اور علمی مطالعہ کی وسعت۔

حفظ حدیث اور علم حدیث میں مہارت تامہ کا مشاہدہ کرنا ہے تو آپ کی تصانیف کا مطالعہ کر کے اسکا اندازہ ہر ذی علم کرسکتا ہے۔ ورق ورق پر احادیث و آثار کی تابشیں نجوم و کواکب کی طرح درخشندہ و تابندہ ہیں۔

ماہر لسانیات استاذ گرامی وقار حضرت مولانا یسٰن اختر صاحب مصباحی لکھتے ہیں:

محض اپنے حافظے کی قوت سے احادث کا اتنا ذخیرہ جمع کر لینا۔ بس آپ کے لئے انعام الٰہی تھا۔ جس کے لئے زبان و دل دونوں بیک وقت پکار اٹھتے ہیں، ذلك فضل الله یو تیه من یشاء۔

۱۳۰۳ھ میں مدرسۃ الحدیث پیلی بھیت کے تاسیسی جلسہ میں علمائے سہارنپور، لاہور، کانپور، جونپور، رامپور، بدایوں کی موجودگی میں حضرت محدث سورتی کی خواہش پر حضرت فاضل بریلوی نے علم حدیث پر متواتر تین گھنٹوں تک پر مغز اور مدلل کلام فرمایا۔ جلسہ میں موجود سارے علمائے کرام نے حیرت و استعجاب کے ساتھ سنا اور کافی تحسین کی۔ مولانا خلیل الرحمٰن بن مولانا احمد علی محدث سہارنپوری نے تقریر ختم ہونے پر بے ساختہ اٹھ کر حضرت فاضل بریلوی کی دست بوسی کی اور فرمایا: کہ اگر اس وقت والد ماجد ہوتے تو وہ علم حدیث میں آپ کے تبحر علمی کی دل کھول کر داد دیتے اور انہی کو اس کا حق بھی تھا۔ محدث سورتی اور مولانا محمد علی مونگیری (بانی ندوۃ العلماء لکھنؤ) نے بھی اسکی پرزور تائید کی۔

اس واقعہ سے حفظ حدیث اور علم حدیث میں آپ کی عظمت کا اندازہ ہوتا ہے کہ مشاہیر علماء کے جم غفیر میں بھی آپ کا محدثانہ مقام ہر ایک کو مسلم تھا۔

احادیث کریمہ کی روشنی میں کسی بات کو مدلل و مبرہن، کرنے کا انداز حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی کی اکثر تصانیف میں یکساں ملتا ہے۔ کتب احادیث سے کسی مسئلہ کی تائید کیلئے اس کے ابواب وفصول کا ذہن میں محفوظ رہنا اور بوقت ضرورت اس سے مکمل استفادہ کرنا یہ بڑی وسعت مطالعہ کا کام ہے۔ حضرت فاضل بریلوی عام طور پر آیات واحادیث اور نصوص فقہیہ ہی کی روشنی میں عقائد واحکام کی تفصیلات تحریر فرماتے ہیں۔ چند کتابیں اس وقت پیش نظر ہیں جن کے سرسری تعارف سے آپ پر واضح ہو جائے گا کہ حفظ کتب کے میدان میں بھی حضرت فاضل بریلوی کی نظر کہاں تک تھی۔

ایک سوال کے جواب میں سجدۂ تعظیمی کی حرمت ثابت کرنے کیلئے ''الزبدة الزكية لتحريم سجود التحية'' (۱۳۳۷ھ) کے نام سے ایک وقیع کتاب آپ نے لکھی جس میں آپ کے تبحر علمی کا جوہر اتنا نمایاں ہے کہ مولانا ابوالحسن علی ندوی کو بھی اعتراف کرنا پڑا۔

وهی رسالة جامعة تدل علی غزارة علمه وقوة استدلاله ۔ یہ ایک جامع رسالہ ہے جوان کے وفور علم اور قوت استدلال کی دلیل ہے۔

مزید لکھتے ہیں:

متعدد آیات کریمہ اور ڈیڑھ سو نصوص فقہیہ کے علاوہ آپ نے اس کی تحریم کے ثبوت میں چالیس احادیث بھی پیش کی ہیں خود لکھتے ہیں:

حدیث میں چہل حدیث کی بہت فضیلت آتی ہے۔ ائمہ وعلماء نے رنگ رنگ کی چہل حدیثیں لکھی ہیں ہم بتوفیقہ تعالیٰ یہاں غیر خدا کو سجدۂ (تحیت) حرام ہونے کی چہل حدیثیں لکھتے ہیں۔

بعض علوم حدیث میں آپ کی مہارت حد ایجاد تک پہونچی ہوئی تھی، آپ کا ایک رسالہ فن تخریج حدیث میں '' الروض البهيج في آداب التخريج '' ہے۔ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے مولانا رحمٰن علی صاحب ممبر کونسل آف ریاست ریواں مدھیہ پردیش لکھتے ہیں:

اگر پیش ازیں کتابے دریں فن نیافتہ شود پس مصنف را موجد فن ھذا می تواں گفت۔

اگر فن تخریج حدیث میں اور کوئی کتاب نہ ہوتو مصنف کو اس فن کا موجد کہا جا سکتا ہے۔

امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ سے ایک مرتبہ سوال ہوا کہ آپ نے حدیث شریف کی کون کون سی کتابیں درس کی ہیں؟ تو آپ نے فرمایا:

مسند امام اعظم، موطا امام محمد، کتاب الآثار، کتاب الخراج، کتاب الحج، شرح معانی الآثار، موطا امام مالک، مسند امام شافعی، مسند امام احمد، سنن دارمی، بخاری، مسلم، ابو داؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، خصائص نسائی، منتھی الجارود، علل متناہیہ، مشکوۃ، جامع کبیر، جامع صغیر، منتقی ابن تیمیہ، بلوغ المرام، عمل الیوم واللیلہ، الترغیب والترہیب، خصائص کبری، الفرج بعد الشدۃ، کتاب الاسماء والصفات، وغیرہا۔ پچاس سے زائد کتب حدیث میرے درس وتدریس اور مطالعہ میں رہیں۔

امام احمد رضا نے چند کتب شمار فرما کر پچاس سے زائد کی بات اجمالاً ذکر کردی، یعنی آگے شمار کرنے کے لئے میری تصانیف کا مطالعہ کرو واضح ہو جائے گا کہ میں نے علم حدیث میں کن کن کتابوں کو پڑھا اور پڑھایا ہے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں جب راقم الحروف نے تلاش وجستجو شروع کی تو اب تک امام احمد رضا کی ساڑھے تین سو کتب ورسائل میں تقریباً چار سو کتابوں کے حوالے احادیث مبارکہ کے تعلق سے ملے۔ ان تمام کتب کی تفصیلی فہرست جامع الاحادیث جلد ششم کے آخر میں ملاحظہ فرمائیں۔

حدیث کی یہ کتابیں ابھی ہماری تحقیق وتلاش کے مطابق ہیں ورنہ امام احمد رضا فاضل بریلوی کی تمام تصانیف کی تعداد تو تقریباً ایک ہزار ہے تو ابھی یہ کہنا نہایت مشکل ہے کہ حدیث کی تمام کتابوں کی تعداد جو انکے مطالعہ میں رہیں کتنی ہیں۔

ان تمام کتب کے حوالے اس بات کی بھرپور وضاحت کر رہے ہیں کہ امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ کا علم حدیث میں مطالعہ نہایت وسیع تھا۔ آپ نے جن کتابوں کا بطور حوالہ تذکرہ فرمایا ہے وہ کتابیں بھی کوئی معمولی ضخامت کی حامل نہیں بلکہ بعض کتب دس، پندرہ، بیس، اور پچیس جلدوں پر بھی مشتمل ہیں:۔ مثلا

☆ السنن الکبری للبیھقی۔ دس جلدیں

☆ کنز العمال لعلی المتقی ۱۸ جلدیں

☆ المعجم الکبیر للطبرانی۔ ۲۵ جلدیں

اس عظیم ذخیرۂ حدیث کا استقصاء و احاطہ اور پھر استحضار یہ سب آپ ہی کا حصہ تھا۔ متعدد مقامات پر ایک وقت میں ایک حدیث کے حوالے میں دس، بیس اور پچیس پچیس کتابوں کا تذکرہ اس بات کی غمازی کر رہا ہے کہ بیک وقت آپ کے پیش نظر وہ تمام کتابیں رہتی تھیں بلکہ گویا ان سب کو حفظ کر لیا گیا تھا کہ جب جس مسئلہ میں ضرورت پیش آئی انکو فی البدیہ اور برجستہ تقریراً یا تحریراً بیان فرما دیتے۔ حافظہ اللہ تعالی نے اپنی قدرت کاملہ سے ایسا عظیم الشان عطا فرمایا تھا کہ جو کتاب ایک مرتبہ دیکھ لی حفظ ہو گئی۔

جس موضوع پر آپ نے قلم اٹھایا احادیث کا وافر ذخیرہ امت مسلمہ کو عطا فرمایا، تحقیق کے دریا بہائے۔ فتاوی رضویہ اور اسکے علاوہ تصانیف سے چند نمونے صرف علم حدیث سے متعلق ملاحظہ فرمائیں۔ ہم اس کتاب میں علم حدیث سے متعلق چند حیثیات سے نمونے پیش کریں گے۔ جن کا اجمالی خاکہ اس طرح ہے۔

۱۔ کسی ایک موضوع سے متعلق احادیث

۲۔ حوالوں کی کثرت

۳۔ اصطلاحات حدیث کی تحقیق و تنقیح

۴۔ راویان حدیث پر جرح و تعدیل

۵۔ روایات میں تطبیق

## ۱۔ کسی ایک موضوع سے متعلق احادیث

امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ العزیز سے کسی مسئلہ میں سوال ہوا تو آپ نے قرآن کریم سے استدلال کے بعد احادیث سے استدلال فرمایا اور موضوع سے متعلق احادیث

کا وافر ذخیرہ جمع کر دیا۔ مثلاً

☆ حضرت حاجی امداداللہ صاحب مہاجر مکی علیہ الرحمہ کے خلیفہ مولانا کرامت اللہ صاحب نے دہلی باڑہ ہندوراؤ سے ۱۳۱۱ھ میں ایک استفتاء اس مضمون کا بھیجا کہ زید درود تاج وغیرہ پڑھنے کو شرک و بدعت کہتا ہے کیوں کہ اس میں حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ''دافع البلاء والوباء'' وغیرہ کہا گیا ہے جو کھلا شرک ہے العیاذ باللہ۔

یہ پڑھ کر امام احمد رضا کا قلم حرکت میں آیا اور حضور کے دافع بلاء اور صاحب عطا ہونے کو تین سو احادیث کریمہ کے ذریعہ ثابت فرما کر وہابیہ کے خود ساختہ شرک کو ہمیشہ کیلئے خاک میں ملا دیا۔ یہ کتاب ''الامن والعلی'' کے نام سے مشہور ہے۔ امام احمد رضا نے اس کا ایک دوسرا نام بھی رکھا ہے " اکمال الطامة علی شرك سوی بالامور العامه"۔

(وہابیوں کے اس شرک پر پوری قیامت ڈھانا جو امور عامہ کی طرح موجود کی تمام قسموں پر صادق ہے)

☆ امام احمد رضا قدس سرہ کے استاذ گرامی حضرت مولانا غلام قادر بیگ علیہ الرحمہ کی معرفت مونگیر لعل دروازے سے ۱۳۰۵ھ میں ایک استفتاء آیا کہ وہابیہ نے حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے افضل المرسلین ہونے کا انکار کیا ہے اور کہتے ہیں قرآن وحدیث سے دلیل لاؤ۔

اس کے جواب میں امام احمد رضا محدث بریلوی فرماتے ہیں:

حضور پر نور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا افضل المرسلین سید الاولین والآخرین ہونا قطعی ایمانی یقینی اذعانی اجماعی ایقانی مسئلہ ہے جس میں خلاف نہ کریگا مگر گمراہ بددین بندۂ شیاطین والعیاذ بالله رب العالمین۔

پھر ایک مبسوط کتاب ''تجلی الیقین'' کے نام سے تحریر فرمائی اور ایک سو احادیث سے اس مسئلہ کو واضح فرما کر تحقیق انیق کے دریا بہائے۔

☆ مولانا محمد حسن صاحب کانپوری کے شاگرد مولوی احمد اللہ صاحب نے کانپور سے

۱۳۱۲ھ میں ایک سوال بھیجا کہ ہمارے دیار میں چیچک اور قحط سالی آجائے تو لوگ بلاء کے دفع کیلئے چاول گیہوں وغیرہ جمع کر کے پکاتے ہیں اور پھر علماء کو بلا کر اور خود محلّہ والے جمع ہو کر کھاتے ہیں یہ طعام ان کیلئے جائز ہے؟ امام احمد رضا نے جواب باصواب مرحمت فرمایا، یہ طریقہ اور اہل دعوت کیلئے یہ کھانا جائز ہے اس دعوے کے ثبوت میں ساٹھ حدیثیں بطور دلیل پیش فرمائیں جو امام احمد رضا کے عظیم محدث ہونے کا واضح ثبوت ہیں۔

☆ جمادی الآخرہ ۱۳۰۵ھ میں سماع موتی سے متعلق ایک سوال آیا، سائل نے سوال کے ساتھ بعض منکرین کا جواب بھی منسلک کیا تھا۔ امام احمد رضا نے چارسو وجوہ سے دار وگیر فرمائی ہے، یہ رسالہ دلائل و براہین سے مزین ۷۷؍احادیث پر مشتمل ہے۔

☆ مرزا قادیانی کی جعلی نبوت کو دفناتے ہوئے امام احمد رضا محدث بریلوی نے ''جزاء اللہ عدوہ'' نامی کتاب تحریر فرمائی۔ ایک سو اکیس احادیث نقل فرما کر مرزا کے دعوی کو خاک میں ملا دیا جو بلاشبہ آپ کے تبحر فی فن الحدیث کا بین ثبوت ہے۔

☆ جمعہ کے دن اذان ثانی کے موضوع پر امام احمد رضا محدث بریلوی نے ایک کتاب ''شمائم العنبر'' نامی عربی زبان میں تحریر فرمائی جس میں ۴۵؍احادیث سے کتاب کو مزین فرمایا۔

☆ دوسرے سفر حج ۱۳۲۳ھ کے موقع پر آپ نے علمائے حرم محترم مکۂ مکرمہ زادہا اللہ شرفا وتعظیما کی فرمائش پر ایک عظیم وجلیل کتاب علم غیب کے موضوع پر بنام 'الدولۃ المکیۃ بالمادۃ الغیبیۃ' صرف آٹھ گھنٹے میں تصنیف فرمائی، اس کے دلائل و براہین سے متاثر ہو کر علمائے حرمین شریفین نے دھوم دھام سے تقاریظ لکھیں، پھر اس پر آپ نے ایک مبسوط حاشیہ ''انباء الحی ان کلامہ المصون تبیان لکل شیٔ'' کے نام سے تحریر فرمایا، جس میں پانچ سو سے زیادہ احادیث کا سمندر موجیں لے رہا ہے۔

☆ جمع بین الصلاتین کے موضوع پر ایک کتاب ''حاجز البحرین'' علم حدیث کا شاہکار ہے، آپ نے یہ کتاب دراصل غیر مقلدین کے شیخ الکل میاں نذیر حسین دہلوی کی کتاب 'معیار الحق' کے ایک جز کے رد میں لکھی ہے، غیر مقلدین کو میاں جی کی حدیث دانی پر اس قدر ناز ہے کہ

ہندو پاک میں ان سے بڑا کوئی محدث نہیں، تفصیل کے لئے 'تحفۃ الاحوذی شرح ترمذی مصنفہ غیر مقلد مولوی حبیب الرحمٰن مبارک پوری'' کا مقدمہ ملاحظہ کریں جس سے ظاہر ہے کہ میاں جی کے سامنے شیخ محقق محدث دہلوی، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی بھی ہیچ ہیں۔

امام احمد رضا نے اس کتاب میں میاں جی کی حدیث دانی کی خوب خبر لی ہے۔ کتاب کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ اس کتاب میں حدیث کی اکتیس کتابوں سے آپ نے تقریباً دو سو احادیث نقل کر کے ملا جی کے دعوئے محدثی کو خاک میں ملا دیا ہے۔ خود لکھتے ہیں:

اس مسئلہ میں ہمارے زمانہ کے امام لا مذہباں، مجتہد نا مقلداں، مخترع طرز نوی، مبتدع آزادروی، میاں نذیر حسین صاحب دہلوی 'ہداہ اللہ الی الصراط السوی' نے کتاب عجب العجائب ''معیار الحق'' کے آخر میں اپنی چلتی حد بھر کا کلام مشبع کیا۔ مباحث مسئلہ میں اگلے پچھلے مالکیوں، شافعیوں، وغیرہم کا الٹا پلٹا الجھا سلجھا جیسا کلام حنفیہ کے خلاف جہاں کہیں ملا سب جمع کر لیا اور کھلے خزانے، احادیث صحاح کو رد فرمانے، رواۃ صحیحین کو مردود بتانے، بخاری و مسلم کی صدہا حدیثوں کو واہیات بتانے، محدثی کا بھرم، عمل بالحدیث کا دھرم، دن دہاڑے دھڑی دھڑی کر کے لٹانے میں رنگ رنگ سے اپنی ابکار افکار کو جلوہ دیا۔ تو بعون قدیر، اس تحریر عدیم التحریر، حائز ہر غث و یابس ونقیر و قطمیر، کے رد میں تمام مسائی نو و کہن کا جواب، اور ملا جی کے ادعائے باطل عمل بالحدیث ولیاقت اجتہاد و علم حدیث کے روئے نہانی سے کشف حجاب، بعض علمائے عصر وعظمائے وقت غفر اللہ تعالیٰ لنا ولہ و شکر فی انتصارنا للحق سعینا وسعیہ نے ملا جی پر تعقبات کثیرہ وسیطہ کئے، مگر انشاء اللہ العزیز الکریم و لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم یہ افاضات تازہ چیزے دیگر ہوں گے جنہیں دیکھ کر ہر منصف حق پسند بے ساختہ پکار اٹھے کہ ع

کم ترک الاول للآخر (بہت سی چیزیں پہلوں نے پچھلوں کے لئے چھوڑ دی ہیں)

(فتاوی رضویہ ۵/۱۶۳، ۱۶۴)

اس کے بعد فرماتے ہیں:

اس کے سوا نفس مسئلہ میں ملاجی نے اپنے موافق کہیں چودہ (۱۴) کہیں پندرہ (۱۵) صحابیوں سے روایت آنا بیان کیا اور خود ہی اسے بگاڑ کر کمی کی طرف سے پلٹے اور چار سے زیادہ ظاہر نہ کر سکے، ان میں بھی عندالانصاف اگر کچھ لگتی ہوئی بات ہے تو صرف ایک ہے، میں بعونہ تعالیٰ اپنے موافق روایات تیئس (۲۳) صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے لاؤں گا، ملاجی صرف چار حدیثیں پیش خویش اپنے مفید دکھا سکے جن میں حقیقۃ کوئی بھی ان کے مفید نہیں اور آیت کا تو ان کی طرف نام بھی نہیں، میں بحول اللہ تعالیٰ ان سے دونی آیتیں اور دس گنی حدیثیں اپنی طرف دکھاؤں گا، میں یہ بھی روشن کرونگا کہ حنفیہ کرام پر غیر مقلدوں کی طعنہ زنی ایسی پوچ و لچر بے بنیاد ہوتی ہے، میں یہ بھی بتاؤنگا کہ ان صاحبوں کے عمل بالحدیث کی حقیقت اتنی ہے، میں یہ بھی دکھاؤنگا کہ ملاجی صاحب جو آج کل مجتہد العصر اور تمام طائفہ کے استاد مانے گئے ہیں ان کی حدیث دانی ایک متوسط طالب علم سے بھی گرے درجے کی ہے۔ كل ذلك بعون الملك العزيز القريب المجيب و ما توفيقی الا بالله عليه توكلت والى انيب۔

(فتاوی رضویہ جدید ۱۶۶/۵)

☆ تخلیق ملائکہ کے عنوان پر چوبیس احادیث سے استدلال فرمایا۔

☆ خضاب کے عدم جواز میں ۱۶/ احادیث سے استدلال۔

☆ معانقہ کے ثبوت میں ۱۶/ احادیث۔

☆ داڑھی کی ضرورت و اہمیت پر ۵۶/ احادیث۔

☆ والدین کے حقوق پر ۹۱/ احادیث۔

☆ سجدۂ تحیت کی حرمت میں ۷۰/ احادیث۔

☆ شفاعت کے عنوان پر ۴۰/ احادیث۔

☆ تصاویر کے عدم جواز پر ۲۷/ احادیث ۔

اور اسی طرح بے شمار عناوین و موضوعات پر ان گنت احادیث کریمہ سے استدلال

فرما کرامت مسلمہ کو احادیث کا بیش بہا خزانہ مرحمت فرمایا۔

درحقیقت امام احمد رضا کی تصانیف احادیث کریمہ کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر ہیں جس موضوع پر اشہب قلم کو مہمیز لگائی اس میں ظفر وکامیابی نے آپ کے قدم چومے۔

## حوالوں کی کثرت

یہاں تک تو چند نمونے احادیث کی کثرت سے متعلق تھے اب ملاحظہ فرمائیں کہ امام احمد رضا محدث بریلوی جب کوئی حدیث نقل فرماتے ہیں تو ان کی نظر اتنی وسیع وعمیق ہوتی ہے کہ بسا اوقات وہ کسی ایک کتاب پر اکتفاء نہیں کرتے بلکہ پانچ، دس اور بیس بیس کتابوں کے حوالے دیتے جاتے ہیں ۔ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تمام کتابیں اس موضوع پر ان کے سامنے کھلی رکھی ہیں اور سب کے نام لکھتے جارہے ہیں، ساتھ ہی یہ بھی بتاتے جاتے ہیں کہ کس محدث نے کس صحابی سے روایت کی مثلاً۔

۞ الامن والعلی میں ص ۷۰ پر ایک حدیث تحریر فرمائی۔

اطلبو االخیر والحوائج من حسان الوجوہ۔
یعنی بھلائی اور اپنی حاجتیں خوش رویوں سے مانگو۔

☆ رواہ الطبرانی فی الکبیر والعقیلی والخطیب وتمام الرازی فی فوائدہ والبیھقی فی شعب الایمان عن ابن عباس ۔

☆ وابن ابی الدنیا فی قضاء الحوائج والعقیلی والدار قطنی فی الافراد والطبرانی فی الاوسط وتمام والخطیب فی رواۃ مالک عن ابی ھریرہ ۔

☆ وابن عساکر والخطیب فی تاریخھا عن انس ابن مالک ۔

☆ والطبرانی فی الاوسط والعقیلی والخرائطی فی اعتلاء القلوب وتمام وابو سھل وعبدالصمد بن عبدالرحمن البزار فی جزءہ وصاحب المھرانیات فیھا عن جابر ابن عبداللہ ۔

☆ وعبدبن حمید فی مسند وابن حبان فی الضعفاء وابن عدی فی الکامل والسلفی فی الطیوریات عن ابن عمر ۔

☆ وابن النجار فی تاریخه عن امیر المومنین علی ۔

☆ والطبرانی فی الکبیر عن ابی خصیفه ۔

☆ وتمام عن ابی بکرہ ۔

☆ والبخاری فی التاریخ وابن ابی الدنیا فی قضاء الحوائج وابو یعلی فی مسنده والطبرانی فی الکبیرو العقیلی والبیهقی فی شعب الایمان وابن عساکر عن ام المومنین الصدیقه رضی الله تعالیٰ عنهم اجمعین ۔

یہ نوصحابہ کرام کی روایت ۳۴ رکتابوں سے نقل فرمائی۔

✡ اسی کتاب کے ص ۷۳ ر پر ایک حدیث یوں ہے:

اللهم اعز الاسلام باحب هذین الرجلین الیك بعمر بن الخطاب اوبابی جهل بن هشام۔

الٰہی اسلام کوعزت دے ان دونوں مردوں میں جو تجھے زیادہ پیارا ہواسکے ذریعہ سے یا عمرابن خطاب یاابوجہل بن ہشام۔

☆ رواه احمد وعبد بن حمید والترمذی بسند حسن وصحیح عن امیر المومنین عمر بن خطاب وانس ایضاً

☆ وابن سعد وابو یعلی وحسن بن سفیان فی فوائد ه والبزار وابن مردویه وخیثمه بن سلیمان فی فضائل الصحابه وابو نعیم والبیهقی فی دلائلهما وابن عساکر کلهم عن امیر المومنین عمر ۔

☆ والترمذی عن انس ۔

☆ والنسائی عن ابن عمر ۔

☆ احمد وابن حمید وابن عساکر عن خباب بن الارث ۔

☆ والطبرانی فی الکبیر والحاکم عن عبداللہ بن مسعود ۔

☆ والترمذی والطبرانی وابن عساکر عن ابن عباس ۔

☆ والبغوی فی الجعد یات عن ربیعۃ السعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین ۔

یہ دس صحابہ کرام کی روایت ۲۳/ کتب حدیث سے نقل فرمائی۔

✡ اسی کتاب الامن والعلی میں ۱۲۹/ پرایک حدیث نقل فرمائی۔

انا محمد واحمد والمقفی والحاشر ونبی التوبہ ونبی الرحمۃ ۔

میں محمد ہوں اور احمد اور سب نبیوں کے بعد آنے والا اور خلائق کو حشر دینے والا اور توبہ کا نبی اور رحمت کا نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ۔

☆ رواہ احمد ومسلم والطبرانی فی الکبیر عن ابی موسی الاشعری ۔

☆ ونحوہ وابنا سعدوابی شیبہ والبخاری فی التاریخ والترمذی فی الشمائل عن حذیفہ۔

☆ وابن مردویہ فی التفسیر وابو نعیم فی الدلائل وابن عدی فی الکامل وابن عساکر فی تاریخ دمشق والدیلمی فی مسند الفردوس عن ابی الطفیل ۔

☆ وابن عدی عن ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم

یہ چار صحابہ کرام کی روایت ۱۴/ کتابوں سے نقل فرمائی۔

✡ جزاء اللہ عدوہ میں ص ۴۶/ پرایک حدیث نقل فرمائی۔

اما ترضی ان یکون منی بمنزلۃ ھارون من موسی غیر انہ لانبی بعدی ۔

اے علی! کیا تم اس پر راضی نہیں کہ تم یہاں میری نیابت میں ایسے رہو جیسے موسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام جب اپنے رب سے کلام کیلئے حاضر ہوئے ہارون علیہ الصلوۃ والسلام کو اپنی نیابت میں چھوڑ گئے تھے، ہاں فرق یہ ہے کہ ہارون نبی تھے، میں جب سے مبعوث ہوا دوسرے کیلئے نبوت نہیں۔

☆ رواه احمد والبخاری، ومسلم والترمذی والنسائی وابن ماجه وابن ابی شیبه والسنن لابن جریر عن سعد بن ابی وقاص ۔

☆ وحاکم والطبرانی وابوبکر وابن مردویه والبزار وابن عساکر عن علی ۔

☆ واحمد والبزار والطبرانی والمطیری عن ابی سعید الخدری ۔

☆ والترمذی عن جابر بن عبدالله وعن ابی هریرة۔

☆ والطبرانی والخطیب عن عبدالله بن عمر ۔

☆ وابو نعیم عن سعیدبن زید ۔

☆ والطبرانی عن البراء بن عازب وزید بن ارقم وحبیش بن جناده وجابر بن سمره ومالك بن حویرث ۔

☆ وام المومنین ام سلمةواسماء بنت عمیس رضی الله تعالیٰ عنهم اجمعین

یہ چودہ صحابہ کرام کی روایت ۱۸/ کتابوں سے نقل فرمائی۔

۞ 'راد القحط والوباء "میں صفحہ ۱۲/ پرایک حدیث نقل فرمائی۔

الدرجات افشاء السلام واطعام الطعام والصلوة باللیل والناس ینام ۔

اللہ عزوجل کے یہاں درجہ بلند کرنے والے ہیں سلام کا پھیلانا، ہرطرح کے لوگوں کو کھانا کھلانا اوررات کولوگوں کے سوتے میں نمازیں پڑھنا۔

☆ رواه امام الائمه ابو حنیفه والامام احمد وعبدالرزاق فی مصنفه والترمذی والطبرانی عن ابن عباس ۔

☆ واحمد والطبرانی وابن مردویه عن معاذ بن جبل ۔

☆ وابن خزیمه والدارمی والبغوی وابن السکن وابو نعیم وابن بسطة عن عبد الرحمن بن عائش۔

☆ واحمد والطبرانی عنه عن صحابی ۔

☆ والبزار عن ابن عمر و ثوبان ۔

☆ والطبرانی عن ابی امامه ۔

☆ وابن قانع عن ابی عبیدۃابن الجراح ۔

☆ والدارمی وابوبکر النیساپوری فی الزیادات عن انس ۔

☆ وابو الفرح فی العلل تعلیقا عن ابی هریرة ۔

☆ وابن ابی شیبه مرسلا عن عبدالرحمن بن سابط ، رضی الله تعالیٰ عنهم اجمعین ۔

یہ دس صحابہ کرام اور ایک تابعی کی روایت ۲۳ رکتابوں سے نقل فرمائی۔

۞ فتاوی رضویہ نہم رسالہ "عطایا القدیر" میں صفحہ ۴۷ حصہ دوم پر ایک حدیث نقل فرمائی۔

لاتد خل الملئکة بیتا فیه کلب ولا صورة ۔

رحمت کے فرشتے اس گھر میں نہیں آتے جس میں کتا یا تصویر ہو۔

☆ رواه الائمة احمد والسنة والطحاوی عن ابی طلحه ۔

☆ والبخاری والطحاوی عن ابن عمر و عن ابن عباس ۔

☆ ومسلم وابو دائود والنسائی والطحاوی عن ام المومنین میمونه ۔

☆ ومسلم وابن ماجه والطحاوی عن ام المومنین الصدیقه ۔

☆ واحمد ومسلم والنسائی والطحاوی وابن حبان عن ابی هریره ۔

☆ والامام احمد والدارمی وسعید بن منصور وابوداؤد والنسائی وابن ماجه وابن خزیمه وابو یعلی والطحاوی وابن حبان والضیاء والشاشی وابونعیم فی الحلیة عن امیر المومنین علی ۔

☆ والاما م مالك فی الموطا والترمذی والطحاوی عن ابی سعید الخدری ۔

☆ واحمد والطحاوی والطبرانی فی الکبیر عن اسامه بن یزید ۔

☆ والطحاوی والحاوی عن ابی ایوب الانصاری ،رضی الله تعالی عنهم اجمعین ۔

یہ دس صحابہ کرام کی روایت ۴۳/کتابوں سے نقل فرمائی۔

❁ فتاوی رضویہ جلد سوم میں صفحہ ۳۲۶/ پر ایک حدیث نقل فرماتے ہیں۔

قل هو الله تعدل ثلث القرآن :

" قل هو الله احد "پوری سورت مبارکہ کی تلاوت کا ثواب تہائی قرآن کے برابر ہے۔

☆ رواه الامام مالك واحمد والبخاری وابوداؤد والنسائی عن ابی سعید الخدری ۔

☆ والبخاری عن قتادہ بن النعمان ۔

☆ واحمد ومسلم عن ابی الدرداء ۔

☆ ومالك واحمد ومسلم والترمذی والنسائی وابن ماجه والحاكم عن ابی هريره ۔

☆ واحمد والترمذی والنسائی عن ابی ایوب الانصاری ۔

☆ والترمذی وابن ماجه عن انس ابن مالك ۔

☆ واحمد وابن ماجه عن ابی مسعود البدری ۔

☆ والطبرانی فی الكبير عن عبدالله بن مسعود ۔

☆ والطبرانی فی الكبير والحاكم وابو نعيم فی الحليه عن عبد الله بن عمرو ۔

☆ والطبرانی فی الكبير عن معاذ بن جبل

☆ والبزار عن جابر بن عبدالله ۔

☆ وابو عبيد عن عبدالله بن عباس ۔

☆ واحمد عن ام مكتوم بنت عقبه ۔

☆ والبيهقی فی السنن عن رجاء الغنوی رضی الله تعالىٰ عنهم اجمعين ۔

یہ کل پندرہ صحابۂ کرام کی روایت ۳۴/کتابوں سے نقل فرمائی۔

یہ چند اور اس طرح کی سیکڑوں مثالیں امام احمد رضا محدث بریلوی کی وسعت مطالعہ پر اور عمیق نظری کا جیتا جاگتا ثبوت ہیں۔

زکوۃ کا مال سادات کرام اور تمام بنی ہاشم کیلئے حرام قطعی ہے جسکی حرمت پر ائمہ مذاہب کا اجماع ہے، اس مسئلہ سے متعلق امام احمد رضا محدث بریلوی سے سوال ہوا، آپ نے اسکی حرمت پر تحقیق کے دریا بہائے اور مندرجہ ذیل کتب احادیث اور روی کا نشان دیا۔

☆ سیدنا حضرت امام حسن مجتبی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

روی عنه احمد والبخاری ومسلم۔

☆ سیدنا حضرت امام حسین عالی مقام رضی اللہ تعالیٰ عنہ

روی عنه احمد وابن حبان برجال ثقات۔

☆ سیدنا حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما

روی عنه الطحاوی والحاکم وابو نعیم وابن سعد فی الطبقات وابو عبید القاسم بن سلام فی کتاب الاموال وروی عنه الطحاوی حدیثاآخر وروی عنه الطبرانی حدیثا ثالثا۔

☆ حضرت عبدالمطلب بن ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ

روی عنه احمد ومسلم والنسائی۔

☆ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

روی عنه ابن حبان والطحاوی والحاکم وابو نعیم۔

☆ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

روی عنه الشیخان۔

وروی عنه الطحاوی حدیثین آخر۔

☆ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ

روی عنه البخاری ومسلم ۔

وروی عنه الطحاوی حدیثا آخر۔

☆ حضرت معاویہ بن حیدہ قشیری رضی اللہ تعالیٰ عنہ

روی عنه الترمذی والنسائی۔

وروی عنه الطحاوی حدیثا آخر۔

☆ حضرت ابورافع مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

روی عنه احمد وابو دائود والترمذی والنسائی والطحاوی وابن حبان وابن خزیمه والحاکم ۔

☆ حضرت ہرمز یا کیسان مولیٰ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

روی عنه احمد والطحاوی۔

☆ حضرت بریدہ اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

روی عنه اسحاق بن راهویه وابو یعلی الموصلی والطحاوی والبزار والطبرانی والحاکم ۔

☆ حضرت ابویعلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

روی عنه الطحاوی ۔

☆ حضرت ابوعمیرہ رشید بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ

روی عنه الطحاوی۔

☆ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما

علق عنه الترمذی۔

☆ حضرت عبدالرحمٰن بن علقمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یقال صحابی

علق عنه الترمذی۔

☆ حضرت عبدالرحمٰن بن ابی عقیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ

علق عنه الترمذی .

☆ ام المومنین حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

روی عنها الستة۔

☆ ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

روی عنها الطحاوی۔

☆ ام المومنین حضرت جویریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

روی عنها احمد و مسلم۔

☆ حضرت ام عطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

یہ بیس صحابہ کرام اور صحابیات سے مروی پچیس احادیث ہیں جنکو پندرہ کتب احادیث سے نقل فرمایا۔

الامن والعلی ۱۰۹ / پر ایک حدیث ہے جس میں حضرت عبد اللہ بن اعور مازنی اعشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بارگاہ رسالت میں قصیدہ پڑھنا مذکور ہے جس کا پہلا مصرع ہے۔

یامالك الناس و دیان العرب ۔

اس واقعہ کو نقل فرما کر امام احمد رضا قدس سرہ فرماتے ہیں ۔ کہ اس واقعہ اور حدیث کو مندرجہ ذیل سندوں سے روایت کیا گیا ہے۔

الامام احمد حدثنا محمد بن ابی بکر المقدسی ،ثنا ابو معشر البراء ، ثنی صدقه بن طینة ،ثنی معن بن ثعلبة المازنی و الحی بعده، ثنی الاعشی المازی رضی الله تعالیٰ عنه قال اتیت النبی صلی الله تعالی علیه وسلم الحدیث ۔

و رواه الامام اجل ابو جعفر الطحاوی فی معانی الاثار حدثنا ابن ابی داؤد ثنا المقدمی ثنا ابو معشر الی آخره نحوه سندا و متنا ۔

و رواه ابن عبد الله ابن الامام فی زوائد مسنده من طریق عوف بن کهمس بن الحسن عن صدقة بن طیسنة حدثنی معن بن ثعلبة المازنی و الحی

بعدہ قالوا حدثنا الاعشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فذکرہ، قلت و الیہ اعنی عبد اللہ عزاہ حافظ الشان فی الاصابۃ انہ رواہ فی الزوائد، و العبد الضعیف غفر اللہ تعالیٰ لہ قدراہ فی المسند نفسہ ایضاً کما سمعت و للہ الحمد۔

و رواہ البغوی و ابن السکن و ابن ابی عاصم کلھم من طریق الجنید بن امین بن عروۃ بن نضلۃ بن طریق بن بھصل الحرمازی عن ابیہ عن جدہ نضلۃ۔

و لفظ للبغوی عنہ حدثنی ابی امین حدثنی ابی ذروۃ عن ابیہ نضلۃ عن رجل منھم یقال لہ الاعشی و اسمہ عبد اللہ بن الاعور رضی اللہ تعالیٰ عنہ فذکر القصۃ و فیہ فخرج حتی اتی النبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم فعاذبہ وانشأ یقول:
یا مالک الناس و دیان العرب، الحدیث،

یہ حدیث جلیل اتنے ائمہ کبار نے باسانید متعددہ روایت کی اور طریق اخیر میں یہ لفظ ہیں کہ اعشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پناہ لی، اور عرض کی کہ اے مالک آدمیاں، وا ے جزاو سزادہ عرب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

الامن والعلی ص ۱۰۹

# اصطلاحات حدیث کی تنقیح و تحقیق

اب آپ امام احمد رضا کی فن حدیث میں مہارت، اصول حدیث اور اصطلاحات حدیث کے بیان میں ان کی تحقیق و تنقیح ملاحظہ فرمائیں۔

امام احمد رضا محدث بریلوی نے ایک رسالہ "منیر العین فی حکم تقبیل الابھامین" تصنیف فرمایا جس میں حضور پر نور، شافع یوم النشور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نام اقدس کو سنکر انگوٹھے چومنے کا جواز واستحباب ثابت فرمایا۔ مخالفین نے بعض محدثین کے اقوال کا سہارا لیکر یہ ثابت کرنے کی سعی بے جا اور ناکام کوشش کی تھی کہ اس سلسلہ میں کوئی حدیث صحیح نہیں بلکہ موضوع و بے اصل ہے۔ لہذا یہ عمل شریعت میں کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔

امام احمد رضا قدس سرہ نے اس رسالہ نافعہ میں اصول احدیث کی وہ معرکتہ الارا بحث فرمائی کہ ہر وہ شخص جو اس علم سے شغف رکھتا ہے پڑھ کر جھوم اٹھے اور مخالف حیران و ششدر رہ جائے۔

مقاصد حسنہ، موضوعات کبیر اور رد المحتار میں بس اس قدر ہے کہ انگوٹھے چومنے کے سلسلہ میں کوئی مرفوع حدیث درجۂ صحت کو نہیں پہونچی، بس کیا تھا مخالفین نے بے پر کی اڑادی کہ اس سلسلہ میں تمام رویات موضوع و من گڑھت ہیں۔ اس پر امام احمد رضا نے خوب جم کر نہایت نفیس بحث فرمائی جو فتاوی رضویہ میں تقریبا دو سو صفحات پر مشتمل ہے جس کی تلخیص کی بھی یہاں گنجائش نہیں پھر بھی ''مشتے نمونہ از خروارے'' کے طور پر چند اہم، گوشوں کی نشاندھی قارئین کے ذوق کی تسکین کا باعث ضرور ہوگی۔

فرماتے ہیں :

خادم حدیث پر روشن کہ اصطلاح محدثین میں نفی صحت نفی حسن کو بھی مستلزم نہیں نہ کہ نفی صلاح تماسک وصلوح تمسک، نہ کہ دعوی وضع وکذب۔ عند التحقیق ان احادیث پر جیسے باصطلاح محدثین حکم صحت نہیں، یوں ہی حکم وضع وکذب بھی ہرگز مقبول نہیں بلکہ بہ تصریح ائمۂ فن کثرت طرق سے جبر نقصان متصور اور عمل علماء قبول قدماء حدیث کے لئے قوی دیگر، اور نہ سہی تو فضائل اعمال میں حدیث ضعیف بالا جماع مقبول، اور اس سے بھی گذر یئے تو بلاشبہ یہ فعل اکابر دین سے مروی و منقول اور سلف صالح میں حفظ صحت بصر و روشنائی چشم کیلئے مجرب و معمول، ایسے محل پر بالفرض اگر کچھ نہ ہوتو اسی قدر سند کافی بلکہ اصلا نقل بھی نہ ہوتو تجربہ وافی کہ آخر اس میں کسی حکم شرعی کا ازالہ نہیں، نہ کسی سنت ثابتہ کا خلاف، اور نفع حاصل تو منع باطل، بلکہ انصاف کیجئے تو محدثین کا نفی صحت کو احادیث مرفوعہ سے خاص کرنا صاف کہہ رہا ہے کہ وہ احادیث موقوفہ کو غیر صحیح نہیں کہتے۔ پھر یہاں حدیث موقوف کیا کم ہے ولہذا مولانا علی قاری نے عبارت مذکورہ کے بعد فرمایا:۔

قلت واذا ثبت رفعه الى الصديق رضى الله تعالىٰ عنه فيكفى للعمل به

لقوله علیه الصلوة والسلام "علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین۔"

الاسرار المرفوعه فی الاخبار الموضوعه۔ موضوعات کبیر ص ۲۱۰

یعنی صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس فعل کا ثبوت عمل کو بس ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں "میں تم پر لازم کرتا ہوں اپنی سنت اور اپنے خلفاء راشدین کی سنت" رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

اس کے بعد افادات کا سلسلہ شروع فرمایا جو تیس کے عدد پہ جا کر رکا۔

افادۂ اول میں فرمایا:

"محدثین کا کسی حدیث کو فرمانا کہ صحیح نہیں اس کے یہ معنی نہیں ہوتے کہ غلط و باطل ہے" پھر اس دعوی پر دلائل قائم فرماتے ہوئے حلیہ شرح منیہ، صواعق محرقہ، اذکار امام نووی، موضوعات کبیر، جواہر العقدین، شرح مواہب، شرح صراط مستقیم اور مرقات کی تصریحات پیش فرمائیں اور پھر حدیث کے مراتب کی طرف اشارہ کیا۔

فرماتے ہیں:

صحیح کے بعد صحیح لغیرہ، پھر حسن لذاتہ، پھر حسن لغیرہ، پھر ضعیف بضعف قریب اس حد تک کہ صلاحیت اعتبار باقی رکھے۔ جیسے اختلاط راوی، یا سوء حفظ، یا تدلیس وغیرہا۔ اول کی تین بلکہ چاروں قسم کو ایک مذہب پر اسم ثبوت متناول ہے اور وہ سب محتج بہا ہیں اور آخر کی قسم صالح، متابعات وشواہد میں کام آتی ہے اور جابر سے قوت پا کر حسن لغیرہ بلکہ صحیح لغیرہ ہو جاتی ہے اس وقت وہ صلاحیت احتجاج اور قبول فی الاحکام کا زیور گرانبہا پہنتی ہے، ورنہ دربارۂ فضائل تو آپ ہی مقبول و تنہا کافی ہے۔ پھر درجۂ ششم میں ضعف قوی و وہن شدید ہے، جیسے راوی کے فسق وغیرہ قوادح قویہ کے سبب متروک ہونا بشرطیکہ ہنوز سرحد کذب سے جدائی ہو، یہ حدیث احکام میں احتجاج درکنار اعتبار کے بھی لائق نہیں، ہاں فضائل میں مذہب راجح پر مطلقا اور بعض کے طور پر بعد انجبار بتعدد مخارج وتنوع طرق منصب قبول وعمل پاتی ہے کما سنبینه ان شاء الله تعالیٰ (ان شاء اللہ عنقریب اس کی تفصیلات آرہی ہیں)۔

پھر درجہ ہفتم میں مرتبہ مطروح ہے جس کا مدار وضاع، کذاب یا متہم بالکذب ہو، یہ بدترین اقسام ہے بلکہ بعض محاورات کی رو سے مطلقا اور ایک اصطلاح پر اس کی نوع اشد یعنی جسکا مدار کذب پر ہو عین موضوع، یا نظر تدقیق میں یوں کہئے کہ ان اطلاقات پر داخل موضوع حکمی ہے، ان سب کے بعد درجہ موضوع کا ہے، یہ بالاجماع نہ قابل انجبار نہ فضائل وغیرہ کسی باب میں لائق اعتبار بلکہ اسے حدیث کہنا ہی توسع وتجوز ہے، حقیقۃً حدیث نہیں، محض مجہول وافتراء ہے والعیاذ باللہ تبارك وتعالیٰ۔

طالب تحقیق ان چند حرفوں کو یاد رکھے کہ باوصف وجازت محصل وملخص علم کثیر ہیں اور شاید اس تحریر نفیس کے ساتھ ان سطور کے غیر میں کم ملیں، وللہ الحمد والمنۃ۔

یہ مختصر جملے بلا شبہ اپنے دامن میں کثیر اور اہم معانی ومفاہیم لئے ہوئے ہیں جسکی شرح و بسط کیلئے دفتر درکار، یہ ہمارے امام کی خصوصیات سے ہے کہ الفاظ کم سے کم ہوتے ہیں مگر معانی کا سمندر موجزن ہوتا ہے۔

امام احمد رضا محدث بریلوی نے ہر حیثیت سے اصولی بحث فرمائی ہے اور حق تحقیق ادا کردیا ہے۔ راوی کی جہالت سے حدیث پر کیا اثر پڑتا ہے اور مجہول کی کتنی قسمیں ہیں۔ پھر ہر ایک کے جداگانہ احکام اور ہر حکم واثر کی متعلقہ کتب سے تحقیق وتدقیق، نیز حدیث منقطع کی وضاحت میں علماء اعلام کے اقوال سے تائید، مضطرب منکر اور مدرج کا مقام وحیثیت، راوی کے مبہم ہونیکا اثر، اسباب طعن کی تعداد وشمار اور ان میں سبب غفلت کی حیثیت، متروک راوی کا مقام، یہ تمام باتیں نہایت تحقیق سے بیان فرمائیں، جنکا خلاصہ یہ ہے کہ حدیث ان میں سے کسی وجہ کے سبب موضوع نہیں ہوتی۔ پھر آپ نے ان پندرہ وجوہ کی نشاندھی فرمائی جن کے سبب حدیث موضوع ہوجاتی ہے، بیان ایسا جامع کہ دوسری کتب میں اس کی نظیر نہ ملے۔

خود فرماتے ہیں:

یہ پندرہ باتیں ہیں کہ اس جمع وتلخیص کے ساتھ ان سطور کے سوا نہ ملیں گی۔ غرض کہ ہر افادہ میں نہایت نفیس اور معرکۃ الآراء بحث ہے جس کی سطر سطر امام احمد رضا محدث بریلوی کی

فن حدیث میں مہارت تامہ کی روشن دلیل ہے، پوری کتاب اصول حدیث کا بحر ذخار ہے جس کا ہرافادہ پھوٹتا ہوا آبشار ہے، من شاء التفصیل فلیرجع الیہ ۔

# راویان حدیث پر جرح وتعدیل

راویان حدیث پر جرح وتعدیل اور مخالفین کے مدعا کا ابطال امام احمد رضا کے قلم سے ملاحظہ کریں، اس حیثیت سے جب رضویات کا مطالعہ کیا جائے تو کثیر مثالیں موجود ہیں، ان میں سے چند ملاحظہ فرمائیں۔

جمعہ کے دن اذان ثانی کہاں ہو؟ امام احمد رضا محدث بریلوی نے فتوی دیا کہ اذان مطلقا اندورن مسجد مکروہ ہے۔ لہذا اذان اول ہو یا ثانی بیرون مسجد ہی ہوگی، اس کے ثبوت میں خاص اسی اذان کے بارے میں ایک حدیث ابوداؤد سے نقل فرمائی کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے مبارک زمانے میں یہ اذان خارج مسجد ہوتی تھی اور صدیق اکبر اور فاروق اعظم کے دور خلافت میں بھی ایسا ہی عمل رہا۔

امام احمد رضا کے اس فتوی کو رد کرتے ہوئے بعض حضرات نے حدیث ہی کو ساقط الاعتبار قرار دیدیا کہ اس کی سند میں محمد ابن اسحٰق ہیں جن پر رافضی ہونے کی تہمت ہے لہذا حدیث معتبر نہیں۔

اب امام احمد رضا قدس سرہ نے مخالفین کی دہن دوزی کیلئے ایک معرکۃ الآراء کتاب "شمائم العنبر فی آداب النداء امام المنبر "نام سے عربی زبان میں تصنیف فرمائی اور اس موضوع پر بحث آخری حد کو پہونچادی۔ محمد ابن اسحٰق پر جو جرح کی گئی تھی اس کی دھجیاں اڑادیں اور انکی تعدیل وتوثیق میں تحقیقات کے ایسے دریا بہائے جو اپنی مثال آپ ہیں، سنئے اور امام احمد رضا کی راویان حدیث پر عمیق نگاہ کا اندازہ لگائیے۔

اس حدیث کے راوی محمد ابن اسحٰق قابل بھروسہ نہایت سچے اور امام ہیں ان کے بارے میں

☆ امام شعبی، محدث ابوزرعہ اور ابن حجر نے فرمایا: ''صدوق'' یہ بہت سچے ہیں۔

☆ امام عبدالوہاب ابن مبارک فرماتے ہیں: ''ہم نے انہیں ''صدوق'' پایا ہم نے انہیں '' صدوق'' پایا، ہم نے انہیں ''صدوق'' پایا۔''

☆ امام عبداللہ ابن مبارک، امام شعبہ، سفیانین ثوری وابن عیینہ اور امام ابویوسف نے ان سے کتاب الخراج میں بہت زیادہ روایتیں کی ہیں اور انکی شاگردی اختیار کی۔

☆ امام ابوزرعہ دمشقی نے فرمایا:

''اجلہ علماء کا اجماع ان سے روایت کرنے پر قائم ہے اور آپ کو اہل علم نے آزمایا تو اہل صدق وخیر پایا۔''

☆ ابن عدی نے کہا:

''آپ کی روایت میں ائمہ ثقات کو کوئی اختلاف نہیں، آپ سے روایت کرنے میں کوئی حرج نہیں۔''

☆ امام علی ابن المدینی نے کہا:

کسی امام یا محدث کو ابن اسحاق پر جرح کرتے نہیں دیکھا''

☆ امام سفیان ابن عیینہ فرماتے ہیں:

میں ستر سال سے اوپر ابن اسحاق کی خدمت میں رہا، اہل مدینہ میں سے کسی نے ان پر اتہام نہیں رکھا، نہ ان پر تنقید کی۔

☆ امام معاذ نے فرمایا:

''ابن اسحٰق سب لوگوں سے زیادہ یادرکھنے والے تھے۔''

☆ امام ابواللیث نے فرمایا:

یزید بن حبیب سے روایت کرنے والوں میں ابن اسحاق سے زائد ثبت کوئی نہیں''

ابن یونس فرماتے ہیں کہ ابن یزید بن حبیب سے اکابر علماء مصر نے روایت کی، عمرو بن حارث، حیوۃ ابن شریح، سعید ابن ایوب اور خود لیث بن سعد یہ سب کے سب ثقہ اور ثبت ہیں اور

پانچویں، یحیی بن ایوب غافقی صدوق ہیں اور رجال شیخین میں سے ہیں۔ اور عبداللہ بن مہیہ صدوق اور حسن الحدیث ہیں۔ ان کے بارے میں اسی امر پر ائمہ رجال کی رائے مستقر ہوئی اور عبداللہ بن عیاش ہیں یہ دونوں مسلم کے راویوں میں سے ہیں، ان کے علاوہ سلیمان تیمی بصری، زید بن ابی انیسہ یہ دونوں حضرات ثقہ اور رواۃ صحیحین میں سے ہیں تو بقول امام ابواللیث ابن اسحٰق ان سب سے افضل ہوئے۔

☆ امام شعبہ نے فرمایا:

”میری حکومت ہوتی تو میں ابن اسحاق کو محدثین پر حاکم بناتا، یہ تو امیر المومنین فی الحدیث ہیں، ایک روایت میں ہے کہ کسی نے ان سے پوچھا، آپ ایسا کیوں کہتے ہیں تو حضرت شعبہ نے فرمایا ان کے حفظ کی وجہ سے، دوسری روایت میں ہے حدیث والوں میں اگر کوئی سردار ہوسکتا ہے تو وہ محمد ابن اسحٰق ہیں۔“

☆ علی ابن المدینی سے روایت ہے:

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حدیثیں چھ آدمیوں میں منحصر ہیں پھر ان سب کے نام گنوائیے اور فرمایا اس کے بعد بارہ آدمیوں میں دائر ہیں اور ابن اسحاق ان بارہ میں ہیں۔

☆ امام زہری فرماتے ہیں:

”مدینہ مجمع العلوم رہے گا، جب تک یہاں محمد بن سحاق قیام پذیر رہیں گے“ آپ غزوات کی روایتوں میں ابن اسحاق پر ہی بھروسہ کرتے تھے ہر چند کہ آپ حدیث میں انکے استاذ تھے بلکہ دنیا بھر کے شیخ تھے۔

☆ ابن اسحاق کے دوسرے استاذ عاصم بن عمر بن قتادہ نے فرمایا:

”جب تک ابن اسحاق زندہ ہیں، دنیا میں علوم باقی رہیں گے۔“

☆ عبداللہ بن قائد نے کہا:

”ہم ابن اسحاق کی مجلس میں ہوتے تو جس فن کا تذکرہ شروع کر دیتے اس دن مجلس اسی پر ختم ہو جاتی“

☆ ابن حبان ؒ نے کہا:

''مدینہ میں کوئی علمی مجلس، حدیث کی ہو یا دیگر علوم وفنون کی، ابن اسحاق کی مجلس کے ہمسر نہ ہوتی، اور خبروں کی حسن ترتیب میں یہ اور لوگوں سے آگے تھے۔''

☆ ابو یعلی جلیلی نے فرمایا:

''محمد بن اسحاق بہت بڑے عالم حدیث، روایت میں واسع العلم اور ثقہ تھے۔''

☆ یحیی ابن معین، یحیی ابن یحیی، علی ابن عبداللہ المدینی استاذ امام بخاری، احمد عجلی، اور محمد ابن سعد وغیرہ نے کہا:

''محمد ابن اسحاق ثقہ ہیں۔''

☆ حضرت ابن البرقی نے فرمایا:

''علم حدیث والوں میں محمد بن اسحاق کے ثقہ ہونے میں کوئی اختلاف نہیں اور انکی حدیث حسن ہے۔''

☆ حاکم نے ابو یحیٰ شیخ بخاری سے روایت کی کہ۔

''ابن اسحاق ہمارے نزدیک ثقہ ہیں۔''

☆ محقق علی الاطلاق نے فتح القدیر میں فرمایا:

''ابن اسحاق ثقہ ہیں، ثقہ ہیں، اس میں نہ ہمیں شبہ ہے، نہ محققین محدثین کو شبہ ہے۔
محمد اسحاق کی توثیق حق صریح ہے اور امام مالک سے ان کے بارے میں جو کلام مروی ہے وہ صحیح نہیں اور بر تقدیر صحت روایت انکے کلام کو کسی محدث نے تسلیم نہیں کیا۔''

اکیس محدثین کے اقوال سے محمد ابن اسحاق کی توثیق وتعدیل ہے اور وہ بھی نہایت زور دار الفاظ میں۔ اب بھی کیا کسی کو شبہ ہو سکتا ہے کہ یہ حدیث محمد بن اسحاق کے سبب ساقط الاعتبار ہے۔

☆ الحجۃ الموتمنہ میں ایک حدیث نقل فرمائی کہ مسجد میں ذمی کافر کا داخلہ جائز ہے یعنی ذمی کتابی کا۔

اس حدیث کی سند کو امام بدرالدین عینی نے جید کہا تھا حالانکہ تقریب التہذیب میں اس سند میں وارد "اشعث بن سوار" کو ضعیف بتایا گیا ہے۔

اس پر امام احمد رضا محدث بریلوی نے تنبیہ فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ اس حدیث کی سند ہمارے اصول پر جید ہے، ہمارے لئے جائز نہیں کہ محدثین کی خاطر اپنے اصول ترک کردیں چہ جائیکہ متاخرین علماء میں سے ایک شافعی عالم کے قول کے سبب۔ پھر اشعث بن سوار کی تعدیل وتوثیق میں فرمایا:

یہ امام شعبہ، امام ثوری اور یزید بن ہارون وغیرہم جیسے جلیل القدر ائمہ حدیث کے استاذ ہیں اور امام شعبہ کا روایت حدیث میں محتاط ہونا خوب معلوم ہے۔

اشعث کی جلالت شان کے پیش نظر ہی ان کے شیخ ابو اسحاق السبیعی نے ان سے روایت کی، حضرت سفیان ابن عیینہ کہتے ہیں کہ اشعث مجالد سے اثبت ہیں۔

ابن مہدی نے کہا: یہ مجالد سے ارفع ہیں اور مجالد صحیح مسلم کے رجال میں سے ہیں۔

ابن معین کہتے ہیں: مجھے اسمعیل بن مسلم سے زیادہ محبوب ہیں۔

امام عجلی کہتے ہیں: حدیث میں محمد بن سالم سے امثل ہیں۔

ابن معین کہتے ہیں: یہ ثقہ ہیں۔

عثمان بن ابی شیبہ کہتے ہیں: صدوق ہیں۔

ابن شاہین نے ان کو ثقات میں ذکر کیا ہے۔

ابن عدی کہتے ہیں: میں نے ان کی کسی حدیث کو منکر نہیں پایا۔

بزار کہتے ہیں: ہم کسی ایسے محدث کو نہیں جانتے جنہوں نے ان کی حدیث کو چھوڑا ہو ہاں بعض حضرات نے جو فن حدیث میں قلیل المعرفۃ ہیں۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ اشعث کے بارے میں یہ توثیق وتعدیل تو منقول ہے لیکن کوئی جرح مفسر مذکور نہیں، لہذا ان کی یہ حدیث حسن ہے۔

☆ مصافحہ کے سلسلہ میں حدیث نقل فرماکر نہایت نفیس تحقیق فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ

حدیث میں لفظ ''ید'' اگر چہ واحد ہے لیکن استعمال دونوں ہاتھ کیلئے شائع وذائع ہے تو اس حدیث کے ذریعہ ایک ہاتھ سے مصافحہ ہرگز ثابت نہیں۔

پھر فرماتے ہیں :

یہ اس وقت ہے کہ حدیث مذکور کو قابل احتجاج مان بھی لیں۔ ورنہ اگر نقد و تنقیح پر آیئے تو وہ ہرگز نہ صحیح ہے نہ حسن بلکہ ضعیف و منکر ہے۔ مدار اس کا حنظلہ بن عبداللہ سدوسی پر ہے اور حنظلہ محدثین کے نزدیک ضعیف ہے۔

امام یحیی بن سعید قطان نے کہا'' ترکتہ عمداً کان قد اختلط '' میں نے اس کو عمداً متروک کیا، صحیح الحواس نہ رہا تھا۔

امام احمد نے فرمایا: ضعیف منکر الحدیث ہے '' یحدث باعاجیب '' تعجب خیز روایتیں لاتا ہے۔

امام یحیی بن معین نے کہا:'' لیس بشیء تغیر فی اخر عمرہ '' کوئی چیز نہ تھا آخر عمر میں متغیر ہو گیا تھا۔

امام نسائی نے کہا:'' ضعیف '' ایک بار فرمایا ''لیس بقوی۔''

یہ تمام تفصیلات امام ذہبی نے میزان الاعتدال میں ذکر فرمائیں، یونہی امام ابو حاتم نے کہا قوی نہیں ہیں اور آخر میں خاتم الحفاظ امام ابن حجر عسقلانی نے تقریب میں اس کے ضعف پر جزم فرمایا۔

یہ ہے نقد رجال پر امام احمد رضا محدث بریلوی کی عمیق نگاہ کہ سات ائمہ حدیث کے اقوال سے حنظلہ سدوسی پر جرح مفسر و مبہم نقل فرمائی۔

☆ عمامہ باندھ کر نماز پڑھنے کی فضیلت کے بارے میں وارد حدیث جو حضرت سالم بن عبداللہ سے مروی ہے، اس پر امام احمد رضا نے فرمایا:

حق یہ کہ یہ حدیث موضوع نہیں، اس کی سند میں نہ کوئی وضاع ہے نہ متہم بالوضع، نہ کوئی کذاب ہے نہ متہم بالکذب، نہ اس میں عقل یا نقل کی اصلاً مخالفت، لاجرم اسے امام جلیل

خاتم الحفاظ، جلال الملت والدین السیوطی نے ''جامع صغیر'' میں ذکر فرمایا جس کے خطبہ میں ارشاد فرمایا: میں نے اس کتاب میں پوست چھوڑ کر خالص مغز لیا ہے اور اسے ہر ایسی حدیث سے بچایا ہے جسے تنہا کسی وضاع یا کذاب نے روایت کیا ہے۔

اس کے بعد ابن النجار کے حوالہ سے اس حدیث کی مکمل سند بیان فرمائی، جس میں چار راوی عباس بن کثیر، ابو بشر بن سیار، محمد بن مہدی مروزی اور مہدی بن میمون کے بارے میں خاتم الحفاظ حضرت علامہ ابن حجر عسقلانی کا قول نقل کیا کہ یہ مجہول ہیں اور اسی وجہ سے علامہ ابن حجر اس حدیث کو منکر بلکہ موضوع کہتے ہیں۔

اب امام احمد رضا محدث بریلوی کی باادب تنقید وتحقیق ملاحظہ فرمائیں جس کا خلاصہ کچھ اس طرح ہے۔

اللہ تعالیٰ حافظ ابن حجر پر رحم فرمائے کہ انہوں نے اس حدیث کو موضوع کیسے کہدیا جبکہ اس کی سند میں کوئی وضاع ہے نہ کوئی متہم بالوضع، نہ کوئی کذاب ہے نہ متہم بالکذب، نیز اس کا مفہوم بھی عقلاً وشرعاً محال نہیں، محض راوی کے مجہول ہونے سے حدیث موضوع نہیں ہو جاتی کہ فضائل میں بھی قابل استدلال نہ رہے۔

حالانکہ خود حافظ ابن حجر نے ''القول المسدد'' میں ایسی دو حدیثیں، جس کے راوی مجہول، مضطرب الحدیث، کثیر الخطاء، فاحش الوہم ہیں، یا غلط احادیث منسوب کرنے میں پیش پیش ہیں، ان کو موضوع نہیں کہا بلکہ یوں فرمایا کہ یہاں کوئی ایسی چیز نہیں جو ان احادیث کے موضوع ہونے کا فیصلہ کرے، بلکہ دوسری حدیث کے لئے تو یہ فرمایا کہ اس حدیث میں تو ایسا کوئی مضمون بھی نہیں جسے عقل وشرع محال قرار دیتی ہو، اور یہ احادیث باب فضائل کی ہیں لہذا مقبول۔

اب امام احمد رضا کا فیصلہ کن بیان ملاحظہ ہو:

''یہ ہی بات عمامہ والی حدیث میں کیوں نہیں کہی گئی حالانکہ یہ بھی باب فضائل سے ہے اور اس میں بھی کوئی بات ایسی نہیں جو شرعاً وعقلاً محال ہو بلکہ اس حدیث کے راویوں میں تو

اس طرح کی وجوہ طعن بھی منقول نہیں جو ابن حجر کی پیش کردہ ہیں۔"

غور فرمایئے، امام احمد رضا محدث بریلوی نے کیسی نقد تنقید فرمائی اور خود انہیں کے قول سے اپنے مدعا کا ثبوت فراہم کر دیا لیکن نہایت مودبانہ طور پر۔

☆ حالت سفر میں نماز ظہر وعصر اور مغرب وعشاء کو حقیقی طور پر جمع کرنا ہمارے یہاں عرفہ و مزدلفہ کے سوا جائز نہیں، غیر مقلدین کے شیخ الکل میاں نذیر حسین دہلوی نے معیار الحق نامی کتاب لکھ کر احناف کی مستدل احادیث صحاح کو رد کرنے کی ناکام کوشش کی تو امام احمد رضا نے حاجز البحرین نامی ایک عظیم کتاب تحریر فرما کر میاں جی کے مزعومات باطلہ کی دھجیاں اڑا دیں، اور دعوی محدثی کو خاک میں ملا دیا۔

پوری کتاب اسماء الرجال، جرح وتعدیل اور تحقیق وتنقیح کا عظیم شاہکار ہے، ملا جی کی اصول حدیث سے ناواقفی اور انکی حدیث دانی کے ڈھول کا پول ظاہر کرنے کیلئے امام احمد رضا نے چند لطائف تحریر فرمائے ہیں، ان میں سے فی الحال فقط تین ملاحظہ فرمائیں۔

لطیفہ۔(۱)

(ملا جی نے) امام طحاوی کی حدیث بطریق ابن جابر عن نافع پر بشر بن بکر سے طعن کیا ہے کہ وہ غریب الحدیث ہے، ایسی روایتیں لاتا ہے کہ سب کے خلاف، قالہ الحافظ فی التقریب۔

اقول:

اولاً: ذرا کچھ شرم کی ہوتی کہ بشر بن بکر رجال صحیح بخاری سے ہیں، صحیح حدیثیں رد کرنے بیٹھے تو اب بخاری بھی بالائے طاق ہے۔

ثانیاً: اس صریح خیانت کو دیکھئے کہ تقریب میں صاف صاف بشر کو ثقہ فرمایا تھا وہ ہضم کر گئے۔

ثالثاً: محدث جی! تقریب میں " ثقة یغرب " ہے، کسی ذی علم سے سیکھو کہ " فلان یغرب ، اور " فلان غریب الحدیث " میں کتنا فرق ہے۔

رابعاً: اغراب کی یہ تفسیر کہ ایسی روایتیں لاتا ہے کہ سب کے خلاف، محدث جی! غریب ومنکر کا فرق کسی طالب علم سے پڑھو۔

لطیفہ۔ (۲)

اقول: وہاں ایک ستم خوش ادائی یہ کی ہے کہ:

وہ تخمینا برابر ہونا ہی مع سایۂ اصلی کہ ہے نہ سایۂ اصلی الگ کر کے وہذا لا یخفی علی من لہ ادنی عقل (اور یہ ادنی سی عقل رکھنے والے پر بھی مخفی نہیں۔م) تو دراصل سایہ ٹیلوں کا بعد نکالنے سایۂ اصلی کے تخمینا آدھی مثل ہوگا یا کچھ زیادہ اور مثل کے ختم ہونے میں اتنی دیر ہوگی کہ بخوبی فارغ ہوئے ہونگے۔ (معیار الحق)

ملا جی! ذرا کچھ دنوں جنگل کی ہوا کھاؤ، ٹیلوں کی ہری ہری دوب، ٹھنڈے وقت کی سنہری دھوپ دیکھو کہ آنکھوں کے تیور ٹھکانے آئیں علماء تو فرما رہے ہیں کہ ٹیلوں کا سایہ پڑتا ہی نہیں جب تک آدھے سے زیادہ وقت ظہر نہ نکل جائے۔ ملا جی ان کے لئے ٹھیک دوپہر کا سایہ بنا رہے ہیں اور وہ بھی تھوڑا نہ بہت آدھی مثل جبھی تو کہتے ہیں کہ وہابی ہو کر آدمی کی عقل ٹیلوں کا سایۂ زوال ہو جاتی ہے۔

لطیفہ۔ (۳)

اقول:۔ اور بڑھ کر نزاکت فرمائی ہے کہ:۔

مساوات سایہ کے ٹیلوں کے مقدار میں مراد نہ ہو بلکہ ظہور میں یعنی پہلے سایہ جانب شرقی معدوم تھا اور مساوات نہ تھی ٹیلوں سے کیوں کہ وہ موجود تھے اور وقت اذان کے سایہ جانب شرقی بھی ظاہر ہو گیا پس برابر ہو گیا ٹیلوں کے ظاہر ہونے میں اور موجود ہونے میں نہ مقدار میں اس جواب کی قدر۔ (معیار الحق)

ملا جی اپنے ہی ایمان سے بتا دیں وقت ٹھنڈا فرمایا یہاں تک کہ ٹیلوں کا سایہ ان کے برابر آیا اس کے یہ معنی کہ ٹیلے بھی موجود تھے سایہ بھی موجود ہو گیا اگرچہ وہ دس گز ہوں یہ جو برابر۔ اے سبحٰن اللہ! اسے کیوں تحریف نصوص کہئے گا کہ یہ تو مطلب کی گھڑت ہے۔ ایسا لقب تو خاص

بے چارے حنفیہ کا خلعت ہے۔ ملاجی! اگر کوئی کہے کہ میں ملاجی کے پاس رہا یہاں تک کہ ان کی داڑھی بانس برابر ہوگئی تو اس کے معنی یہی ہوں گے نہ کہ ملاجی کا سبزہ آغاز ہوا کہ پہلے بانس موجود تھا اور ملاجی کی داڑھی معدوم، جب رُواں کچھ کچھ چمکا چمکتے ہی بانس برابر ہوگیا کہ اب بانس بھی موجود، بال بھی موجود۔ ع

مرغک از بیضہ بروں آید و دانہ طلبد

(مرغ جب انڈے سے باہر آتا ہے تو دانہ طلب کرتا ہے)

## ۵۔ مختلف روایات میں تطبیق

الامن والعلی میں بحوالۂ مشکوۃ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ایک حدیث نقل فرمائی۔

لاتقولوا ماشاء الله وشاء فلان ، ولكن قولوا ماشاء الله ثم شاء فلان ۔

نہ کہو جو چاہے اللہ اور چاہے فلاں۔ بلکہ یوں کہو جو چاہے اللہ پھر چاہے فلاں۔

اس حدیث کے ساتھ ایک منقطع روایت شرح السنۃ سے یوں مذکور ہے۔ لاتقولوا :ماشاء الله وماشاء محمد وقولواماشاء الله وحده ، نہ کہو جو چاہے اللہ اور محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، یوں کہو کہ جو چاہے ایک اللہ۔

اسی روایت منقطعہ کو نقل کر کے امام الوہابیہ نے تفویۃ الایمان میں لکھا تھا۔

یعنی جو کہ اللہ کی شان ہے اور اس میں کسی مخلوق کو دخل نہیں سو اس میں اللہ کے ساتھ کسی مخلوق کو نہ ملاوے گو کیسا ہی بڑا ہو۔ مثلا یوں نہ بولو کہ اللہ ورسول چاہے گا تو فلاں کام ہو جائے گا کہ سارا کاروبار جہان کا اللہ کے چاہنے سے ہوتا ہے رسول کے چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا۔ تفویہ

اب امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ کی اس پر مضبوط دلائل کے ساتھ گرفتیں ملاحظہ کریں۔

فرماتے ہیں:

ہم اس مطلب کی احادیث اول ذکر کریں پھر بتوفیقہ تعالیٰ ثابت کردکھائیں کہ یہ ہی حدیثیں اس (امام الوہابیہ) کے شرک کا کیسا سرتوڑتی ہیں۔

اسکے بعد امام احمد رضا محدث بریلوی نے چند احادیث ذکر فرمائی ہیں جومختصرا یوں ہیں۔

مسند احمد وسنن ابی داؤد میں مختصر اور سنن ابن ماجہ میں مطولا بسند حسن یوں ہے:

ان رجلا من المسلمین رائ فی النوم انه لقی رجلا من اهل الکتاب فقال: نعم القوم انتم لولا تشرکون، تقولون: ماشاء الله وشاء محمد صلی الله تعالیٰ علیه وسلم، وذکر ذلك للنبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم فقال: اما والله ان کنت لاعرفها لکم، قولوا: ماشاء الله ثم ماشاء محمدصلی الله تعالیٰ علیه وسلم۔

یعنی اہل اسلام سے کسی کوخواب میں ایک کتابی ملا، وہ بولا: تم بہت خوب لوگ ہواگر شرک نہ کرتے، تم کہتے ہو: جو چاہے اللہ اور چاہیں محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، ان مسلم نے یہ خواب حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کی: فرمایا: سنتے ہو! خدا کی قسم تمہاری اس بات پر مجھے بھی خیال گذرتا تھا، یوں کہا کرو: جو چاہے اللہ پھر جو چاہیں محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

سنن ابن ماجہ میں دوسری روایت ابن عباس سے یوں ہے:

اذاحلف احدکم فلایقل ماشاء الله وشئت، ولکن یقل ماشاء الله ثم شئت۔

جب تم میں کوئی شخص قسم کھائے تو یوں نہ کہے کہ جو چاہے اللہ اور میں چاہوں۔ہاں یوں کہے کہ جو چاہے اللہ پھر میں چاہوں۔

تیسری روایت ام المومنین سے بنحوہ ہے۔

چوتھی روایت مسند احمد میں طفیل بن سخبرہ سے اس طرح آئی۔ کہ مجھے خواب میں کچھ یہودی ملے، میں نے ان پر اعتراض کیا کہ تم حضرت عزیر علیہ الصلوۃ والسلام کو خدا کا بیٹا کیوں کہتے ہو۔انہوں نے جواب میں کہا: تم خاص کامل لوگ ہواگر یوں نہ کہو کہ جو چاہے اللہ اور چاہیں

محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ پھر کچھ نصاری ملے ان سے بھی اسی طرح کی گفتگو ہوئی۔ میں نے پورا خواب حضور کی خدمت میں عرض کیا، حضور نے اسکے بعد خطبہ دیا اور حمد وثنائے الٰہی کے بعد فرمایا:

انکم کنتم تقولون کلمة کان یمنعنی الحیاء منکم ان انھا کم عنھا ، لاتقولوا ماشاء الله وماشاء محمد ۔

تم لوگ ایک بات کہا کرتے تھے، مجھے تمہارا لحاظ روکتا تھا کہ تمہیں اس سے منع کردوں ،یوں نہ کہو جو چاہے اللہ اور جو چاہیں محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

سنن نسائی میں قتیلہ بنت صیفی سے روایت ہے:

ان یھودیا اتی النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم فقال انکم تندون وانکم تشرکون ، تقولون : ماشاء الله وشئت ، وتقولون والکعبة فامرھم النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم اذاارادوا ان یحلفوا ان یقولوا: ورب الکعبة، ویقول احد: ماشاء الله ثم شئت ۔

ایک یہودی نے خدمت اقدس حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں حاضر ہوکر عرض کی: بیشک تم لوگ اللہ کا برابر والا ٹھہراتے ہو، بیشک تم لوگ شرک کرتے ہو، یوں کہتے ہو کہ جو چاہے اللہ اور جو چاہو تم ،اور کعبہ کی قسم کھاتے ہو۔ اس پر سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو حکم فرمایا قسم کھانا چاہیں تو یوں کہیں :رب کعبہ کی قسم ،اور کہنے والا یوں کہے جو چاہے اللہ پھر چاہو تم۔

مسند احمد میں روایت یوں آئی کہ

یہود کے ایک عالم نے خدمت اقدس حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں حاضر ہوکر عرض کی۔اے محمد آپ بہت عمدہ لوگ ہیں اگر شرک نہ کریں ،فرمایا: سبحان اللہ، یہ کیا؟ کہا: آپ کعبہ کی قسم کھاتے ہیں۔ اس پر سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کچھ مہلت دی یعنی ایک مدت تک کچھ ممانعت نہ فرمائی، پھر فرمایا: یہودی نے ایسا کہا تھا،تو اب جو قسم کھائے وہ رب کعبہ کی قسم کھائے۔

دوسری روایت میں اس طرح آیا:

یہودی نے کہا: اے محمد آپ بہت عمدہ لوگ ہیں اگر اللہ کے برابر والا نہ ٹھہرائیے۔

فرمایا: سبحان اللہ یہ کیا؟ کہا: آپ کہتے ہیں: جو چاہے اللہ اور چاہو تم۔ اس پر سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک مہلت تک کچھ نہ فرمایا بعدہ فرمادیا۔ اس یہودی نے ایسا کہا ہے تو اب جو کہے کہ جو چاہے اللہ تعالیٰ تو دوسرے کے چاہنے کو جدا کر کے کہے کہ پھر چاہو تم۔

ان تمام روایات کو نقل کر کے محدث بریلوی فرماتے ہیں:

امام الوہابیہ نے ان سب کو بالائے طاق رکھ کر شرح السنۃ کی ایک روایت منقطع دکھائی اور بحمد اللہ اس میں بھی کہیں اپنے حکم شرک کی بو نہ پائی۔ اب بحمد اللہ ملاحظہ کیجئے کہ یہ ہی حدیثیں اس کے دعویٰ شرک کو کس کس طرح جہنم رسید کرتی ہیں۔

اولاً: احادیث سے ثابت کہ صحابہ کرام کے درمیان یہ جملہ کہ ''اللہ ورسول چاہیں تو یہ کام ہو جائے یا اللہ اور تم چاہو تو ایسا ہوگا'' شائع وذائع تھا۔ حضور اس پر مطلع تھے بلکہ عالم یہود کے ظاہر الفاظ تو یہ ہیں کہ خود حضور بھی ایسا فرماتے تھے اور امام الوہابیہ اس کو شرک کہتا ہے۔ معاذ اللہ تو اس کے نزدیک سب مشرک ہوئے۔

ثانیاً: حدیث طفیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں تو یہ بھی ہے کہ حضور نے فرمایا: اس لفظ کا خیال مجھے بھی گذرتا تھا مگر تمہارے لحاظ سے منع نہ کرتا تھا، تو معاذ اللہ امام الوہابیہ کے نزدیک حضور نے دانستہ شرک کو گوارہ فرمایا اور صحابہ کے لحاظ پاس کو اس میں دخل دیا۔

ثالثاً: گویا یہودی کے قول سے ممانعت ہوئی اور یچی توحید اس مشرک نے سکھائی۔

رابعاً: قتیلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث سے تو یہ بھی ثابت کہ ایک عرصہ تک حضور نے ممانعت نہ فرمائی اور پھر خیال آیا۔

خامساً: ان سب کے باوجود حضور نے جو تعلیم دی وہ یہ تھی کہ (اور) نہ کہا کرو بلکہ (پھر) کہا کرو۔ یعنی شرک سے بچنے کی تعلیم ایسی دی کہ پھر بھی وہ شرک ہی ٹھہری۔ معاذ اللہ۔

ان تمام مواخذوں کے بعد معارضہ قائم کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

مسلمانو! للہ انصاف، جو بات خاص شان الٰہی عزوجل ہے اور جس میں کسی مخلوق کو کچھ دخل نہیں اس میں دوسرے کو خدا کے ساتھ "اور" کہکر ملایا تو کیا اور "پھر" کہکر ملایا تو کیا۔ شرک سے کیونکر نجات ہو جائے گی۔ مثلاً

زمین وآسمان کا خالق ہونا، اپنی ذاتی قدرت سے تمام اولین وآخرین کا رازق ہونا خاص خدا کی شانیں ہیں۔ کہ اگر کوئی یونہی کہے کہ اللہ و رسول خالق السموات والارض ہیں، اللہ و رسول اپنی ذاتی قدرت سے رازق عالم ہیں، جبھی شرک ہوگا؟

اور اگر کہے کہ اللہ پھر رسول خالق السموات والارض ہیں، اللہ پھر رسول اپنی ذاتی قدرت سے رازق جہاں ہیں تو شرک نہ ہوگا۔

مسلمانو! گمرہوں کے امتحان کے لئے ان کے سامنے یونہی کہہ دیکھو کہ اللہ پھر رسول عالم الغیب ہیں، اللہ کے رسول ہماری مشکلیں کھولدیں، دیکھو تو یہ حکم شرک جڑتے ہیں یا نہیں۔ اسی لئے تو عیار مشکوۃ کی اس حدیث متصل صحیح ابی داؤد کی میر بحری بچا گیا تھا جس میں لفظ 'پھر' کے ساتھ اجازت ارشاد ہوتی تھی۔ تو ثابت ہوا کہ اس مردک کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہودی کا اعتراض پاکر بھی جو تبدیلی کی وہ خود شرک کی شرک ہی رہی۔

یہ تو ان (امام الوہابیہ اور اسکے اذیال واذناب) کے طور پر نتیجہ احادیث تھا، ہم اہل حق کے طور پر پوچھو تو۔

اقول وباللہ التوفیق: بحمد اللہ تعالیٰ نہ صحابہ نے شرک کیا اور نہ معاذ اللہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شرک سنکر گوارہ فرمایا، کسی کے لحاظ پاس کو کام میں لانا ممکن تھا نہ یہودی مردک تعلیم توحید کر سکتا تھا، بلکہ حقیقت امر یہ ہے کہ مشیت حقیقیہ ذاتیہ مستقلہ اللہ عزوجل کے لئے خاص ہے، اور مشیت عطائیہ تابعہ لمشیۃ اللہ تعالیٰ، اللہ تعالیٰ نے اپنے عباد کو عطا کی ہے، مشیت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کائنات میں جیسا کچھ دخل عظیم بعطائے رب جلیل وکریم جل جلالہ ہے وہ ان تقریرات جلیلہ سے کہ ہم نے زیر حدیث ۱۲۶ر (حضرت علی کیلئے سورج پلٹانا) ذکر کیں واضح وآشکار ہے۔

جب اس یہودی خبیث نے جس کے خیالات امام الوہابیہ کے مثل تھے اعتراض کیا اور معاذ اللہ شرک کا الزام دیا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رائے کریم کا زیادہ رجحان اسی طرف ہوا کہ ایسے لفظ کو جس میں احمق بدعقل مخالف جائے طعن جانے دوسرے سہل لفظ سے بدل دیا جائے کہ صحابہ کرام کا مطلب تبرک وتوسل برقرار رہے اور مخالف کج فہم کو گنجائش نہ ملے مگر یہ بات طرز عبارت کے ایک گونہ آداب ... معنی تو قطعاً صحیح تھی لہذا اس کافر کے بکنے کے بعد بھی چنداں لحاظ نہ فرمایا گیا یہاں تک کہ طفیل بن سخبرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وہ خواب دیکھا اور رویائے صادقہ القائے ملک ہوتا ہے اب اس خیال کی زیادہ تقویت ہوئی اور ظاہر ہوا کہ بارگاہ عزت میں یہی ٹھہرا ہے کہ یہ لفظ مخالفوں کا جائے طعن ہے بدل دیا جائے جس طرح رب العزت جل جلالہ نے راعنا کہنے سے منع فرمایا تھا کہ یہود عنود اسے اپنے مقصد مردود کا ذریعہ کرتے ہیں اور اسکی جگہ انظرنا کہنے کا ارشاد ہوا تھا ولہذا خواب میں کسی بندۂ صالح کو اعتراض کرتے نہ دیکھا کہ یوں تو بات فی نفسہ محل اعتراض ٹھہرتی بلکہ خواب بھی دیکھا تو انہیں یہود ونصاریٰ اور اس امام الوہابیہ کے خیالوں کو معترض دیکھا تاکہ ظاہر ہو کہ صرف دہن دوزی مخالفان کی مصلحت داعی تبدیل لفظ ہے۔ اب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خطبہ فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ یوں نہ کہو کہ اللہ ورسول چاہیں تو کام ہوگا بلکہ یوں کہو کہ اللہ پھر اللہ کا رسول چاہے تو کام ہوگا (پھر) کا لفظ کہنے سے وہ توہم مساوات کہ ان وہابی خیالات کے یہود ونصاریٰ یا یوں کہے کہ ان یہودی خیال کے وہابیوں کو گزرتا ہے باقی نہ رہے گا" الحمد لله علی تواتر الآئه والصلوة والسلام علی انبیائه "

اہل انصاف ودین ملاحظہ فرمائیں کہ یہ تقریر منیر کہ فیض قدیر سے قلب فقیر پر القاہوئی کیسی واضح ومستنیر ہے جس نے ان احادیث کو ایک مسلسل سلک گوہرین میں منظوم کیا اور تمام مدارج ومراتب بحمد اللہ تعالیٰ نورانی نقشہ کھینچ دیا الحمد للہ کہ یہ حدیث فہمی ہم اہل سنت ہی کا حصہ ہے وہابیہ وغیرہم بدمذہبوں کو اس سے کیا علاقہ ہے" ذلك فضل الله یؤتیه من یشاء والله ذوالفضل العظیم ،والحمد لله رب العلمین ـ الامن والعلی ۲۲۱

فتاوی رضویہ جلد چہارم ص ۶۹ پر نجاشی شاہ حبشہ کی غائبانہ نماز جنازہ سے متعلق ایک حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت فرمائی جسکو صحاح ستہ کے حوالہ سے نقل فرمایا۔ حدیث یہ ہے:

ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و سلم نعی لھم النجاشی صاحب الحبشۃ فی الیوم الذی مات فیہ وقال: استغفروا لاخیکم وصف بھم فی المصلی فصلی علیہ و کبر علیھم اربعا۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شاہ حبشہ حضرت نجاشی کے انتقال کی خبر اسی دن سنائی جس دن ان کا وصال ہوا، فرمایا: اپنے دینی بھائی کیلئے مغفرت کی دعا کرو، پھر حضور نے ایسے میدان میں جہاں عموما عید کی نماز ہوتی تھی صف بندی فرمائی اور نماز جنازہ پڑھتے ہوئے چار تکبیریں کہیں۔

اس حدیث سے بعض حضرات غیر مقلدین نے غائبانہ نماز جنازہ اور اسکی تکرار کو جائز کہا تھا۔ امام احمد رضا محدث بریلوی نے ایسی تمام احادیث کو نقل فرما کر جواز اور عدم جواز کی روایات میں تطبیق وجمع بین الاحادیث کا نہایت شاندار نقشہ کھینچ دیا ہے۔ زمانۂ اقدس میں صدہا صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے دوسرے مواضع میں وفات پائی کبھی کسی حدیث صحیح صریح سے ثابت نہیں کہ حضور نے غائبانہ ان کے جنازہ کی نماز پڑھی ہو۔ کیا وہ محتاج رحمت والا نہ تھے؟ کیا معاذ اللہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ان پر یہ رحمت وشفقت نہ تھی؟ کیا ان کی قبور اپنی نماز پاک سے پرنور نہ کرنا چاہتے تھے؟ کیا جو مدینہ طیبہ میں مرتے انہیں کی قبور محتاج نور ہوتیں اور جگہ اس کی حاجت نہ تھی؟ یہ سب باتیں بداہۃ باطل ہیں تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا عام طور پر ان کی نماز جنازہ نہ پڑھنا ہی دلیل روشن وواضح ہے کہ جنازہ غائب پر نماز ناممکن تھی ورنہ ضرور پڑھتے کہ مقتضی بکمال وفور موجود اور مانع مفقود، لاجرم نہ پڑھنا قصداً باز رہنا تھا، اور جس امر سے مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بے عذر مانع بالقصد احتراز فرمائیں وہ ضرور امر شرعی ومشروع نہیں ہوسکتا۔

فرماتے ہیں:

دوسرے شہر کی میت پر صلاۃ کا ذکر صرف تین واقعوں میں روایت کیا جاتا ہے۔ایک یہ ہی واقعہ نجاشی ، دوسرا واقعہ معاویہ لیثی ، تیسرا واقعہ امرائے معرکہ موتہ۔

**واقعہ اولیٰ:** اس واقعہ کی ایک روایت گذری ، دوسری روایات مسند احمد وغیرہ میں حضرت عمران بن حصین سے یوں ہیں کہ۔

ہم نے حضور کے پیچھے نماز پڑھی اور ہم یہ ہی اعتقاد کرتے تھے کہ حضرت نجاشی کا جنازہ ہمارے آگے موجود ہے۔

حضرت ابن عباس کی روایت میں یوں آیا کہ

حضرت نجاشی کا جنازہ حضور کے لئے ظاہر کردیا گیا، حضور نے اسکو دیکھا اور اس پر نماز پڑھی۔

حضرت حذیفہ بن اسید کی روایت اس طرح آئی کہ

حضور نے حبشہ کی جانب منہ کرکے چار تکبیریں کہیں۔

**واقعہ ثانیہ:** حضرت معاویہ لیثی نے مدینہ طیبہ میں انتقال کیا، حضور نے تبوک میں ان پر نماز جنازہ پڑھی۔حدیث اس طرح ہے۔

حضرت ابو امامہ باہلی فرماتے ہیں:

ان جبرئیل علیه السلام اتی النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم فقال : مات معاویة فی المدینة اتحب ان اطوی لك الارض فرفع له سریره فصل علیه و خلفه صفان من الملائكة كل صف سبعون الف ملك۔

حضرت جبرئیل علیہ السلام نے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کی: یارسول اللہ! معاویہ بن معاویہ مزنی نے مدینہ میں انتقال کیا، تو کیا حضور چاہتے ہیں کہ میں حضور کیلئے زمین لپیٹ دوں تاکہ حضور ان پر نماز پڑھیں، فرمایا: ہاں جبرئیل نے اپنا پر زمین پر مارا، جنازہ حضور کے سامنے آگیا، اس وقت حضور نے ان پر نماز پڑھی، فرشتوں کی

دو صفیں حضور کے پیچھے تھیں ہر صف میں ستر ہزار فرشتے تھے۔

دوسری روایت میں اتنا اور زائد ہے کہ حضرت ابو امامہ نے فرمایا، یہانتک کہ ہم نے مکہ مدینہ کو دیکھا۔

اسی طرح حضرت انس کی روایت میں بھی ہے۔

**واقعہ سوم:** جنگ موتہ میں حضور نے حضرت زید بن حارثہ کو امیر لشکر بنا کر بھیجا اور فرمایا اگر یہ شہید ہو جائیں تو جعفر طیار امیر ہونگے، اور یہ بھی شہادت سے سرفراز ہوں تو عبداللہ بن رواحہ، اور یہ بھی جام شہادت پی لیں تو تم لوگ جسکو چاہو اپنا امیر چن لینا۔ جب جنگ شروع ہوئی تو حضور کے فرمانے کے مطابق ہوا۔ حدیث مختصراً یوں ہے اور اسکے راوی عاصم بن عمر بن قتادہ اور عبداللہ بن ابی بکر ہیں۔

لما التقی الناس بموته جلس رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم علی المنبر و کشف له مابینه ومابین الشام فهو ینظر الی معرکتهم فقال صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: اخذ الرایة زیدبن حارثة فمضی حتی استشهدفصلی علیه رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم ودعاله وقال: استغفروا له وقد دخل الجنة وهو یسعی ثم اخذ الرایة جعفر بن ابی طالبفمضی حتی استشهد فصلی علیه رسول الله ﷺ ودعا له وقال استغفروا له وقد دخل الجنة فهو یطیر فیها بجناحین حیث شاء۔

جب مقام موتہ میں لڑائی شروع ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم منبر پر تشریف فرما ہوئے، اللہ عزوجل نے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیلئے پردے اٹھا دیئے کہ ملک شام اور وہ معرکہ حضور دیکھ رہے تھے، اتنے میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: زید بن حارثہ نے نشان اٹھایا اور لڑتا رہا یہانتک کہ شہید ہوا۔ حضور نے انہیں اپنی صلوۃ ودعا سے مشرف فرمایا اور صحابہ سے ارشاد ہوا اسکے لئے استغفار کرو، بیشک وہ دوڑتا ہوا جنت میں داخل ہوا۔ حضور نے پھر فرمایا: جعفر بن ابی طالب نے نشان اٹھایا اور لڑتا رہا یہانتک کہ شہید ہوا، حضور نے انکو بھی اپنی صلاۃ ودعا سے مشرف فرمایا۔ اور صحابہ کو ارشاد ہوا کہ اسکے لئے استغفار کرو، وہ جنت

میں داخل ہوا اس میں جہاں چاہے اپنے پروں سے اڑتا پھرتا ہے۔

ان تینوں واقعات سے متعلق امام احمد رضا محدث بریلوی کی جو تحقیقات ہیں وہ اپنی مثال آپ ہیں، لکھتے ہیں:

ان میں اول اور دوم بلکہ سوم کا بھی جنازہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سامنے حاضر تھا تو نماز غائب پر نہ ہوئی بلکہ حاضر پر۔ اور دوم سوم کی سند صحیح نہیں اور سوم صلاۃ بمعنی نماز میں صریح نہیں۔ ان کی تفصیل بعونہ تعالیٰ ابھی آتی ہے۔ اگر فرض ہی کر لیجئے کہ ان تینوں واقعوں میں نماز پڑھی تو باوصف حضور کے اس اہتمام عظیم وموفور اور تمام اموات کے اس حاجت شدیدہ رحمت ونور قبور کے صدہا پر کیوں نہ پڑھی وہ بھی محتاج حضور وحاجتمند رحمت ونور اور حضور ان پر بھی رؤف ورحیم تھے۔ نماز سب پر فرض عین نہ ہونا اس اہتمام عظیم کا جواب نہ ہوگا۔ نہ تمام اموات کی اس حاجت شدیدہ کا علاج۔ حالانکہ حریص علیکم انکی شان ہے۔ دوایک کی دستگیری فرمانا اور صدہا کو چھوڑنا کب انکے کرم کے شایان ہے۔ ان حالات واشارات کے ملاحظہ سے عام طور پر ترک اور صرف دوایک بار وقوع خود ہی بتادے گا کہ وہاں کوئی خصوصیت خاصہ تھی جس کا حکم عام نہیں ہوسکتا۔ حکم عام وہی عدم جواز ہے جس کی بنا پر عام احتراز ہے۔

اب واقعہ بیر معونہ ہی دیکھئے مدینہ طیبہ کے ستر جگر پاروں محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خاص پیاروں اجلۂ علمائے کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو کفار نے دغا سے شہید کردیا۔ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ان کا سخت وشدید غم والم ہوا۔ ایک مہینہ کامل خاص نماز کے اندر کفار نابنجار پر لعنت فرماتے رہے مگر ہرگز منقول نہیں کہ ان پیارے محبوبوں پر نماز پڑھی ہو۔ ع آخر ایں ترک واں مرتبہ بے چیزے نیست۔ اہل انصاف کے نزدیک کلام تو اسی قدر سے تمام ہوا مگر ہم ان وقائع ثلثہ کا بھی باذنہ تعالیٰ تصفیہ کریں۔

واقعہ اولیٰ سے متعلق لکھتے ہیں:

اولاً: کہ پہلی دونوں روایتیں (ابو ہریرہ وعمران بن حصین) کی اس حدیث مرسل اصولی کی عاضد قوی ہیں جسکو امام واحدی نے اسباب نزول قرآن میں حضرت ابن عباس سے نقل کیا

کہ۔

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیلئے نجاشی کا جنازہ ظاہر کردیا گیا تھا، حضور نے اسے دیکھا اور اس پر نماز پڑھی،

ان تینوں روایتوں سے ثابت ہوا کہ حضرت اصحمہ نجاشی پر نماز جنازہ غائبانہ نہیں تھی بلکہ جنازہ سامنے موجود تھا۔

ثانیاً: جب متعدد روایتوں سے ثابت ہوگیا کہ نماز حاضر پڑھی تو مستدل کے خلاف احتمال بدلیل ہوا، لہذا فرماتے ہیں:

بلکہ جب تم مستدل ہو ہمیں احتمال کافی نہ کہ جب خود باسانید صحیحہ ثابت ہے۔ امام قسطلانی نے مواہب شریف میں یہ جواب نقل کیا اور مقرر رکھا۔

کسی نے ابو ہریرہ اور عمران بن حصین کی روایات پر یوں معارضہ قائم کیا تھا کہ مجمع بن جاریہ کی روایت میں تو یہ ہے کہ "ومانری شیئا، ہم کچھ نہ دیکھ رہے تھے، رواہ الطبرانی۔ اسکا جواب آپ نے اس طرح دیا۔

اس روایت میں حمران بن اعین رافضی ضعیف ہے علاوہ ازیں ہر راوی نے اپنا حال بیان کیا لہذا کوئی تعارض نہیں۔ ورنہ پہلی صف کے علاوہ کسی کی نماز ہی صحیح نہ ہو۔

ثالثاً: حضرت نجاشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتقال دارالکفر میں ہوا وہاں ان پر نماز نہ ہوئی تھی، لہذا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہاں پڑھی، اسی بناپر امام ابوداؤد نے اپنی سنن میں اس حدیث کیلئے یہ باب وضع کیا۔

الصلوۃ علی مسلم یلیہ اھل الشرك فی بلدآخر

دوسرے شہر میں ایسے مسلم کی نماز جنازہ جس کے قریب صرف اہل شرک ہیں۔

اس پر حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں کہا:

یہ احتمال تو ہے مگر کسی حدیث میں یہ اطلاع میں نے نہ پائی کہ نجاشی کے اہل شہر میں سے کسی نے ان کی نماز جنازہ نہ پڑھی۔

علامہ زرقانی نے لکھا:

یہ الزام دونوں طرف سے مشترکہ ہے، کیوں کہ کسی حدیث میں یہ بھی مروی نہیں کہ ان کے اہل شہر میں سے کسی نے ان کی نماز جنازہ پڑھی تھی۔

امام ابوداؤد نے اسی پر جزم کیا جب کہ وسعت حفظ میں ان کا مقام معلوم ہے۔

اس پر امام احمد رضا فرماتے ہیں:

یہ احتمال مان کر علامہ زرقانی نے ہمارا بوجھ خود ہی اتار دیا ہے۔

رابعاً: بعض (منافقین) کو ان کے اسلام میں شبہ تھا یہاں تک کہ بعض نے کہا: حبشہ کے ایک کافر پر نماز پڑھی۔ لہذا اس نماز سے مقصود ان کی اشاعت اسلام تھی کہ (بیان بالقول کے مقابل) بیان بالفعل اقوی ہے۔ لہذا مصلی میں تشریف لے گئے کہ جماعت کثیر ہو۔

ان تمام جوابات کا خلاصہ یہ ہوا کہ نجاشی کی نماز جنازہ ان خصوصیات کی بنا پر پڑھی گئی جس سے حکم عام ثابت نہیں ہوسکتا۔ حکم عام وہی عدم جواز ہے جس کی بنا پر عام احتراز ہے۔

یہاں غیر مقلدین کے بھوپالی امام نواب صدیق حسن خاں کی ایک عجوبۂ روزگار تحقیق پر تنبیہ فرماتے ہوئے لکھتے ہیں۔

غیر مقلدین کے بھوپالی امام نے عون الباری میں حدیث نجاشی کی نسبت کہا۔ اس سے ثابت ہوا کہ غائب پر نماز جائز ہے اگر چہ جنازہ غیر جہت میں ہو اور نمازی قبلہ رو۔

اقول یہ اس مدعی اجتہاد کی کورانہ تقلید اور اس کے ادعا پر مثبت جہل شدید ہے۔ نجاشی کا جنازہ حبشہ میں تھا اور حبشہ مدینہ طیبہ سے جانب جنوب ہے اور مدینہ طیبہ کا قبلہ جنوب ہی کو ہے تو جنازہ غیر جہت قبلہ کو کب تھا۔

لاجرم لما نقل الحافظ فی الفتح قول ابن حبان انه انما یجوز ذلك لمن فی جهة القبلة ، قال حجته الجمود علی قصة النجاشی ۔

جب حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں ابن حبان کا یہ قول نقل کیا کہ صرف اسی غائب کی نماز جنازہ ہوسکتی ہے جو سمت قبلہ میں ہو تو اس پر یہ کہا کہ: ان کی دلیل واقعۂ نجاشی پر جمود ہے۔

تو ان مجتہد صاحب کا جہل قابل تماشا ہے۔ جن کو سمت قبلہ تک معلوم نہیں پھر نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ان کے جنازہ پر نماز ان کی غیر سمت پڑھنے کا ادعا دوسرا جہل ہے۔ حدیث میں تصریح ہے کہ حضور نے جانب حبشہ نماز پڑھی، رواہ الطبرانی عن حذیفة بن اسید رضی اللہ تعالیٰ عنہ (اسے طبرانی نے حذیفہ بن اسید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا)۔

☆ واقعہ دوم

اس واقعہ سے متعلق محدث بریلوی نے دو جواب دیئے ہیں۔

اولاً: ان تمام احادیث کو ائمہ حدیث عقیلی، ابن حبان، بیہقی، ابوعمر وابن عبدالبر، ابن جوزی، نووی، ذہبی، اور ابن الہمام وغیرہم نے ضعیف بتایا۔ پہلی دو حدیثوں کی سند میں بقیہ بن ولید مدلس ہے اور اس نے عنعنہ کیا۔ یعنی محمد بن زیاد سے اپنا سننا نہ بیان کیا بلکہ کہا۔ ابن زیاد سے روایت ہے۔ معلوم نہیں راوی کون ہے۔ بہ اعلہ المحقق فی الفتح۔

ذہبی نے کہا: یہ حدیث منکر ہے۔ نیز اسکی سند میں نوح بن عمر ہے۔

ابن حبان نے اسے اس حدیث کا چور بتایا۔ یعنی ایک سخت ضعیف شخص اسے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتا تھا۔ اس نے اس سے چرا کر بقیہ کے سر باندھی۔

تیسری حدیث کی سند میں محبوب بن ہلال مزنی ہے۔

ذہبی نے کہا: یہ شخص مجہول ہے اور اسکی یہ حدیث منکر ہے۔

چوتھی حدیث کی سند میں علاء بن یزید ثقفی ہے۔

امام نووی نے خلاصہ میں فرمایا: اسکے ضعیف ہونے پر تمام محدثین کا اتفاق ہے۔

امام بخاری وابن عدی اور ابوحاتم نے کہا: وہ منکر الحدیث ہے۔

ابوحاتم ودار قطنی نے کہا: متروک الحدیث ہے۔

امام علی بن مدینی استاذ امام بخاری نے کہا: وہ حدیثیں دل سے گڑھتا تھا۔

ابن حبان نے کہا: یہ حدیث بھی اسکی گڑھی ہوئی ہے۔ اس سے چرا کر ایک شامی نے بقیہ سے روایت کی۔

ابو الولید طیالسی نے کہا: علاء کذاب تھا۔

عقیلی نے کہا: علاء کے سوا جس جس نے یہ حدیث روایت کی سب علا ہی جیسے ہیں یا اس سے بھی بدتر۔

ابو عمرو بن عبد العزیز نے کہا: اس حدیث کی سب سندیں ضعیف ہیں۔ اور در بارۂ احکام اصلاً حجت نہیں۔ صحابہ میں کوئی شخص معاویہ بن معاویہ نام معلوم نہیں ابن حبان نے بھی یونہی فرمایا: کہ مجھے اس نام کے کوئی صاحب صحابہ میں یاد نہیں۔

ثانیاً: فرض کیجئے کہ یہ احادیث اپنے طرق سے ضعیف نہ رہیں۔ کما اختارہ الحافظ فی الفتح ۔ یا بالفرض غلط لذاتہ صحیح سہی۔ پھر اس میں کیا ہے۔ تو د اسی میں تصریح ہے۔ کہ جنازہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیش نظر انور کر دیا گیا تھا۔ تو نماز جنازہ حاضر پر ہوئی نہ کہ غائب پر۔ بلکہ طرز کلام مشیر ہے کہ نماز جنازہ پڑھنے کے لئے جنازہ سامنے ہونے کی حاجت سمجھی گئی۔ جبھی تو حضرت جبرئیل نے عرض کی: حضور نماز جنازہ پڑھنا چاہیں تو زمین لپیٹ دوں۔ تاکہ حضور نماز پڑھیں۔

وہابیہ کے امام شوکانی نے نیل الاوطار میں یہاں عجیب تماشا کیا۔

اولاً: استیعاب سے نقل کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے معاویہ بن معاویہ لیثی پر نماز پڑھی۔ پھر کہا: استیعاب میں اس قصہ کا مثل معاویہ بن مقرن کے حق میں ابوامامہ سے روایت کیا۔

پھر کہا: نیز اسکا مثل انس سے ترجمہ معاویہ میں بھی معاویہ مزنی روایت کیا۔

اس میں یہ وہم دلاتا ہے کہ گویا یہ تین صحابی جدا جدا ہیں جن پر نماز غائب مروی ہے۔ حالانکہ یہ محض جہل یا تجاہل ہے۔ وہ ایک ہی صحابی ہیں۔ معاویہ نام جنکے نسب و نسبت میں راویوں سے اضطراب واقع ہوا۔ کسی نے مزنی کہا کسی نے لیثی، کسی نے معاویہ بن معاویہ، کسی نے معاویہ بن مقرن۔

ابو عمرو نے معاویہ بن مقرن مزنی کو ترجیح دی کہ صحابہ میں معاویہ بن معاویہ کوئی معلوم

نہیں۔

حافظ نے اصابہ میں معاویہ بن معاویہ مزنی کو ترجیح۔اور لیثی کہنے کو علاء ثقفی کی خطا بتایا، اور معاویہ بن مقرن کو ایک صحابی مانا جن کے لئے یہ روایت نہیں۔

بہرحال صاحب قصہ شخص واحد ہیں اور شوکانی کا ایہام تثلیث محض باطل۔

ابن الاثیر نے اسد الغابہ میں فرمایا؛ معاویہ بن معاویہ مزنی ہیں۔انکو لیثی بھی کہا جاتا ہے اور معاویہ بن مقرن مزنی بھی۔ابو عمرو نے کہا: یہ ہی صواب سے نزدیک تر ہے۔پھر حدیث انس کے طریق اول سے پہلے طور پر نام ذکر کیا۔اور طریق دوم سے دوسرے طور پر، اور حدیث امامہ سے تیسرے طور پر۔

☆ واقعہ سوم

اس واقعہ کے پانچ جواب دیئے ہیں، پہلے دو الزامی اور باقی تین تحقیقی ہیں۔

اولاً: یہ حدیث دونوں طریق سے مرسل ہے۔عاصم بن عمر اوساط تابعین سے ہیں قتادہ بن نعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابی کے پوتے۔اور یہ عبد اللہ بن ابی بکر بن محمد بن حزم صغار تابعین سے ہیں۔عمرو بن حزم صحابی کے پرپوتے۔

ثانیاً: خود واقدی کو محدثین کب مانتے ہیں یہاں تک کہ ذہبی نے انکے متروک ہونے پر اجماع کیا۔

یہ دونوں جواب الزامی ہیں ورنہ ہم حدیث مرسل کو قبول کرتے ہیں اور امام واقدی کو ثقہ مانتے ہیں۔

ثالثاً: عبد اللہ بن ابی بکر سے راوی امام واقدی کے شیخ عبد الجبار بن عمارہ مجہول ہیں کما فی المیزان ۔ تو یہ مرسل نا معتضد ہے۔

رابعاً: خود اسی حدیث میں صاف تصریح ہے کہ پردے اٹھا دیئے گئے تھے۔معرکہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیش نظر تھا۔

لیکن یہاں یہ اعتراض کیا جا سکتا ہے کہ جنگ موتہ ملک شام میں بیت المقدس کے

قریب ۸ ھجری میں ہوئی۔ اور خانۂ کعبہ ۲ ھجری میں قبلہ قرار پا چکا تھا۔ اور نماز جنازہ کے لئے صرف رؤیت کافی نہیں بلکہ جنازہ نمازی کے سامنے ہو۔

تو اسکا جواب یہ ہے کہ ہمارا مقصود 'رابعاً' سے غائبانہ نماز جنازہ پڑھنے والوں کا رد ہے اور وہ اتنی ہی بات سے ہو گیا کہ حدیث میں یہ ہے کہ پردے اٹھا دیئے گئے تھے۔

خامساً: کیا دلیل ہے کہ یہاں صلاۃ بمعنی نماز معہود ہے بلکہ بمعنی درود ہے اور 'دعا لہ' عطف تفسیری نہیں بلکہ تعمیم بعد تخصیص ہے۔ اور سوق روایت اسی میں ظاہر کہ حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اس وقت منبر اطہر پر تشریف فرما ہونا مذکور اور منبر انور دیوار قبلہ کے پاس تھا اور معتاد یہی کہ منبر اطہر پر رو بحاضرین و پشت بقبلہ جلوس ہو اور اس روایت میں نماز کے لئے منبر سے اترنے پھر تشریف لیجانے کا کہیں ذکر نہیں۔ نیز بر حالت نجاشی اس میں نماز صحابہ بھی نہیں۔ نہ یہ کہ حضور نے ان کو نماز جنازہ کے لئے فرمایا۔ اگر یہ نماز تھی تو صحابہ کو شریک نہ فرمانے کی کیا وجہ۔ نیز اس معرکہ میں تیسری شہادت حضرت عبداللہ بن رواحہ کی ہے ان پر صلاۃ کا ذکر نہیں۔ اگر نماز ہوتی تو ان پر بھی ہوتی۔

ہاں درود کی ان دو کے لئے تخصیص وجہ وجیہ رکھتی ہے اگر چہ وجہ کی ضرورت وحاجت بھی نہیں کہ وہ احکام عامہ سے نہیں۔ وجہ اس حدیث سے ظاہر ہوگی کہ جس میں ان صحابۂ کرام کا حضرت ابن رواحہ سے فرق ارشاد ہوا۔ اور وہ یہ کہ انکو جنت میں منہ پھیرے ہوئے پایا کہ معرکہ میں قدرے اعراض ہو کر اقبال ہوا تھا۔

اور سب سے زائد یہ کہ وہ شہدائے معرکہ ہیں۔ نماز غائب جائز ماننے والے شہید معرکہ پر نماز ہی نہیں مانتے۔ تو باجماع فریقین صلاۃ بمعنی دعا ہونا لازم۔ جس طرح خود امام نووی شافعی، امام قسطلانی شافعی اور امام سیوطی شافعی رحمہم اللہ تعالیٰ نے صلاۃ علی قبور شہدائے احد میں ذکر فرمایا کہ یہاں صلاۃ بمعنی دعا ہونے پر اجماع ہے۔ کما اثرناہ فی النہی الحاجز، حالانکہ وہاں تو صلی علی اھل احد صلاتہ علی المیت، ہے یہاں تو اس قدر بھی نہیں۔

وہابیہ کے بعض جاہلان بے خرد مثل شوکانی صاحب نیل الاوطار ایسی جگہ اپنی اصول

دانی یوں کھولتے ہیں۔ کہ صلاۃ بمعنی نماز حقیقت شرعیہ ہے اور بلا دلیل حقیقت سے عدول نا جائز۔

اقول: اولاً: ان مجتہد بننے والوں کو اتنی خبر نہیں کہ حقیقت شرعیہ صلاۃ بمعنی ارکان مخصوصہ ہے۔ یہ معنی نماز جنازہ میں کہاں، کہ اس میں رکوع ہے نہ سجود، نہ قرأت ہے نہ قعود، الثالث عندنا والبواقی اجماعاً۔ لہذا اعلماء تصریح فرماتے ہیں کہ نماز جنازہ صلاۃ مطلقاً نہیں اور تحقیق یہ ہے کہ وہ دعائے مطلق اور صلاۃ مطلقہ میں برزخ ہے۔ کما اشار الیہ البخاری فی صحیحہ واطال فیہ۔

لاجرم امام محمود عینی نے تصریح فرمائی کہ نماز جنازہ پر اطلاق صلاۃ مجازا ہے۔ صحیح بخاری میں ہے۔ سماها صلاة ليس فيها ركوع ولا سجود ۔ ۱/۱۷۲

عمدۃ القاری میں ہے:

لكن التسمية ليست بطريق حقيقة ولا بطريق الاشتراك ولكن بطريق المجاز

ثانیا: صلاۃ کے ساتھ جب علی فلاں مذکور ہو تو ہرگز اس سے حقیقت شرعیہ مراد نہیں ہوتی اور نہ ہو سکتی ہے۔

**قال الله تبارك و تعالىٰ :**

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا۔

اللهم! صل وسلم وبارك عليه وعلى آله كما تحب و ترضى ۔

**وقال تعالىٰ** :صَلِّ عَلَيْهِمْ ، إِنَّ صَلَاتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ ،

وقال صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ۔

اللهم! صل على آل ابى اوفى ۔

کیا اس کے یہ معنی ہیں کہ الہی ابی اوفی پر نماز پڑھ، یا ان کا جنازہ پڑھ۔ کیا صلاۃ علیہ، شرع میں بمعنی درود نہیں، ولكن الوهابية قوم لا يعقلون۔

فتاوی رضویہ ۴/ ۷۵

حدیث فہمی اور تطبیق و توفیق بین الاحادیث کی ایسی نادر مثالیں محدث بریلوی کی تصانیف میں بھری پڑی ہیں۔

فتاوی رضویہ حصہ نہم میں ایک حدیث نقل فرمائی، جو تیرہ صحابہ کرام سے مروی ہے اور حدیث جلیل عظیم صحیح مشہور بلکہ متواتر ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لا عدوی ولا طیرۃ ولا ھامۃ ولا صفر،

چھوت کی بیماری، بدشگونی، الو کا جاہلانہ تصور، اور صفر کی جاہلانہ کارروائی کوئی چیز نہیں۔

اس حدیث کے معارض ہے وہ حدیث کہ حضرت ابو ہریرہ سے وہ بھی مروی ہے، فرماتے ہیں:

فر من المجذوم کما تفر من الاسد۔

جذامی سے اس طرح بھاگو جس طرح شیر سے بھاگتے ہو۔

پھر اس کے معنی میں متعدد احادیث نقل فرمائیں۔

اس پر امام احمد رضا محدث بریلوی کا محققانہ کلام بلاغت نظام ملاحظہ کیجئے۔

صحیحین وسنن ابی داؤد وشرح معانی الآثار امام طحاوی وغیرہا میں حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے۔ جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ بیماری اڑ کر نہیں لگتی ،تو ایک بادیہ نشین نے عرض کی: یا رسول اللہ! پھر اونٹوں کا کیا حال ہے کہ ریتی میں ہوتے ہیں جیسے ہرن یعنی صاف شفاف بدن، ایک اونٹ خارش والا آکر ان میں داخل ہوتا ہے جس سے خارش ہو جاتی ہے۔ حضور پرنور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

فمن اعدی الاول ،اس پہلے کو کس کی اڑ کر لگی۔

احمد و مسلم وابوداؤد وابن ماجہ کے یہاں حدیث ابن عمر سے ہے ارشاد فرمایا: ذلکم القدر فمن اجرب الاول یہ تقدیری باتیں ہیں بھلا پہلے کو کس نے کھجلی لگادی۔

یہ ہی ارشاد احادیث عبد اللہ بن مسعود، عبد اللہ بن عباس ابوامامہ باہلی، اور عمیر بن

سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں مروی ہوا حدیث شا اخیر میں اس توضیح کے ساتھ ہے کہ فرمایا: الم تروا الی البعیر یکون فی الصحراء فیصبح و فی کر کرتہ اوفی مراق بطنہ نکتۃ من جرب لم تکن قبل ذلک فمن اعدی الاول

کیا دیکھتے نہیں کہ اونٹ جنگل میں ہوتا ہے یعنی الگ تھلگ کہ اس کے پاس کوئی بیمار اونٹ نہیں صبح کو دیکھو تو اس کے بیچ سینے یا پیٹ کی نرم جگہ میں کھجلی کا دانہ موجود ہے بھلا اس پہلے کو کس کی اڑ کر لگ گئی۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ قطع تسلسل کیلئے ابتداء بغیر دوسرے سے منتقل ہوئے خود اس میں بیماری پیدا ہونے کا ماننا لازم ہے۔ تو حجت قاطعہ سے ثابت ہوا کہ بیماری خود بخود بھی حادث ہو جاتی ہے۔ اور جب یہ مسلم تو دوسرے میں انتقال کے سبب پیدا ہونا محض وہم علیل وادعائے بے دلیل رہا۔

فتاوی رضویہ حصہ اول ۹/ ۲۴۵

اب بتوفیق اللہ تعالی تحقیق حکم سنئے۔

اقول: وباللہ التوفیق: احادیث قسم ثانی تو اپنے افادہ میں صاف، صریح ہیں کہ بیماری اڑ کر نہیں لگتی۔ کوئی مرض ایک سے دوسرے کی طرف سرایت نہیں کرتا۔ کوئی تندرست بیمار کے قرب واختلاط سے بیمار نہیں ہو جاتا۔ جسے پہلے شروع ہوئی اس کو کس کی اڑ کر لگی، ان متواتر و روشن وظاہر ارشادات عالی کو سن کر یہ خیال کسی طرح گنجائش نہیں پاتا کہ واقع میں تو بیماری اڑ کر لگتی ہے مگر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے زمانہ جاہلیت کا وسوسہ اٹھانے کے لئے مطلقا اس کی نفی فرمائی ہے۔

پھر حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم واجلہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی عملی کارروائی مجذوموں کو اپنے ساتھ کھلانا، ان کا جوٹھا پانی پینا ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ سے پکڑ کر برتن میں رکھنا، خاص ان کے کھانیکی جگہ نوالہ اٹھا کر کھانا، جہاں منہ لگا کر انہوں نے پانی پیا بالقصد اسی جگہ منہ رکھ کر نوش کرنا یہ اور یہ بھی واضح کر رہا ہے کہ عدوی یعنی ایک کی بیماری دوسرے کو لگ جانا محض خیال

باطل ہے۔ ورنہ اپنے کو بلا کیلئے پیش کرنا شرع ہرگز روانہیں رکھتی۔ قال اللہ تعالیٰ۔

و لا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ۔

آپ اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ پڑو۔

رہیں قسم اول (مجذوموں سے دور ونفور رہنے) کی حدیثیں وہ اس درجۂ عالیہ صحت پر نہیں جس پر احادیث نفی ہیں۔ ان میں اکثر ضعیف ہیں۔ اور بعض غایت درجہ حسن ہیں صرف حدیث اول کی تصحیح ہوسکی ہے مگر وہی حدیث اس سے اعلیٰ وجہ پر جو صحیح بخاری میں آئی خود اسی میں ابطال عدوی موجود کہ مجذوم سے بھاگو اور بیماری اڑ کر نہیں لگتی تو یہ حدیث خود واضح فرما رہی ہے کہ بھاگنے کا حکم اس وسوسہ اور اندیشہ کی بنا پر نہیں۔

معہذا صحت میں اس کا پایہ بھی دیگر احادیث نفی سے گرا ہوا ہے کہ اسے امام بخاری نے مسندا روایت نہ کیا بلکہ بطور تعلیق۔

لہذا اصلاً کوئی حدیث ثبوت عدوی میں نص نہیں۔ یہ تو متواتر حدیثوں میں فرمایا کہ بیماری اڑ کر نہیں لگتی۔ اور یہ ایک حدیث میں بھی نہیں آیا کہ عادی طور پر اڑ کر لگ جاتی ہے۔

ہاں وہ حدیث کہ جذامیوں کی طرف نظر جما کر نہ دیکھو ان کی طرف تیز نگاہ نہ کرو۔ صاف یہ تحمل رکھتی ہے کہ ادھر زیادہ دیکھنے سے تمہیں گھن آئے گی، نفرت پیدا ہوگی، ان مصیبت زدوں کو تم حقیر سمجھو گے۔ ایک تو یہ خود حضرت عزت کو پسند نہیں، پھر اس سے ان گرفتاران بلا کو ناحق ایذا پہونچے گی۔ اور یہ روا نہیں۔

قول مشہور و مذہب جمہور و مشرب منصور کہ دوری و فرار کا حکم اس لئے ہے کہ اگر قرب و اختلاط رہا اور معاذ اللہ قضا و قدر سے کچھ مرض اسے بھی حادث ہو گیا تو ابلیس لعین اسکے دل میں وسوسہ ڈالے گا کہ دیکھ بیماری اڑ کر لگ گئی۔ اول تو یہ ایک امر باطل کا اعتقاد ہوگا۔ اسی قدر فساد کیلئے کیا کم تھا پھر متواتر حدیثوں میں سن کر کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صاف فرمایا ہے بیماری اڑ کر نہیں لگتی۔ یہ وسوسہ دل میں جمنا سخت خطرناک اور ہائل ہوگا۔ لہذا ضعیف الیقین لوگوں کو اپنا دین بچانے کیلئے دوری بہتر ہے ہاں، کامل الایمان وہ کرے جو صدیق اکبر و

فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کیا اور کس قدر مبالغہ کے ساتھ کیا۔ اگر عیاذاًباللہ کچھ حادث ہوتا ان کے خواب میں بھی خیال نہ گزرتا کہ یہ عدوائے باطلہ سے پیدا ہوا۔ ان کے دلوں میں کوہ گراں شکوہ سے زیادہ مستقر تھا کہ لن یصیبنا الا ما کتب اللہ لنا بے تقدیر الٰہی کچھ نہ ہوسکے گا۔

اسی طرف اس قول وفعل حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہدایت فرمائی کہ اپنے ساتھ کھلایا اور کل ثقة باللہ و توکلا علیہ فرمایا۔

امام اجل امین۔ امام الفقہاء والمحدثین، امام اہل الجرح والتعدیل امام اہل التصحیح و التعلیل، حدیث وفقہ دنوں کے حاوی سیدنا امام ابوجعفر طحاوی نے شرح معانی الآثار شریف میں در بارہ نفی عدویٰ احادیث روایت کرکے یہ ہی تفصیل بیان فرمائی۔

بالجملہ مذہب معتمد وصحیح ورجیح ونجیح یہ ہے کہ جذام، کھجلی، چیچک، طاعون وغیرہا اصلا کوئی بیماری ایک کی دوسرے کو ہرگز ہرگز اڑ کر نہیں لگتی، یہ محض اوہام بے اصل ہیں۔ کوئی وہم پکائے جائے تو کبھی اصل بھی ہوجاتا ہے کہ ارشاد ہوا۔

انا عند ظن عبدی بی۔

وہ اس دوسرے کی بیماری اسے نہ لگی بلکہ خود اس کی باطنی بیماری کہ وہم پرورده تھی صورت پکڑ کر ظاہر ہوگئی۔

فیض القدیر میں ہے:

بل الوهم وحده من اکبر اسباب الاصابة

اس لئے اور نیز کراہت واذیت وخود بینی وتحقیر مجذوم سے بچنے کے واسطے اور اس دور اندیشی سے کہ مبادا اسے کچھ پیدا ہوا اور ابلیس لعین وسوسہ ڈالے کہ دیکھ بیماری اڑ کر لگ گئی اور معاذ اللہ اس امر کی حقانیت اس کے خطرہ میں گزرے گی جسے مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم باطل فرما چکے۔ یہ اس مرض سے بھی بدتر مرض ہوگا۔ ان وجوہ سے شرع حکیم ورحیم نے ضعیف الیقین لوگوں کو حکم استحبابی دیا ہے کہ اس سے دور رہیں۔ اور کامل الایمان بندگان خدا کیلئے کچھ

حرج نہیں کہ وہ ان سب مفاسد سے پاک ہیں۔

خوب سمجھ لیا جائے کہ دور ہونے کا حکم ان حکمتوں کی وجہ سے ہے۔ نہ یہ کہ معاذ اللہ بیماری اڑ کر لگتی ہے۔ اسے تو اللہ و رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رد فرما چکے جل جلالہ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

اقول: پھر از آنجا کہ یہ حکم ایک احتیاطی استحبابی ہے واجب نہیں۔ لہذا ہر گز کسی واجب شرعی کا معارضہ نہ کرے گا۔ مثلا معاذ اللہ جسے یہ عارضہ ہو اس کے اولاد و اقارب و زوجہ سب اس احتیاط کے باعث اس سے دور بھاگیں اور اسے تنہا وضائع چھوڑ جائیں یہ ہر گز حلال نہیں۔ بلکہ زوجہ ہر گز اسے ہم بستری سے بھی منع نہیں کر سکتی۔ لہذا ہمارے شیخین مذہب امام اعظم، و امام ابو یوسف رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے نزدیک جذام شوہر سے عورت کو درخواست فسخ نکاح کا اختیار نہیں۔ اور خدا ترس بندے تو ہر بیکس بے یار کی اعانت اپنے ذمہ پر لازم سمجھتے ہیں۔

حدیث میں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

الله الله فی من لیس له الا الله ۔

اللہ سے ڈرو اللہ سے ڈرو، اس کے بارے میں جس کا کوئی نہیں سوا اللہ کے۔

لہذا علماء کا اتفاق ہے کہ مجذوم کے پاس بیٹھنا اٹھنا مباح ہے اور اس کی خدمت گزاری و تیمارداری موجب ثواب۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

فتاوی رضویہ حصہ دوم ۹/۲۵۳

اس تفصیل سے جملہ احادیث میں توفیق و تطبیق بروجہ اتم ظاہر ہوئی اور اصلاً کسی کو مجال دم زدن نہ رہی۔ واللہ الموفق وھو ولی التوفیق۔

بلا شبہ ایسی تحقیقات عالیہ محدث بریلوی کی حصہ ہیں۔

اور علوم وفنون کے بحر عمیق سے جواہر عالیہ کو چن چن کر صفحہ قرطاس کی لڑی میں پرو دینا ان کا کمال ہے انکے مولی رب ذو الجلال کا ان پر جود و نوال ہے۔ ذلك فضل الله یوتیه من یشاء۔

# سندات امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ العزیز

## سند فقہ حنفی:

**سند الفقیر فی الفقہ المنیر مسلسلا بالحنفیة**

**الکرام والمفتین والمصنفین و المشائخ الاعلام**

لہ بحمد اللہ تعالیٰ طرق کثیرة من اجلہا انی ارویہ

**عن** سراج البلاد الحرمیة مفتی الحنفیة بمکة المحمیة مولینا الشیخ عبد الرحمن السراج ابن المفتی الاجل مولینا عبد اللہ السراج

**عن** مفتی مکة سیدی جمال بن عبد اللہ بن عمر

**عن** الشیخ الجلیل محمد عابد الانصاری المدنی

**عن** الشیخ یوسف بن محمد بن علاء الدین مزجاجی

**عن** الشیخ عبد القادر بن خلیل

**عن** الشیخ اسمعیل بن عبد اللہ الشہیر بعلی زادہ البخاری

**عن** العارف باللہ تعالیٰ الشیخ عبد الغنی بن اسمعیل بن عبدالغنی النابلسی (وھو صاحب الحدیقة الندیة والمطالب الوفیة و التصانیف الجلیلة الزکیة)

**عن** والدہ مؤلف شرح الدررو الغرر

**عن** شیخین جلیلین احمد الشوبری وحسن الشرنبلالی محشی الدرر

والغرر(وهو صاحب نور الايضاح و شرحيه مراقى الفلاح و امداد الفتاح و التصانيف الملاح) برواية الاول

**عن** الشيخ عمر بن نجيم صاحب النهر الفائق و الشمس الحانوتى صاحب الفتاوى والشيخ على المقدسى شارح نظم الكنز۔ورواية الثانى

**عن** الشيخ عبد الله النحريرى والشيخ محمد بن عبد الرحمن المسيرى و الشيخ محمد بن احمد الحموى و الشيخ احمد المحبى سبعتهم

**عن** الشيخ احمد بن يونس الشلبى صاحب الفتاوى عن سرى الدين عبد البربن الشحنة شارح الوهبانية

**عن** الكمال بن الهمام ( وهو المحقق حيث اطلق صاحب فتح القدير

**عن** السراج قارى الهداية

**عن** علام الدين السيرافى

**عن** السيد جلال الدين الخبازى شارح الهداية

**عن** الشيخ عبد العزيز البخارى صاحب الكشف والتحقيق

**عن** جلال الدين كبير

**عن** الامام عبد الستار بن محمد الكردرى

**عن** الامام برهان الدين صاحب الهداية

**عن** الامام فخر الاسلام البزدوى

**عن** شمس الائمة الحلوانى

**عن** القاضى ابى على النسفى

**عن** ابى بكر محمد بن الفضل البخارى

**عن** الامام ابى عبد الله البزمونى

**عن** عبد الله بن ابى حفص البخارى

**عن** ابیه احمد بن حفص( وهو الامام الشهير با بی حفص الكبير )

**عن** الامام الحجة ابی عبد الله محمد بن الحسن الشيبانی

**عن** الامام الاعظم ابی حنيفة

**عن** حماد

**عن** ابراهيم

**عن** علقمة و الا سو د

**عن** عبد الله بن مسعود رضی الله تعالیٰ عنهم

**عن** النبی صلی الله تعالیٰ علیه و سلم۔

# سندروایت حدیث

قال الفقير عبد المصطفی احمد رضا المحمدی السنی الحنفی القادری البر كاتی البريلوی غفر الله له و حقق امله

**انبأنا** المولی عبد الرحمن السراج المكی مفتی بلد الله الحرام ببيته عند باب الصفا لثمان بقين من ذی الحجة سنة خمس و تسعين بعد الالف و المائتين فی سائر مروياته الحديثية و الفقهية و غير ذلك

**عن** حجة زمانة جمال بن عبد الله بن عمر المكی

**عن** الشيخ الاجل عابد السندی

**عن** عمه محمد حسين الانصاری اجازنی به الشيخ عبد الخالق بن علی المزجاجی قرأة علی الشيخ محمد بن علاء الدين المزجاجی

**عن** احمد النخلی عن محمد الباهلی

**عن** سالم السنوری عن النجم الغيطی

**عن** الحافظ زكريا الانصاری

**عن** الحافظ ابن حجر ؛ لعسقلانی

**انا** به ابو عبد الله الجد یری،

**انا** قوامالدین الا تقانی

**انا** البرهان احمد بن سعد بن محمد البخاری والحسام السغناقی قالا

**انبأنا** حافظ الدین محمد بن محمد بن نصر البخاری هو حافظ الدین الکبیر

**انبأنا** الامام محمد بن عبد الستار الکردری

**انبأنا** عمر بن الکریم الورسکی

**انا** عبد الرحمن بن محمد الکرمانی

**انا** ابو بکر محمد بن الحسین بن محمد هو الامام فخر القضاة الارشابندی

**انا** عبد الله الزوزنی

**انا** ابو زید الدبوسی

**انا** ابو جعفر الاستروشنی

**ح وانبأنا** عالیا باربع درج شیخی و برکتی وولی نعمتی و مولائی وسیدی و ذخری و سندی لیومی وغدی سیدنا الامام الهمام العارف الاجل العالم الاکمل السید ال الرسول الاحمدی المارهروی رضی الله تعالیٰ عنه و ارضاه جعل الفردوس متقبله و مثواه لخمس خلت من جمادی الاولیٰ سنة اربع و تسعین بدراه المطهرة بمارهرة المنورة فی سائرما یجوزله روایته

**عن** استاذه عبد العزیز المحدث الدهلوی

**عن** ابیه عن الشیخ تاج الدین القلعی مفتی الحنیفة

**عن** الشیخ حسن العجمی

**عن** الشیخ خیر الدین الرملی

**عن** الشیخ محمد بن سراج الدین الخاتونی

**عن** احمد بن الشبلی

**عن** ابراھیم الکرکی یعنی صاحب کتاب الفیض

**عن** امین الدین یحیی بن محمد الاقصرائی

**عن** الشیخ محمد بن محمد البخاری الحنفی یعنی سیدی محمد پارسا صاحب فصل الخطاب

**عن** الشیخ حافظ الدین محمد بن محمد بن علی البخاری الطاھری

**عن** الامام صدر الشریعة یعنی شارح الوقایه

**عن** جده تاج الشریعة عن والده صدر الشریعة

**عن** والده جمال الدین المحبوبی

**عن** محمد بن ابی بکر البخاری عرف بامام زاده

**عن** شمش الائمة الزر تجری

**عن** شمس الائمة الحلوانی کلا ھما

**عن** الامام الاجل ابی علی النسفی امام الحلوانی فقالا

**عن** ابی علی و کذلک عنعن الی نهایة الاسناد

**واما استرو شنی فقال**

**انا**ابو علی الحسین بن خضر النسفی

**انا** ابو بکر محمد بن الفضل البخاری ھو الامام الشھیر بالفضل

**انا** ابو محمد عبد الله بن محمد بن یعقوب الحارثی یعنی الاستاذ السندمونی

**انا** عبد الله محمد بن ابی حفص الکبیر

**انا** ابی

انا محمد بن الحسن الشیبانی

اخبرنا ابو حنیفة

عن حماد

عن ابراهیم قال کانت الصلوة فی العیدین قبل الخطبه ثم یقف الامام علی راحلة بعد الصلوة فیدعو ویصلی بغیر اذان ولا اقامة۔١

# سند حدیث مسلسل بالاولیت

ایسی حدیث جسکو روایت کرتے وقت راویان حدیث کسی ایک صیغے پر متفق ہوں۔ جیسے تمام راوی "سمعت" کہیں یا "اخبرنی" وغیرہ۔

اسی طرح حالات قولیہ میں سے کسی قول پر سب متفق ہوں، جیسے راوی کہے کہ: سمعت فلانا یقول اشهد بالله۔ وغیرہ

ایسے ہی حالات فعلیہ میں سے کسی فعل پر متفق ہوں، جیسے راوی کہ، حدثنی فلان وهو اخذ بلحیته، وغیرہ۔ان تینوں صورتوں میں سند حدیث کو مسلسل کہا جاتا ہے، اسکے علاوہ اگر راوی "هو اول حدیث سمعته منه،" پر متفق ہو تو اسکو مسلسل بالاولیۃ کہتے ہیں۔

ذیل میں امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ کی ایسی ہی چند سندیں ذکر کی جاری ہیں۔

## سند الحدیث المسلسل بالا دلیة

له عن شیخنا السید الاجل رضی الله تعالیٰ عنه طریقان۔ احدهما من جهة الشیخ المحقق مولانا الشیخ عبد الحق المحدث الدهلوی۔ و الاخری من جهة الشاه عبد العزیز الدهلوی غفر لهما المولی القوی۔

**طریق الشیخ المحقق عبد الحق المحدث قدس سره**

بسم الله الرحمن الرحیم

الحمد الله رب العالمن و الصلوة وا لسلام علی رسوله محمد و اله و اصحابه اجمعین، اما بعد۔

**فقدحدثنی** السید الامام الهمام قطب الزمان حضرت الشیخ رضی الله تعالیٰ عنه وارضاه وهو اول حدیث سمعه منه قال:

**حدثنی** السید السند رحلة زمانة امام اوانه عمی وشیخی و مولائی و مرشدی السید آل احمد المقلب باچھی میاں صاحب المارهروی قدس الله سره العزیز وهو اول حدیث سمعه منه

**عن** السید النقی الامام التقی الورع الکامل البارع الفاضل العارف با لله الاحد السید الشاه حمزة ابن السید آل محمد البلجرامی الحسینی الواسطی وهو اول حدیث سمعه منه قال

**حدثنی** السید الطفیل محمد الا ترولوی وهو اول حدیث سمعته منه قال

**حدثنی** السید السند البارع الاکمل الفضل وحید زمانه السید مبارك فخر الدین البلجرامی رحمة الله تعالیٰ علیه وهو اول حدیث سمعة منه قال

**حدثنی** الشیخ العالم العامل حاج الحرمین الشریفین استاذی الشیخ ابو الرضا ابن الشیخ اسمعیل الدهلوی احداحفاد الشیخ عبد الحق الدهلوی سلمه ربه ورحمة الله تعالیٰ علیه وهو اول حدیث سمعته منه قال

**حدثنا** جدی و استاذی و شیخی ابو الفضل المحدثین الشیخ عبد الحق الدهلوی رحمة ا الله تعالیٰ علیه وهو اول حدیث سمعته منه قال

**حدثنا** الشیخ الصالح الموفق عبد الوهاب بن فتح الله البروجی احد فقراء سیدی الشیخ عبد الوهاب المتقی رحمة ا الله تعالیٰ علیه وهو اول حدیث سمعته منه قال

**حدثنا** الشیخ الکبیر محمد بن افلح الیمنی وهو اول حدیث سمعته

منه قال،

**حدثنا** شيخنا الامام وجيه الدين عبد ا الرحمن بن ابراهيم العلوى وهو اول حديث سمعته منه

**ثنى** شيخنا الامام شمس الدين السخاوى القاهرى وهو اول حديث سمعته منه

**ثنى** جماعة كثيرون اجلهم علما و عملا شيخ الاستاذ الحجة الناقد شيخ مشائخ الاسلام حافظ العصر الشهاب ابو الفضل احمد بن على العسقلانى عرف با بن حجر رحمه الله تعالى سماعا من لفظه و حفظه وهو اول حديث سمعته منه قال

**حدثنى** به جماعة كثيرون منهم حافظ الوقت الزين ابو الفضل عبد الرحيم بن ا الحسين العراقى وهو اول حديث سمعته منه ،

**ح و**

**اخبرنى** به عاليا الشيخ شمس الدين ابو عبد الله محمد بن احمد التدمرى اجازة وهو اول حديث رويته عنه قال هو والعراقى

**حدثنا** به الصدر ابو الفتح محمد بن محمد بن ابراهيم الميدومى اجازة وهو اول حديث قال العراقى سمعته منه وقال التدمرى حضرته عنده

**ثنا** به التجيب ابو الفرج عبد اللطيف بن عبد المنعم الحرانى وهو اول حديث سمعته منه

**ثنا** به الحافظ ابو الفرج عبد الرحمن بن على الجوزى وهو اول حديث سمعته منه

**ثنا** به ابو سعيد اسمعيل بن ابى صالح احمد بن عبد الملك النيسابورى وهو اول حديث سمعته منه

ثنا بـه والـدی ابـو صـالـح احـمـد بن عبد الملك المو ذن ، هواول حديث سمعته منه

ثنا بـه ابـو طـاهـر محمد بن محمد بن محمش الزيادی وهو اول حديث سمعة منه

ثنا بـه ابـو حامد احمد بن محمد بن يحيى بن بلال البزار وهواول حديث سمعته منه

ثنابه عبد الرحمن بن بشر بن الحكم وهو اول حديث سمعته منه

ثنابه سفيان بن عيينة وهو اول حديث سمعته

عن سفيان

عن عمرو بن دينار

عن ابی قابوس مولى عبد الله بن عمرو بن العاص

عن عبـد الـلـه بـن عـمرو رضی الله تعالیٰ عنهما ان رسول الله صلى الله تـعـالیٰ عليه وسلم قال: الراحمون يرحمهم الرحمن تبارك و تعالیٰ ارحموا من فی الارض يرحمكم من فی السماء۔

# سند مسلسل بالاولیت

## طريق الشاه عبد العزيز الدهلوی

بسم الله الرحمن الرحيم

الـحـمـد لله رب العالمين و الصلوة و السلام على رسوله محمد و اله و اصحبه اجمعين ، اما بعد

فـقـد حدثنی السيـد الامـام الهـمـام قبط الزمان حضرة الشيخ رضی الله

تعالیٰ عنه و ارضاه وهو اول حديث سمعته منه **قال:**

**حدثنی** استاذی علم المحدثین مولانا عبد العزيز الدهلوی رحمة الله تعالیٰ علیه وهو اول حديث سمعته منه

**عن** ابيه ذی الفضل و الجاه مولانا ولی الله رحمة الله تعالی علیه وهو اول حديث سمعه منه قال

**حدثنی** السيد عمر من لفظه تجاه قبر النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم وهو اول حديث سمعته منه قال

**حدثنی** جدی الشیخ عبد الله بن سالم البصری **وهواول الخ** قال

**حدثنا** الشیخ یحیی بن محمد الشهير بالشاوی **وهو اول حديث سمعناه** منه قال

**اخبرنا** به الشيخ سعيد بن ابراهيم الجزائری المفتی الشهير بقدورة قال وهو حديث سمعته منه قال

**اخبرنا** به الشيخ المحقق سعيد بن محمد المقری **قال وهو اول الخ**

**عن** الولی الکامل احمد الحجی الوهرانی **قال** وهو الخ

**عن** شيخ الاسلام العارف بالله تعالیٰ سیدی ابراهيم التازی قال وهواول الخ، قال

**قرائته** علی المحدث الربانی ابی الفتح محمد بن ابی بکر بن الحسین المراغی قال وهو اول حديث قرائته عليه قال

**سمعت** من لفظ شيخنا زين الدين عبد ا لرحيم بن الحسين العراقی قال و هو اول حديث سمعته منه قال

**حدثنا**ابو الفتح محمد بن محمد بن ابراهيم البكری الميد ومی قال وهو الخ، بمثل الحديث سنداً و متناً۔

# حدیث مسلسل بالاولیت

(جو بہت عالی ہے)

## طریق مولانا احمد حسن الصوفی المرادآبادی

قلت ولی فی الحدیث طریق ثالث عال جدا

**حدثنی** مولانا الاجل السید الشاہ ابو الحسین احمد النوری نورہ اللہ بنورہ المعنوی و الصوری قال

**حدثنا** افضل العلماء واورع الاتقیاء مولانا احمد حسن الصوفی المراد آبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وھو اول حدیث سمعتہ منہ قال

**حدثنا** حدیث الرحمۃ المسلسل بالاولیۃ الشیخ الناسک احمد بن محمد الدمیاطی المشھور بابن عبد الغنی وھو اول حدیث سمعتہ منہ بحضرۃ جمع من اھل العلم قال

**ثنا** بہ المعمر محمد بن عبد العزیز وھو اول حدیث سمعتہ واجازہ بجمیع مرویاتہ فقال

**حدثنا** بہ الشیخ المعمر ابوالخیر بن عموس الرشید ی وھواول حدیث سمعتہ منہ واجازہ بجمیع مرویاتہ فی ربیع الاول سنۃ اثنین بعد الالف قال

**حدثنا** بہ شیخ الاسلام الشرف زکریا بن محمد الانصاری وھو اول حدیث سمعۃ منہ قال

**ثنابہ** خاتمۃ الحفاظ الشھاب ابو الفضل احمد بن علی بن حجر العسقلانی وھو اول حدیث سمعتہ منہ قال

**اخبرنا** بہ الحافظ زین الدین ابو الفضل عبد الرحیم بن حسین العراقی وھو اول حدیث سمعتہ منہ (الی آخر الحدیث سنداًو متناً)

# حجۃ الاسلام علامہ محمد حامد رضا بریلوی

**ولادت:** آپ کی ولادت باسعادت شہر بریلی میں ماہ ربیع الاول ۱۲۹۲ھ/مئی ۱۸۷۵ء کو ہوئی۔ خاندانی دستور کے مطابق ''محمد'' نام پر عقیقہ ہوا اور یہ ہی آپ کا تاریخی نام بھی ہوگیا، عرفی نام حامد رضا تجویز ہوا، اور لقب حجۃ الاسلام ہے۔

آپ حسن سیرت اور جمال صورت دونوں کے جامع تھے، اپنے عہد کے بے نظیر مدرس، محدث اور مفسر تھے، عربی ادب میں انفرادی حیثیت کے مالک، اور شعروادب میں پاکیزہ ذوق رکھتے تھے، اپنے اسلاف اور آباء واجداد کے کامل واکمل نمونہ تھے، بزرگوں کا احترام اور چھوٹوں پر شفقت آپ کا شعار دائم تھا۔

زہدوتقوی، توکل واستغناء میں امتیازی شان کے مالک اور اخلاق وکردار کے بادشاہ تھے۔

**حسن صورت:** ہندوستان کے اکابر علماء کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ نگاہوں نے حجۃ الاسلام سے زیادہ حسین چہرہ نہیں دیکھا۔ پھر اس پر لباس کی سج دھج مزید برآں تھی۔ جو لباس بھی آپ زیب تن فرماتے وہ بھی آپ کے جمال سے جگمگا اٹھتا۔ جس مقام سے گزر ہوتا تو لوگ حسن صوری دیکھ کر انگشت بدنداں رہ جاتے اور سارا ماحول غزلخواں ہوتا۔

ع دم میں جب تک دم ہے دیکھا کیجئے

**حسن سیرت:** آپ پاکیزہ اخلاق کے مالک تھے، متواضع اور خلیق اور بلند پایہ کردار رکھتے تھے۔

شب برأت آتی تو سب سے معافی مانگتے حتی کہ چھوٹے بڑے اور خادماؤں اور

خادموں اورمریدوں سے بھی فرماتے کہ اگر میری طرف سے کوئی بات ہوگئی ہوتو معاف کردو،اور کسی کا حق رہ گیا ہوتو بتادو۔آپ " الحب فی اللہ و البغض فی اللہ " اور" اشداء علی الکفار ورحماء بینھم " کی جیتی جاگتی تصویر تھے،آپ اپنے شاگردوں اورمریدوں سے بھی بڑے لطف وکرم اورمحبت سے پیش آتے تھے۔اور ہر مرید اورشاگرد یہی سمجھتا تھا کہ اسی سے زیادہ محبت کرتے ہیں۔

ایک بار کا واقعہ ہے کہ آپ لمبے سفر سے بریلی واپس ہوئے۔ابھی گھر پر اترے بھی نہ تھے اورتانگہ پر بیٹھے ہوئے تھے کہ بہاری پور بریلی کے ایک شخص نے جس کا بڑا بھائی آپ کا مرید تھا اوراس وقت بستر علالت پر پڑا ہوتھا آپ سے عرض کیا کہ حضور روز ہی آکر دیکھ جاتا ہوں لیکن چونکہ حضور سفر پر تھے اس لئے دولت کدے پر معلوم کر کے ناامید لوٹ جاتا تھا،میرے بھائی سرکار کے مرید ہیں اورسخت بیمار ہیں چل پھر نہیں سکتے۔ان کی بڑی تمنا ہے کہ کسی صورت اپنے مرشد کا دیدار کرلیں۔اتنا کہنا تھا کہ آپ نے گھر کے سامنے تانگہ رکوا کر اسی پر بیٹھے ہی بیٹھے اپنے چھوٹے صاحبزادے نعمانی میاں صاحب کوآواز دی اورکہا سامان اتروا ؤ
میں بیمار کی عیادت کرکے ابھی آتا ہوں۔اورآپ فوراً اپنے مرید کی عیادت کیلئے چلے گئے۔

بنارس کے ایک مرید آپ کے بہت منہ چڑھے تھے اورآپ سے بے پناہ عقیدت بھی رکھتے تھے،اورمحبت بھی کرتے تھے،ایک بار انہوں نے دعوت کی،مریدوں میں گھرے رہنے کے سبب آپ ان کے یہاں وقت سے کھانے میں نہ پہنچ سکے ان صاحب نے کافی انتظار کیا اور جب آپ نہ پہونچے تو گھر میں تالا لگا کر اور بچوں کو لیکر کہیں چلے گئے۔جب ان کے مکان پر پہونچے تو دیکھا کہ تالا بند ہے،مسکراتے ہوئے لوٹ آئے،بعد میں ملاقات ہونے پر انہوں نے ناراضگی بھی ظاہر کی اورروٹھنے کی وجہ بھی بتائی ۔آپ نے بجائے ان پر ناراض ہونے یا اسے اپنی ہتک سمجھنے کے انہیں الٹا منایا اوردلجوئی کی۔

آپ خلفائے اعلیٰ حضرت اوراپنے ہم عصر علماء سے نہ صرف محبت کرتے تھے بلکہ ان کا احترام بھی کرتے تھے جبکہ بیشتر آپ سے عمر اورعلم وفضل میں چھوٹے اورکم پایہ کے تھے، سادات

کرام خصوصاً مارہرہ مطہرہ کے مخدوم زادگان کے سامنے تو بچھ جاتے تھے اور آقاؤں کی طرح ان کا احترام کرتے تھے۔

طالب علمی کے زمانہ میں شب وروز مطالعہ و مذاکرہ جاری رہا۔ اور ۱۹رسال کی عمر شریف ۱۳۱۱ھ/۱۸۹۴ میں فارغ التحصیل ہوئے جب فارغ ہوئے تو والد ماجد امام احمد رضا نے فرمایا۔ ان جیسا عالم اودھ میں نہیں۔

فراغت کے بعد مسلسل ۱۵رسال ۱۳۲۶ھ تک والد ماجد کی خدمت میں حاضر رہے اور تصنیف وتالیف، فتوی نویسی اور دیگر مضامین عالیہ سے خدمت دین فرمائی۔

**اجازت وخلافت**: نور الکاملین خلاصۃ الواصلین سیدنا حضرت مولانا الشاہ ابوالحسین احمد نوری مارہروی قدس سرہ سے آپ کو خلافت واجازت حاصل تھی، اور پھر آپ کے حکم سے امام احمد رضا قدس سرہ نے بھی حجۃ الاسلام کو جملہ علوم، اذکار واشغال، اوراد واعمال کی اجازت سے نوازا۔

**علم وفضل**:

آپ اپنے علم وفضل کے اعتبار سے بلا شبہ نائب امام احمد رضا تھے، اہل علم میں آپ کی مقبولیت صرف بڑے باپ کے بیٹے ہونے کی حیثیت سے نہیں بلکہ اس بنیاد پر بھی تھی کہ وہ علوم دینیہ کے بحر بیکراں تھے، جملہ علوم عقلیہ ونقلیہ میں دستگاہ کامل حاصل تھی تھے اور ایک عرصہ تک آپ نے منظر اسلام میں درس دیا، تفسیر وحدیث، فقہ واصول اور کلام ومنطق وغیرہا میں آپ کو ید طولیٰ حاصل تھا، بالخصوص آپ کا درس بیضاوی، شرح عقائد اور شرح چغمینی بہت مشہور تھا۔

**حج وزیارت**: آپ نے اپنی عمر کے اکیسویں سال ۱۳۲۳ھ میں حج وزیارت کی سعادت حاصل کی، اور اپنی والدہ ماجدہ، نیز عم محترم حضرت مولانا محمد رضا خانصاحب کے ساتھ روانہ ہوئے، اس سفر سراپا ظفر میں امام احمد رضا جھانسی تک آپ کے ساتھ رہے۔

امام احمد رضا جھانسی سے واپس تشریف لے آئے لیکن گھر آکر ایک اضطرابی کیفیت طاری تھی، آخرکار والدہ ماجدہ سے اجازت لیکر خود بھی روانہ ہوگئے اور بمبئی سے سب کے ساتھ

جدہ روانہ ہوئے۔اس طرح حجۃ الاسلام نے یہ حج اپنے والد ماجد کی معیت میں ادا کیا۔

اس حج کی برکات نہایت عظیم وجلیل ہیں۔امام احمد رضا نے تفصیل سے الملفوظ میں ان کو بیان فرمایا ہے۔مختصرا یوں ہے۔حرم مکہ کے پہلے روز کی حاضری کا ذکر اس طرح فرمایا۔

پہلے روز جو حاضر ہوا تو حامد رضا ساتھ تھے۔محافظ کتب حرم ایک وجیہہ وجمیل عالم نبیل مولانا سید اسماعیل تھے۔یہ پہلا دن ان کی زیارت کا تھا۔حضرت مولانا موصوف سے کچھ کتابیں مطالعہ کیلئے نکلوائیں ۔ حاضرین میں سے کسی نے اس مسئلہ کا ذکر کیا کہ قبل زوال رمی کیسی؟ مولانا نے فرمایا یہاں کے علماء نے جواز کا حکم دیا ہے۔حامد رضا خاں سے اس بارے میں گفتگو ہو رہی تھی ، مجھ سے استفسار ہوا۔ میں نے کہا خلاف مذہب ہے۔مولانا سید صاحب نے ایک متداول کتاب کا نام لیا کہ اس میں جواز کو علیہ الفتوی لکھا ہے۔میں نے کہا کہ ممکن ہے روایت جواز ہو مگر علیہ الفتوی ہرگز نہ ہوگا۔وہ کتاب لے آئے اور مسئلہ نکلا اوراسی صورت سے نکلا جو فقیر نے گزارش کی تھی۔علیہ الفتوی کا لفظ نہ تھا۔حضرت مولانا نے کان میں جھک کر مجھے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟اور حامد رضا کو بھی نہ جانتے تھے مگر اس وقت گفتگو انہیں سے ہورہی تھی۔لہذا ان سے پوچھا۔انہوں نے میرا نام لیا۔نام سنتے ہی حضرت مولانا وہاں سے اٹھ کر بے تابانہ دوڑتے ہوئے آکر فقیر سے لپٹ گئے۔(الملفوظ ص ۱۰،۱۱،جلد دوم)

امام احمد رضا کے حضوروہ بھی ایک مکی عالم نبیل محافظ کتب حرم سید محمد اسماعیل سے رمی قبل زوال کے عدم جواز پر حضرت حجۃ الاسلام نے فصیح عربی میں گفتگو کا حق ادا کردیا اور' الولد سر لابیہ ،، کا وہ شاندار مظاہرہ پہلی بار حرم مکہ میں کیا کہ معاصر علماء کا یہ قول فیصل قرار پایا۔

"اعلیٰ حضرت ( امام احمد رضا ) کے بعد اگر واقعی کوئی عالم اور ادیب تھے تو وہ حضرت حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں تھے۔"

(مولانا حسنین رضا خاں خلفیۂ اعلیحضرت کا ارشاد)

امام احمد رضا قدس سرہ کا یہ دوسرا حج مبارک تھا، اچانک اس حج کیلئے جانا اور حکمت الٰہیہ کا راز کھلنا یوں بیان فرماتے ہیں:

حکمت الٰہیہ یہاں آکر کھلی۔ سننے میں آیا کہ وہابیہ پہلے سے آئے ہوئے ہیں جن میں خلیل احمد انبیٹھی اور بعض وزراء ریاست و دیگر اہل ثروت بھی ہیں۔ حضرت شریف تک رسائی پیدا کی ہے اور مسئلہ علم غیب چھیڑا ہے اور اس کے متعلق کچھ سوال اعلم علماء مکہ حضرت مولانا شیخ صالح کمال سابق قاضی مکہ و مفتی حنفیہ کی خدمت میں پیش ہوا ہے۔ میں حضرت موصوف کی خدمت میں گیا۔ میں نے بعد سلام و مصافحہ مسئلہ علم غیب کی تقریر شروع کی اور دو گھنٹہ تک اسے آیات و احادیث و اقوال ائمہ سے ثابت کیا اور مخالفین جو شبہات کیا کرتے ہیں ان کا رد کیا۔ اس دو گھنٹے تک حضرت موصوف محض سکوت کے ساتھ ہمہ تن گوش ہو کر میرا منہ دیکھتے رہے۔ جب میں نے تقریر ختم کی چپکے سے اٹھتے ہوئے قریب الماری رکھی تھی وہاں تشریف لے گئے اور ایک کاغذ نکال لائے جس میں مولوی سلامت اللہ صاحب رامپوری کے رسالہ ''اعلام الاذکیا'' کے اس قول کے متعلق کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ''ھو الاول و الآخر و الظاھر و الباطن و ھو بکل شیء علیم'' لکھا، چند سوال تھے اور جواب کی ناتمام سطریں لائے۔

مجھے دیکھا اور فرمایا '' تیرا آنا اللہ کی رحمت تھا ورنہ مولوی سلامت اللہ کے کفر کا فتوی یہاں سے جا چکتا'' میں حمد بجالایا اور فرودگاہ پر واپس آیا۔ مولانا سے مقام قیام کا کوئی تذکرہ نہ آیا تھا۔ اب وہ فقیر کے پاس تشریف لانا چاہتے ہیں اور حج کا ہنگامہ اور جائے قیام نامعلوم۔

آخر خیال فرمایا کہ ضرور کتب خانے میں آیا کرتا ہوگا۔ ۲۵/ ذوالحجہ ۱۳۲۳ھ کی تاریخ ہے بعد نماز عصر کتب خانے کی سیڑھی پر چڑھ رہا ہوں، پیچھے سے ایک آہٹ معلوم ہوئی دیکھا تو حضرت مولانا شیخ صالح کمال ہیں۔ بعد سلام و مصافحہ کتب خانے میں جا کر بیٹھے، وہاں حضرت مولانا سید اسماعیل اور ان کے نوجوان سعید رشید بھائی سید مصطفیٰ ان کے والد ماجد سید خلیل اور بعض حضرت جن کے اس وقت نام یاد نہیں تشریف فرما ہیں۔ حضرت مولانا شیخ صالح کمال نے جیب سے ایک پرچہ نکالا جس پر علم غیب کے متعلق پانچ سوال تھے (وہی سوال جن کا جواب مولانا نے شروع کیا تھا اور تقریر فقیر کے بعد چاک فرما دیا تھا) مجھ سے فرمایا: یہ سوال وہابیہ نے حضرت سیدنا کے ذریعہ سے پیش کئے ہیں اور آپ سے جواب مقصود ہے۔ میں نے سید مصطفیٰ سے

گزارش کی کہ قلم دوات دیجئے۔ حضرت مولانا شیخ کمال ومولانا سید اسماعیل ومولانا سید خلیل سب اکابر نے کہ تشریف فرما تھے ارشاد فرمایا کہ ہم ایسا فوری جواب نہیں چاہتے بلکہ ایسا جواب کہ خبیثوں کے دانت کھٹے ہوں۔ میں نے عرض کی: کہ اس کیلئے قدرے مہلت چاہیئے۔ دو گھڑی دن باقی ہے اس میں کیا ہوسکتا ہے۔ حضرت مولانا شیخ صالح کمال نے فرمایا کل سہ شنبہ، پرسوں چہارشنبہ ہے۔ ان دوروز میں ہو کہ پنجشنبہ کو مجھے مل جائے کہ میں شریف کے سامنے پیش کردوں۔ میں نے اپنے رب کی عنایت اور اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اعانت پر بھروسہ کر کے وعدہ کرلیا اور شان الٰہی کہ دوسرے ہی دن بخار نے پھر عود کیا۔ اسی حالت میں رسالہ تصنیف کرتا اور حامد رضا خاں تبیض کرتے۔ چہارشنبہ کے دن کا بڑا حصہ یوں بالکل خالی نکل گیا اور بخار ساتھ ہے بقیہ دن میں اور بعد عشاء بفضل الٰہی وعنایت رسالت پناہی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کہ کتاب کی تکمیل و تبیض سب پوری کرادی'' الدولة المكية بالمادة الغيبية '' اس کا تاریخی نام ہوا اور پنجشنبہ کی صبح ہی کو حضرت مولانا شیخ صالح کمال کی خدمت میں پہونچادی گئی۔

(الملفوظ، ۱۱، ۱۲، ۱۳، ج ۲)

حجۃ الاسلام علیہ الرحمۃ والرضوان اس علمی شاہکار کے منصۂ شہور پر آنے کا ایک اہم سبب ہیں۔ پوری کتاب کی تبیض آپ ہی نے فرمائی۔ پھر امام احمد رضا کے حکم سے اس پر تمہید قلم برداشتہ تحریر کی جسے امام احمد رضا نے بہت پسند فرمایا۔

تمہید میں حجۃ الاسلام نے پوری کتاب کا خلاصہ چند سطور میں پیش کردیا ہے۔ اس کے بعد آپ نے الدولة المكية کا از اول تا آخر ترجمہ فرمایا۔ جو آپ کی دونوں زبانوں پر قدرت کا مظہر ہے۔

ترجمہ پڑھ کر اصل کتاب کا گمان ہوتا ہے اور مزید خوبی یہ ہے کہ نثر کا ترجمہ نثر میں ہے اور نظم کا نظم میں ہے۔

اس کے علاوہ '' الاجازات المتينة لعلماء بكة والمدينة ''۔ اور '' كفل الفقيه الفاهم في احكام قرطاس الدراهم '' پر بھی آپ نے تمہیدیں تحریر فرمائیں جو آپ کی عربی دانی کا منہ بولتا

ثبوت ہیں۔

**دارالعلوم منظر اسلام کا اہتمام:** اس دارالعلوم کا جب قیام عمل میں آیا تو سب سے پہلے اس کا اہتمام آپ کے عم محترم استاذ زمن حضرت مولانا حسن رضا خاں صاحب قبلہ علیہ الرحمۃ کے سپرد ہوا۔ جب آپ کا وصال ۱۳۲۶ھ میں ہوگیا تو مستقل اس کا اہتمام حجۃ الاسلام کے سپرد کر دیا گیا جو آج بھی ان کی اولاد میں چلا آرہا ہے۔

آپ کے زمانہ میں دارلعلوم منظر اسلام نقطۂ عروج پر تھا اور اس وقت کے مدارس میں امتیازی شان کا مالک۔ ۱۳۵۳ھ/۱۹۳۴ء کے سالانہ اجلاس میں بیس طلبہ فارغ التحصیل ہوئے تھے جو اس زمانہ کے لحاظ سے ایک خاصی تعداد تھی۔

**اسفار:** آپنے امام احمد رضا کی معیت میں سفر حج وزیارت تو کیا ہی تھا لیکن دوسرے اہم مواقع پر بھی آپ امام احمد رضا کے ساتھ رہے۔ ندوہ کے رد میں ۱۳۱۸ھ/۱۹۰۰ء میں جلسہ ''دربار حق و صداقت'' پٹنہ میں منعقد ہوا جس میں ہندوستان کے سیکڑوں علماء ربانیین جمع ہوئے تھے۔ اس وقت حجۃ الاسلام بھی امام احمد رضا کے ساتھ تھے۔

۱۳۲۲ھ/۱۹۰۵ء میں سفر جبل پور کے لئے جب امام احمد رضا تشریف لے گئے تو بھی آپ ساتھ تھے۔

ان اسفار کے علاوہ آپ کے بے شمار اسفار وہ ہیں جو آپ نے امام احمد رضا قدس سرہ کے وصال کے بعد متحدہ ہندوستان میں کئے۔ پوری زندگی ملی و مسلکی خدمات کی لگن سینہ میں موجزن رہی، سفر لکھنؤ اور سفر لاہور آپ کے ان اسفار میں ہیں جن میں آپ نے حق و باطل کے درمیان خط امتیاز کھینچ دیا تھا۔

# مشاہیر تلامذہ

حضرت علامہ حضور مفتی اعظم ہند مولانا شاہ محمد مصطفیٰ رضا خاں برادر اصغر و صاحب سجادہ امام احمد رضا۔ ۱۴۰۲ھ

علامہ مولانا حسنین رضا خاں بریلوی، خلیفۂ امام احمد رضا ۱۴۰۱ھ

شاہ عبدالکریم صاحب تاجی ناگپوری پیرومرشد بابا ذہین شاہ تاجی، مدفون کراچی

۱۳۶۶ھ

مولانا مفتی ابرار حسن صدیقی تلہری، مدیر شہیر ماہنامہ یادگار رضا بریلی۔

محدث اعظم پاکستان مولانا محمد سردار احمد شیخ الحدیث جامعہ رضویہ منظر اسلام لائل پور پاکستان۔

۱۳۸۲ھ

مولانا محمد عبدالغفور ہزاروی شیخ القرآن ومعقول ومنقول، خطیب شعلہ بیان، وزیر آباد پاکستان۔

۱۳۹۰ھ

مولانا مفتی عبدالحمید قادری

۱۳۹۳ھ

مفسر اعظم ہند مولانا محمد ابراہیم رضا خاں جیلانی میاں، فرزند اکبر ۱۳۸۵ھ

مولانا شاہ رفاقت حسین مفتی اعظم کانپور، امین شریعت، صوبہ بہارم ۱۴۰۳ھ

مولانا غلام جیلانی، مانسہرہ پاکستان

صدر المدرسین جامع معقول ومنقول مولانا غلام جیلانی اعظمی

مولانا تقدس علیخاں رضوی سابق مہتمم دار العلوم منظر اسلام بریلی شریف ۱۴۰۳ھ

مولانا محمد علی آنولوی حامدی نائب مدیر ماہنامہ یادگار رضا

مولانا قاری غلام محی الدین ہلدوانی نینی تال

# مشاہیر خلفاء

۱۔ مولانا ظہیر الحسن اعظمی مدفون اودے پور

۲۔ مولانا حافظ محمد میاں صاحب اشرفی رضوی علیم آباد ضلع در بھنگہ بہار

۱۳۵۴ھ/۱۹۳۵

۳۔ مولانا عنایت محمد خاں غوری فیروز پوری

۴۔ مولانا مفتی ابرار حسن صدیقی تلہری مدفون ضلع شاہجہاں پور

۵۔ مولانا ولی الرحمٰن پوکھریروری مظفر پوری ۱۳۴۰ھ/۱۹۵۱ء

۶۔ مولانا حماد رضا خان نعمانی میاں بریلی خلف اصغر مدفون کراچی ۱۳۷۵/۱۹۵۶ء

۷۔ مولانا قاری احمد حسین فیروز پوری مدفون گجرات ۱۳۷۹ھ/۱۹۶۰ء

۸۔ مولانا سردار ولی خاں عرف عزو میاں بریلوی مدفون ملتان

۹۔ مولانا حشمت علی خاں لکھنوی، پیلی بھیتی م ۱۳۸۰/۱۹۶۱ء

۱۰۔ مولانا سید ابوالحسنات محمد احمد الوری مدفون دربار داتا لاہور م ۱۳۸۰ھ/۱۹۶۱

۱۱۔ محدث اعظم پاکستان مولانا سردار احمد لائل پوری م ۱۳۸۲ھ/۱۹۶۲ء

۱۲۔ اجمل العلما مولانا شاہ مفتی محمد اجمل سنبھلی م ۱۳۸۳ھ ۱۹۶۳ء

۱۳۔ مولانا محمد ابراہیم رضا خاں جیلانی میاں صاحب سجادہ خلف اکبر ۔ ۱۳۸۵/۱۹۶۵

۱۴۔ مولانا سید ریاض الحسن صاحب جودھپوری مدفون حیدرآباد سندھ م ۱۳۹۰ھ ۱۹۷۰ء

۱۵۔ مولانا مفتی محمد اعجاز ولی خاں رضوی بریلوی مدفون لاہور م ۱۳۹۳ھ/۱۹۷۳

۱۶۔ مجاہد ملت مولانا شاہ محمد حبیب الرحمٰن قادری دھام نگری م ۱۴۰۱ھ/۱۹۸۱ء

۱۷۔ محدث مولانا محمد احسان علی مظفر پوری، م ۱۴۰۲ھ/ ۱۹۸۲

۱۸۔ مولانا محمد سعید شبلی فیروز پوری، م ۱۴۰۳ھ/۱۹۸۲ء

۱۹۔ مداح الرسول صوفی عزیز احمد بریلوی م ۱۴۰۵ھ/ ۱۹۸۴

۲۰۔ مولانا ریحان رضا خاں رحمانی میاں بریلوی نبیرۂ اکبر م ۱۴۰۵ھ/۱۹۸۴

۲۱۔ مولانا شاہ رفاقت حسین مفتی اعظم کانپور امین شریعت بہار م ۱۴۰۳ھ/۱۹۸۳

۲۲۔ مولانا رضی احمد ماہر رضوی مدھوبنی بہار

۲۳۔ مولانا شاہ ابوسہیل انیس عالم امین شریعت بہار

۲۴۔ مولانا قاضی فضل کریم قاضی شریعت بہار

۲۵۔ شیخ الحدیث مولانا عبدالمصطفی اعظمی، م ۱۴۰۶ھ/۱۹۸۶

۲۶۔ یادگار سلف مولانا الحاج تقدس علی خاں رضوی بریلوی مدفون پیر جو گوٹھ سندھ
۲۷۔ مولانا محمد ابراہیم خوشتر صدیقی قادری رضوی بانی و سربراہ سنی رضوی سوسائٹی انٹرنیشنل
۲۸۔ مولانا مفتی ظفر علی نعمانی کراچی۔
۲۹۔ مولانا سید محمد علی اجمیری مقیم حیدرآباد۔ سندھ۔
۳۰۔ مولانا محمد علی آنولوی

# تصانیف

| | | |
|---|---|---|
| ۱۔ | مجموعہ فتاوی قلمی | |
| ۲۔ | الصارم الربانی علی اسراف القادیانی | (۱۳۱۵ھ) |
| ۳۔ | نعتیہ دیوان | |
| ۴۔ | تمہید اور ترجمہ الدولیۃ المکیۃ | ۱۳۲۳ھ/ ۱۹۰۵ |
| ۵۔ | تمہید الاجازت المتینہ لعلماء بکۃ والمدینۃ | ۱۳۴۰ھ/ ۱۹۰۶ء |
| ۶۔ | تمہید کفل الفقیہ الفاہم | ۱۳۴۰ھ |
| ۷۔ | تاریخی نام، خطبہ الوظیفۃ الکریمہ | ۱۳۳۸ |
| ۸۔ | سد الفرار | |
| ۹۔ | سلامۃ اللہ لاہل السنۃ من سبیل العناد والفتنۃ | ۱۳۳۲ھ/ ۱۹۱۳ |
| ۱۰۔ | حاشیہ ملا جلال قلمی | |
| ۱۱۔ | کنز المصلی پر حاشیہ | ۱۳۳۲ھ/ ۱۹۰۵ |
| ۱۲۔ | اجلی انوار الرضا | ۱۳۳۴ھ/ ۱۹۱۵ء |
| ۱۳۔ | اثار المبتدعین لہدم حبل اللہ المتین | |
| ۱۴۔ | وقایہ اہل سنت، | |

# وصال

آپ ۱۷ ؍ جمادی الاولی ۱۳۶۲ھ مطابق ۲۲ مئی ۱۹۴۳ء بعمر ۷۰ سال عین حالت نماز میں دوران تشہد دس بجکر ۴۵ منٹ پر اپنے خالق حقیقی سے جا ملے انا اللہ وانا الیہ راجعون۔

# اولاد امجاد

حضور حجۃ الاسلام قدس سرہ کے دو صاحبزادے اور چار صاحبزادیاں تھی، صاحبزاگان کے نام یہ ہیں۔

(۱) مفسر اعظم ہند حضرت مولانا ابراہیم رضا خاں جیلانی میاں

(۲) حضرت مولانا حماد رضا خاں نعمانی میاں۔

رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہما رحمۃ واسعۃ
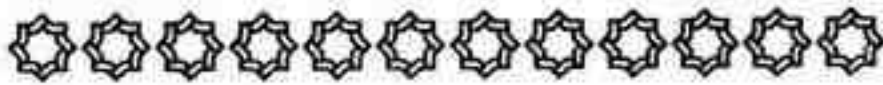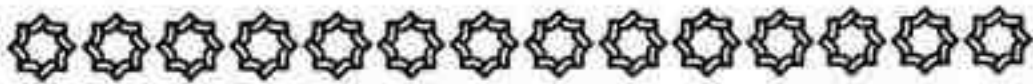
# حضور مفتی اعظم ہند علامہ مصطفیٰ رضا خاں بریلوی

**ولادت:** مرجع العلماء والفقہاء سیدی حضور مفتی اعظم ہند حضرت علامہ شاہ محمد مصطفیٰ رضا صاحب قبلہ نور اللہ مرقدہ کی ولادت باسعادت۔ ۲۲؍ذوالحجہ ۱۳۱۰ھ بروز جمعہ صبح صادق کے وقت بریلی شریف میں ہوئی۔

پیدائشی نام "محمد" عرف "مصطفیٰ رضا" ہے۔ مرشد برحق حضرت شاہ ابوالحسین نوری قدس سرہ العزیز نے آل الرحمٰن ابو البرکات نام تجویز فرمایا اور چھ ماہ کی عمر میں بریلی شریف تشریف لاکر جملہ سلاسل عالیہ کی اجازت وخلافت عطا فرمائی اور ساتھ ہی امام احمد رضا قدس سرہ کو یہ بشارت عظمیٰ سنائی کہ یہ بچہ دین وملت کی بڑی خدمت کرے گا اور مخلوق خدا کو اس کی ذات سے بہت فیض پہونچے گا۔ یہ بچہ ولی ہے۔

**حصول علم:** سخن آموزی کے منزل طے کرنے کے بعد آپ کی تعلیم کا باقاعدہ آغاز ہوا اور آپ نے جملہ علوم وفنون اپنے والد ماجد سیدنا امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہ۔ برادر اکبر حجۃ الاسلام حضرت علامہ شاہ محمد حامد رضا خاں صاحب علیہ الرحمۃ والرضوان۔ استاذ الاساتذہ علامہ شاہ رحم الٰہی منگلوری۔ شیخ العلماء علامہ شاہ سید بشیر احمد علی گڑھی۔ شمس العلماء علامہ ظہور الحسین فاروقی رامپوری سے حاصل کئے اور ۱۸؍سال کی عمر میں تقریباً چالیس علوم وفنون حاصل کر کے سند فراغت حاصل کی۔

**تدریس:** فراغت کے بعد جامعہ رضویہ منظر اسلام بریلی شریف ہی میں مسند تدریس کو رونق بخشی۔ تقریباً تیس سال تک علم وحکمت کے دریا بہائے۔ برصغیر پاک وہند کی اکثر درسگاہیں آپ کے تلامذہ ومستفیدین سے مالا مال ہیں۔

درس افتاء: فن افتاء کی مثالی تعلیم کا خاکہ خود تلامذہ ہی کی زبانی سنئے۔

نائب مفتی اعظم حضرت مفتی محمد شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

میں گیارہ سال تین ماہ خدمت میں رہا، اس مدت میں چوبیس ہزار مسائل لکھے جن میں کم از کم دس ہزار وہ ہیں جن پر حضور مفتی اعظم کی تصحیح و تصدیق ہے۔ میں گھسا پٹا نہیں، بہت سوچ سمجھ کر جانچ تول کر مسئلہ لکھتا تھا، مگر واہ رے مفتی اعظم اگر ذرا بھی غلطی ہے، یا لوچ ہے، یا بے ربطی ہے، یا تعبیر نامناسب ہے، یا سوال کے ماحول کے مطابق جواب میں کمی بیشی ہے، یا کہیں سے کوئی غلط فہمی کا ذرا سا بھی اندیشہ ہے تو فوراً اس پر تنبیہ فرماتے اور مناسب اصلاح فرماتے۔ تنقید آسان ہے مگر اصلاح دشوار، مگر ستر سالہ مفتی اعظم کا دماغ اور علم ایسا جوان تھا کہ تنقید کے بعد فوراً اصلاح فرما دیتے اور ایسی اصلاح کہ پھر قلم ٹوٹ کر رہ جاتا۔ بارہا ایسا ہوتا کہ حکم کی تائید میں کہیں عبارت نہ ملتی تو میں اپنی صواب دید سے حکم لکھ دیتا۔ کبھی دور دراز کی عبارت سے تائید لاتا مگر مفتی اعظم ان کتابوں کی عبارت جو دار الافتاء میں نہ تھیں زبانی لکھوا دیتے۔ میں حیران رہ جاتا ، یا اللہ کبھی مطالعہ کرتے دیکھا نہیں، یہ عبارتیں زبانی کیسے یاد ہیں۔

مفتی محمد مطیع الرحمٰن صاحب پورنوی رقمطراز ہیں:

آپ درس افتاء میں محض نفس حکم سے آگاہ نہیں فرماتے بلکہ اس کے مالہ و ماعلیہ کے تمام نشیب و فراز ذہن نشین کراتے، پہلے آیات و احادیث سے استدلال فرماتے، پھر اصول فقہ سے اس کی تائید دکھاتے اور پھر قواعد کلیہ کی روشنی میں اس کا جائزہ لے کر کتب فقہ سے جزئیات پیش، فرماتے۔ پھر مزید اطمینان کے لئے فتاوی رضویہ سے امام احمد رضا کا ارشاد نقل فرماتے۔ وغیرہ وغیرہ۔

یہ اقتباس آپ کی شان فقاہت اور کمال تبحر کا بین ثبوت اور اس بات کا روشن بیان ہیں کہ آپ مفتی ہی نہیں بلکہ مفتی ساز اور فقیہ ہی نہیں بلکہ فقیہ النفس تھے۔

مجاہدانہ زندگی:

آپ کی ۹۲ سالہ حیات مبارکہ میں زندگی کے مختلف موڑ آئے۔ کبھی شدھی تحریک کا قلع

قمع کرنے کیلئے جماعت رضائے مصطفیٰ کی صدارت فرمائی اور باطل پرستوں سے پنجہ آزمائی کیلئے سر سے کفن باندھ کر میدان خارزار میں کود پڑے، لاکھوں انسانوں کو کلمہ پڑھایا اور بے شمار مسلمانوں کے ایمان کی حفاظت فرمائی۔ قیام پاکستان کے نعرے اور خلافت کمیٹی کی آوازیں بھی آپ کے دور میں اٹھیں اور ہزاروں شخصیات اس سے متاثر ہوئیں۔ نسبندی کا طوفان بلاخیر آپ کے آخری دور میں رونما ہوا اور بڑے بڑے ثابت قدم متزلزل ہو گئے لیکن ہر دور میں آپ استقامت فی الدین کا جبل عظیم بن کر ان حوادث زمانہ کا مقابلہ خندہ پیشانی سے فرماتے رہے۔

آپ نے اس دور پر فتن میں نسبندی کی حرمت کا فتویٰ صادر فرمایا جبکہ عموماً دینی ادارے خاموش تھے، یا پھر جواز کا فتویٰ دے چکے تھے۔

**وصال:** ۱۳ر محرالحرام ۱۴۰۲ھ/۱۱ر نومبر ۱۹۸۱، بدھ کا دن گزار کر شب میں ارج کر چالیس منٹ پر ۹۲ سال کی عمر شریف میں وصال فرمایا اور جمعہ کی نماز کے بعد لاکھوں افراد نے نماز جنازہ اسلامیہ کالج کے وسیع میدان میں ادا کی اور امام احمد رضا کے پہلو میں دفن کر دیا گیا۔

**عبادت و ریاضت:** سفر و حضر ہر موقع پر کبھی آپ کی نماز پنجگانہ قضا نہیں ہوتی تھی، ہر نماز وقت پر ادا فرماتے، سفر میں نماز کا اہتمام نہایت مشکل ہوتا ہے لیکن حضرت پوری حیات مبارکہ اس پر عامل رہے۔ اس سلسلہ میں چشم دید واقعات لوگ بیان کرتے ہیں کہ نماز کی ادائیگی و اہتمام کیلئے ٹرین چھوٹنے کی بھی پرواہ نہیں فرماتے تھے، خود نماز ادا کرتے اور ساتھیوں کو بھی سخت تاکید فرماتے۔

**زیارت حرمین شریفین:** آپ نے تقسیم ہند سے پہلے دو مرتبہ حج و زیارت کیلئے سفر فرمایا، اس کے بعد تیسری مرتبہ ۱۳۹۱ھ/۱۹۷۱ء میں جب کہ فوٹو لازم ہو چکا تھا لیکن آپ اپنی حزم و احتیاط پر قائم رہے لہٰذا آپ کو پاسپورٹ وغیرہ ضروری پابندیوں سے مستثنیٰ قرار دے دیا گیا اور آپ حج و زیارت کی سعادت سے سرفراز ہوئے۔

## فتویٰ نویسی کی مدت:

آپ کے خاندان کا یہ طرۂ امتیاز رہا ہے کہ تقریباً ڈیڑھ سو سال سے فتویٰ نویسی کا گراں

قدر فریضہ انجام دے رہا ہے۔ ۱۸۳۱ھ میں سیدنا اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے جد امجد امام العلماء حضرت مفتی رضا علی خاں صاحب قدس سرہ نے بریلی کی سرزمین پر مسند افتاء کی بنیاد رکھی، پھر اعلیٰ حضرت کے والد ماجد علامہ مفتی نقی علی خاں صاحب قدس سرہ نے یہ فریضہ انجام دیا اور متحدہ پاک وہند کے جلیل القدر علماء میں آپ کو سرفہرست مقام حاصل تھا، ان کے بعد امام احمد رضا قدس سرہ نے تقریباً نصف صدی تک علوم ومعارف کے دریا بہائے اور فضل وکمال کے ایسے جوہر دکھائے کہ علمائے ہند ہی نہیں بلکہ فقہائے حرمین طیبین سے بھی خراج تحسین وصول کیا اور سب نے بالاتفاق چودہویں صدی کا مجدد اعظم تسلیم کیا۔

آپ کے وصال اقدس کے بعد آپ کے فرزند اکبر حجۃ الاسلام نے اس منصب کو زینت بخشی اور پھر باقاعدہ سیدنا حضور مفتی اعظم کو یہ عہدہ تفویض ہوا جس کا آغاز خود امام احمد رضا کی حیات طیبہ ہی میں ہو چکا تھا۔

آپ نے مسئلہ رضاعت سے متعلق ایک فتوی نو عمری کے زمانے میں بغیر کسی کتاب کی طرف رجوع کئے تحریر فرمایا: تو اس سے متاثر ہو کر امام احمد رضا نے فتوی نویسی کی عام اجازت فرمادی اور مہر بھی بنوا کر مرحمت فرمائی جس پر یہ عبارت کندہ تھی ''ابوالبرکات محی الدین جیلانی آل الرحمٰن محمد عرف مصطفیٰ رضا''

یہ مہر دینی شعور کی سند اور اصابت فکر کا اعلان تھی۔ بلکہ خود امام احمد رضا نے جب پورے ہندوستان کے لئے دار القضاء شرعی کا قیام فرمایا تو قاضی ومفتی کا منصب صدر الشریعہ، مفتی اعظم اور برہان الحق جبل پوری قدس اسرارہم کو عطا فرمایا۔

غرضکہ آپ نے نصف صدی سے زیادہ مدت تک لاکھوں فتاوی لکھے۔ اہل ہند و پاک اپنے الجھے ہوئے مسائل آپ کی خدمت میں لے کر حاضر ہوتے اور ہر پیدا ہونے والے مسئلہ میں فیصلہ کے لئے نگاہیں آپ ہی کی طرف اٹھتی تھیں۔ آپ کے فتاوی کا وہ ذخیرہ محفوظ نہ رہ سکا ورنہ آج وہ اپنی ضخامت ومجلدات کے اعتبار سے دوسرا فتاوی رضویہ ہوتا۔

## تصنیفات وترتیبات

آپ کی تصانیف علم وتحقیق کا منارۂ ہدایت ہیں۔ جس موضوع پر قلم اٹھاتے ہیں حق تحقیق ادا فرماتے ہیں، فقیہ ملت حضرت مفتی جلال الدین صاحب قبلہ علیہ الرحمہ نے آپ کی تصانیف کا تعارف تحریر فرمایا ہے اسی کا خلاصہ ہدیۂ قارئین ہے۔

۱۔ المکرمۃ النبویۃ فی الفتاوی المصطفویہ (فتاوی مصطفویہ)

یہ پہلے تین حصوں میں عالی جناب قربان علی صاحب کے اہتمام میں شائع ہوا تھا۔

اب ایک ضخیم جلد میں حضرت فقیہ ملت علیہ الرحمہ کی نگرانی میں رضا اکیڈمی بمبئی سے شائع ہوا ہے جو حسن صوری ومعنوی سے مالا مال ہے۔

۲۔ اشد العذاب علی عابد الخناس (۱۳۲۸)

تحذیر الناس کا رد بلیغ

۳۔ وقعات السنان فی حلق المسماۃ بسط البنان (۱۳۳۰)

بسط البنان اور تحذیر الناس پر تنقید اور ۱۳۲ سوالات کا مجموعہ

۴۔ الرمح الدیانی علی راس الوسواس الشیطانی (۱۳۳۱)

تفسیر نعمانی کے مولف پر حکم کفر وارتداد گویا یہ حسام الحرمین کا خلاصہ ہے۔

۵۔ النکتہ علی مراۃ کلکتہ (۱۳۳۲

اذان خارج مسجد ہونے پر ائمہ کی تصریحات کا خلاصہ۔

۶۔ صلیم الدیان لتقطیع حبالۃ الشیطان (۱۳۳۲)

۷۔ سیف القہار علی عبد الکفار (۱۳۳۲

۸۔ نفی العار عن معائب المولوی عبد الغفار (۱۳۳۲

۹۔ مقتل کذب و کید (۱۳۳۲)

۱۰۔ مقتل اکذب و اجہل (۱۳۳۲)

اذان ثانی کے تعلق سے سے مولوی عبدالغفار خاں رامپوری کی متعدد تحریروں کے رد میں یہ رسائل لکھے گئے۔

۱۱۔ ادخال السنان الی الحنك الحلق البسط البنان (۱۳۳۲)

۱۲۔ وقاية اهل السنة عن مكر ديو بند و الفتنة (۱۳۳۲)

اذان ثانی سے متعلق ایک کانپوری دیوبندی کا رد

۱۳۔ الهى ضرب به اهل الحرب (۱۳۳۲)

۱۴۔ الموت الاحمر على كل انحس اكفر (۱۳۳۷)

موضوع تکفیر پر نہایت معرکۃ الآراء بحثیں اس کتاب میں تحقیق سے پیش کی گئی ہیں۔

۱۵۔ الملفوظ، چار حصے (۱۳۳۸)

امام احمد رضا قدس سرہ کے ملفوظات

۱۶۔ القول العجيب فى جواز التثويب (۱۳۳۹)

اذان کے بعد صلوۃ پکارنے کا ثبوت

۱۷۔ الطارى الدارى لهفوات عبد البارى (۱۳۳۹)

امام احمد رضا فاضل بریلوی اور مولانا عبدالباری فرنگی محلی کے درمیان مراسلت کا مجموعہ

۱۸۔ طرق الهدى و الارشاد الى احكام الامارة و الجهاد (۱۳۴۱)

اس رسالہ میں جہاد، خلافت، ترک موالات، نان کوآپریشن اور قربانی گاؤ وغیرہ کے متعلق چھ سوالات کے جوابات۔

۱۹۔ فصل الخلافة (۱۳۴۱)

اس کا دوسرا نام سوراج درسوراخ ہے اور مسئلہ خلافت سے متعلق ہے۔

۲۰۔ حجة واهره بوجوب الحجة الحاضره (۱۳۴۲)

بعض لیڈروں کا رد جنہوں نے حج بیت اللہ سے ممانعت کی تھی اور کہا تھا کہ شریف مکہ ظالم ہے۔

۲۱۔ القسورة علی ادوار الحمر الکفرة (۱۳۴۳)
جس کا لقبی نام ظفر علی رمۃ کفر
اخبار زمیندار میں شائع ہونے والے تین کفری اشعار کا رد بلیغ۔

۲۲۔ سامان بخشش (نعتیہ دیوان) (۱۳۴۷)

۲۳۔ طرد الشیطان (عربی)
نجدی حکومت کی جانب سے لگائے گئے حج ٹیکس کا رد۔

۲۴۔ مسائل سماع

۲۵۔ سلک مرادآباد پر معترضانہ رمارک

۲۶۔ نہایة السنان ،
بسط البنان کا تیسرا رد

۲۷۔ شفاء العی فی جواب سوال بمبئی
اہل قرآن اور غیر مقلدین کا اجتماعی رد

۲۸۔ الکاوی فی العاوی و الغاوی (۱۳۳۰)

۲۹۔ القثم القاصم للداسم القاسم (۱۳۳۰)

۳۰۔ نور الفرقان بین جند الاله و احزاب الشیطان (۱۳۳۰)

۳۱۔ تنویر الحجة بالتواء الحجة

۳۲۔ وہابیہ کی تقیہ بازی

۳۳۔ الحجة الباهره

۳۴۔ نور العرفان

۳۵۔ داڑھی کا مسئلہ

۳۶۔ حاشیہ الاستمداد (کشف ضلال دیوبند)

۳۷۔ حاشیہ فتاوی رضویہ اول

۳۸۔ حاشیہ فتاویٰ رضویہ پنجم

## مشاہیر تلامذہ

بعض مشہور تلامذۂ کرام کے اسماء اس طرح ہیں جو بجائے خود استاذ الاساتذہ شمار کیے جاتے ہیں۔

۱۔ شیر بیشۂ اہل سنت حضرت علامہ محمد حشمت علی خاں صاحب قدس سرہ
۲۔ محدث اعظم پاکستان حضرت علامہ مفتی سردار احمد صاحب علیہ الرحمۃ والرضوان
۳۔ فقیہ عصر مولانا مفتی محمد اعجاز ولی خاں صاحب بریلی شریف علیہ الرحمۃ والرضوان
۴۔ فقیہ عصر شارح بخاری مفتی محمد شریف الحق امجدی دامت علیہ الرحمہ
۵۔ محدث کبیر علامہ محمد ضیاء المصطفی اعظمی شیخ الحدیث الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور
۶۔ بلبل ہند مفتی محمد رجب علی صاحب نانپاروی، بہرائچ شریف
۷۔ شیخ العلماء مفتی غلام جیلانی صاحب گھوسوی

مستفیدین اور درس افتاء کے تلامذہ کی فہرست نہایت طویل ہے جن کے احاطہ کی اس مختصر میں گنجائش نہیں، صرف اتنا سمجھ لینا کافی ہے کہ آسمان افتاء کے آفتاب و ماہتاب بنکر چمکنے والے مفتیان عظام اسی عبقری شخصیت کے خوان کرام کے خوشہ چین رہے جس سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ حضور مفتی اعظم ہند کو افتاء جیسے وسیع و عظیم فن میں ایسا تبحر اور ید طولیٰ حاصل تھا کہ ان کے دامن فضل و کرم سے وابستہ ہو کر ذرے ماہتاب بن گئے۔

## مشاہیر خلفاء

۱۔ مفسر اعظم ہند مولانا محمد ابراہیم رضا خاں جیلانی میاں بریلی شریف
۲۔ غزالی دوراں علامہ سید احمد سعید صاحب کاظمی، ملتان پاکستان
۳۔ مجاہد ملت علامہ حبیب الرحمٰن صاحب رئیس اعظم اڑیسہ
۴۔ شیر بیشہ اہل سنت مولانا حشمت علی خاں صاحب، پیلی بھیت

۵۔ رازیٔ زماں مولانا حاجی مبین الدین صاحب امروہہ، مرآداباد
۶۔ شہزادۂ صدر الشریعہ مولانا عبد المصطفی صاحب ازہری کراچی، پاکستان
۷۔ شارح بخاری مفتی محمد شریف الحق صاحب امجدی گھوسی، اعظم گڑھ
۸۔ شمس العلماء مولانا قاضی شمس الدین احمد صاحب جونپور
۹۔ محدث اعظم پاکستان مولانا محمد سردار احمد صاحب لائل پور، پاکستان
۱۰۔ خطیب مشرق مولانا مشتاق احمد صاحب نظامی الہ آباد۔
۱۱۔ پیر طریقت مولانا قاری مصلح الدین صاحب کراچی پاکستان
۱۲۔ استاذ العلماء مولانا محمد تحسین رضا خاں صاحب بریلی شریف
۱۳۔ قائد ملت مولانا ریحان رضا خاں صاحب بریلی شریف
۱۴۔ تاج الشریعہ مولانا محمد اختر رضا خاں صاحب بریلی شریف
۱۔ پیر طریقت مولانا سید مبشر علی میاں صاحب بہیڑی بریلی شریف

# مآخذ و مراجع


۱۔ سیرت اعلیٰ حضرت۔ مصنفہ علامہ حسنین رضا خانصاحب بریلوی علیہ الرحمہ

۲۔ 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃

۱۔ 〃 〃 〃 〃 〃 〃

۲۔ 〃 〃 〃 〃 〃 〃

۳۔ حیات اعلیٰ حضرت۔ مصنفہ ملک العلماء علامہ ظفر الدین صاحب بہاری علیہ الرحمہ

۴۔ سیرت اعلیٰ حضرت

۵۔ حیات اعلیٰ حضرت

۶۔ سیرت اعلیٰ حضرت

۷۔ فقیہ اسلام۔ مقالہ ڈاکٹریٹ مولانا حسن رضا خاں، پٹنہ

۸۔ حیات اعلیٰ حضرت

۹۔ 〃 〃

۱۰۔ 〃 〃

۱۱۔ سیرت اعلیٰ حضرت

۱۲۔ حیات اعلیٰ حضرت

۱۳۔ الملفوظ

۱۴۔ فتاوی رضویہ جدید

۱۵۔ سیرت اعلیٰ حضرت

۱۶۔ 〃 〃

۱۷۔ محدث بریلوی۔ پروفیسر ڈاکٹر مسعود احمد صاحب کراچی

۱۸۔ تذکرۂ جمیل۔ مصنفہ مولانا محمد خوشتر صاحب۔ تذکرۂ مشائخ قادریہ

# فہرست عناوین